نادر و نایاب رسائل کا مجموعہ سوا صدی بعد افقِ اشاعت پر ضیا بار

مجموعہ رسائل ہزاروی

خلیفۂ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین سنی حنفی قادری ہزاروی علیہ الرحمۃ

(متوفی: ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء)

تحقیق، تخریج، جمع و ترتیب

خُرم محمود سرسالوی

ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی

دار تراث الاسلاف للتحقیق
والنشر والتوزیع کراچی
Cell:0311-3138106

نادر و نایاب رسائل کا مجموعہ سو اصدی بعد افقِ اشاعت پر ضیا بار

مجموعۂ
رسائلِ ہزاروی

خلیفۂ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین سنی حنفی قادری ہزاروی علیہ الرحمۃ

[م:۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء]

تحقیق، تخریج، جمع و ترتیب

خرم محمود سر سالوی

ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی

دار تراث الاسلاف - کراچی

نام کتاب : مجموعۂ رسائل ہزاروی

[الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ۔ فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء۔ فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلاۃ۔ ازالۃ الملامۃ عن الامامۃ بغیر العمامۃ۔ اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین۔ توضیح الاحکام۔ ہدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود۔ اظہارِ صدق وھُدیٰ۔ فتویٰ]

تصنیف : مفتی محمد عمر الدین حنفی قادری ہزاروی

تحقیق، تخریج : خرم محمود سرسالوی

: ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی

نظر ثانی : مولانا مفتی مہتاب احمد الرضوی

صفحات : 412

تعدادِ اشاعت : 300

سنِ اشاعت : صفر المظفر 1440ھ / اکتوبر 2018ء

ناشر : دار تراث الاسلاف - کراچی

ملنے کے پتے:

مکتبہ حسان کراچی۔ مکتبہ قادریہ کراچی

مکتبہ غوثیہ کراچی۔ کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور

شبیر برادرز اردو بازار لاہور۔ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

تعارفیہ

((1))

الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ

فہرستِ مضامین

((2))

فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء

فہرستِ مضامین

((3))

فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلاۃ

فہرستِ مضامین

((4))

ازالۃ الملامۃ عن الامامۃ بغیر العمامۃ

فہرستِ مضامین

((5))

اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین

فہرستِ مضامین

((6))

توضیح الاحکام

فہرستِ مضامین

((7))

ہدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

((8))

اظہارِ صدق وہدیٰ

فہرستِ مضامین

((9))

فتویٰ

اہداء

بحضور

صاحبِ رسائل کے مرشدانِ گرامی

یعنی

تاج الفحول حضرت علامہ مولانا عبد القادر قادری بدایونی

و

امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان حنفی قادری محدّثِ بریلوی

اور

صاحبِ رسائل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین سنی حنفی قادری ہزاروی

انتساب

بنام

سیّدی و مرشدی، امیر اہلِ سنّت
حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری رضوی ضیائی
مُدَّظِلُّہُ العَالِی

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

گر قبول افتد زہے عزّو شرف

اظہارِ تشکر

شکر اس ذات پاک خالق کائنات کا جس کے اذن سے کام انجام پاتے ہیں۔

ہم اُن تمام اہلِ علم حضرات، اربابِ علم و دانش کے تہ دل سے مشکور ہیں جنھوں نے ہماری اس سعی وکاوش کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کسی طور پر حصہ لیا۔ بالخصوص

☆ محترم محمد ثاقب رضا قادری صاحب آف لاہور جو اس راہ کے پہلے رہ نما ہیں۔

☆ محترم میثم عباس قادری رضوی صاحب جنہوں نے بعض رسائل کی فراہمی میں تعاون فرمایا۔

☆ محترم مولانا ابن اسحاق سیف اللہ ہزاروی صاحب جنہوں نے فارسی عبارات کے ترجمہ و تصحیح میں معاونت فرمائی۔

☆ محترم مہتاب احمد الرضوی صاحب، موصوف نے نہایت باریک بینی سے رسائل پر نظرِ ثانی فرمائی۔

☆ محترم عابد حسین شاہ پیرزادہ صاحب، جناب سے رسائل پر مشاورت رہی اور اس حوالہ سے موصوف نے اپنا ایک مقالہ بھی عنایت فرمایا۔

☆ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب۔ علامہ مفتی نثار احمد خان مصباحی صاحب۔ علامہ مولانا طفیل احمد مصباحی صاحب۔ مذکورہ حضرات نے رسائل پر تقاریظ قلم بند فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

☆ رسائل کی فراہمی کے اہم ستون اور روح رواں، بلکہ ان کی کوشش و تعاون کے بغیر مجموعہ ٔرسائل کی بازیافت ناممکن نہیں تو مشکل اور بہت دیر پا ہوتی۔ میری مراد محترم محمد ابرار عطاری ہیں، دو ایک رسائل چھوڑ کر بقیہ تمام رسائل موصوف کے فراہم کردہ ہیں۔

مذکورہ تمام حضرات کے ہم انتہائی سپاس گزار ہیں۔

مرتبین

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی

(شیخ الحدیث ورئیس دار الافتاء جامعۃ النور جمعیت اشاعت اہل سنت-پاکستان)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

علمِ دین اللہ عزّوجلّ کے انعامات میں سے ایک نعمت ہے۔ جسے چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے۔ عالم کو عابد پر بھی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

«فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ»[1]

اسی طرح یہ بھی مروری ہے کہ «كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ»[2]

پھر علمِ دین کی نعمت مل جانے کے بعد علمِ دین کی خدمت کرنا، اس کی ترویج و اشاعت کے لئے سعی کرنا، چاہے وہ درس و تدریس کے ذریعے ہو یا تصنیف و تالیف، تخریج و تحقیق و ترجمہ کے ذریعے ہو یا وعظ و تبلیغ کے ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے علمِ دین کی نعمت مل جائے اور پھر اس کی خدمت میسر آجائے، وہ شکر ادا کرے، اپنا کمال نہ جانے؛ کیوں کہ علمِ دین کا حاصل ہونا اور اس کی خدمت کی توفیق ملنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [پ:۶، المائدہ، ۵۴]

درس و تدریس کے علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت سب سے افضل ہے، بہت سی رحمتوں اور برکتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْباً"

یعنی، میں عِلْم دین کا درس لیتا رہا، یہاں تک کہ مقامِ قُطبیّت پر فائز ہو گیا۔ (قصیدہ

---

(1)۔۔: سنن الترمذي: أبو اب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، رقم 2682

(2)۔۔: ایضاً: رقم 2685

غوثیہ)

پھر تصنیف و تالیف اور تخریج و تحقیق و ترجمہ وغیرہ کے ذریعے علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت بھی علمِ دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ صدیوں تک اہلِ اسلام کی صلاح کا سامان اور ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی لوگ ان علماء سے، ان کی تحریری کاوشوں کے سبب اُن سے استفادہ کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ علمائے دین سے جو چاہتا ہے جنہیں چاہتا ہے دین کی خدمت لیتا ہے۔ ان کی کاوشوں سے کامل استفادہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب ان کی صحیح حالت میں اشاعت ہو، علمائے دین کی کئی تصانیف ایسی ہیں کہ جو حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئیں۔ کتنی ایسی ہیں کہ عام مسلمانوں تو کیا عام عالم کی بھی ان تک رسائی نہیں کہ ہنوز شائع نہیں ہوئیں اور کتنی ایسی ہیں کہ جو شائع تو ہوئیں مگر تصحیح و تنقیح کی محتاج ہیں اور کتنی ایسی ہیں جو شائع تو ہوئی تھیں مگر اب ان کا وجود نادر ہے۔ تو ان حالات میں میں اسلاف کی علمی و تحریری کاوشوں پر کام کرنا اور اُن کی اشاعت علمِ دین کی بہت بڑی خدمت ہے، جب کہ ایک بہت بڑی تعداد اس طرف توجہ ہی نہیں کرتی!!!

لہذا ان حالات میں علامہ خرم محمود سرسالوی اور علامہ ابوثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی کا مفتی محمد عمر الدین حنفی قادری ہزاروی کے رسائل پر کام کرنا اور مولانا مفتی مہتاب احمد رضوی کا ان کے ساتھ تعاون کرنا بڑی خدمت اور علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت اور اسلاف کی تحریری کاوشیں منظر عام پر لانے کی سعی ہے جو کہ لائق ستائش ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم و عمل، عمر و رزق میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کی سعی کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

محمد عطاء اللہ نعیمی

خادم دار الحدیث و دار الافتاء

بجامعۃ النور جمعیۃ اشاعۃ اہلِ سنت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی

تقریظ

علامہ مفتی نثار احمد خان مصباحی

(فاضل: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ-ہند)

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ، و علی آلہ و صحبہ و من والاہ.

عزیز گرامی مولانا خرم محمود مدنی سرسالوی (فاضل: جامعۃ المدینہ، کراچی) ایک نوجوان جفاکش محقق ہیں۔ علمائے اہل سنت کے علمی آثار سے انھیں خاص شغف ہے۔ 1315ھ سے 1327ھ یعنی ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک شائع ہونے والے ماہ نامہ "مخزنِ تحقیق" یعنی "تحفۂ حنفیہ" (پٹنہ) پر کئی جہتوں سے کام کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ جلد ہی اس ماہ نامے میں شائع ہونے والے علمائے اہل سنت کے رسائل، مقالات، فتاویٰ اور منظومات کے الگ الگ مجموعے ان کی تحقیق کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں گے۔ یسر اللہ إتمامها

ماہ نامہ "تحفۂ حنفیہ" برطانوی ہند میں اہل سنت کے مذہبی صحافتی سفر میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہمارے کرم فرما مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی بدایونی نے "تحفۂ حنفیہ" کا اشاریہ ترتیب دیا ہے جو ان شاء اللہ عن قریب شائع ہوگا۔

مولانا خرم محمود سرسالوی ان ممتاز نوجوانوں میں سے ایک ہیں جن کی معارف پروری کی مثال دی جا سکتی ہے اور جو احیائے آثر میں مسلسل کوشاں ہیں۔ کمیاب اور نایاب کتب و رسائل کا حصول اور بازیافت، پھر ان پر کام کرنا اور انھیں تحقیق و تخریج اور نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کرنا ان کا محبوب علمی مشغلہ ہے۔

"مشغلہ" اور "شغف" کے الفاظ سے شاید کسی کو لگے کہ یہ سارے مراحل بہت آسان یا کچھ آسان ہوتے ہیں۔ جنھیں واقفیت نہیں انھیں احساس بھی نہیں کہ یہ مراحل کتنے دشوار گزار ہیں۔ یہ کس قدر جگر کاوی اور جاں سوزی کے کام ہیں اس کا علم صرف انہی حضرات کو ہو سکتا ہے جنھوں نے یہ بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اور ا

خارزار وادی میں چند قدم چلنے کی ہمت کی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ تمام مراحل طے کرنے میں جس قدر محنت، وقت اور سرمایہ لگتا ہے اتنے میں ایک اچھے موضوع پر بہترین تحقیقی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

ہم اہل سنت وجماعت کے ایسے محققین کی قدر کرتے ہیں اور انھیں داد دیتے ہیں جو اپنا الگ محل تعمیر کرنے کی بجائے اکابر کے محلوں کی دیکھ ریکھ اور تزئین و آرائش میں جاں سوزی کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں۔

اللہ عزّوجلّ ان کا شوقِ جنوں اور بلند حوصلہ سلامت رکھے اور انھیں بہترین اجر عطا فرمائے۔

مولانا خرم محمود سرسالوی اِس بار اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے عرسِ صد سالہ کے موقع پر سیدی تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی اور سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ علامہ عمر الدین ہزاروی (رحمہم اللہ) کے 9 رسائل کا ایک مجموعہ اپنی اور اپنے دوست مولانا ابو ثوبان مَلِک کاشف مشتاق مدنی (فاضل: جامعۃ المدینۃ، کراچی) کی مشترکہ تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

اس سے پہلے مولانا خرم محمود کئی اہم کام مکمل کر چکے ہیں جن میں شیخ الدلائل علامہ عبد الحق مہاجر مکی رحمہ اللہ کی کچھ تصنیفات، امام احمد رضا، علامہ نور بخش توکلی اور حکیم نجم الغنی رام پوری وغیرہ کئی اکابر اہل علم کے مآثر شامل ہیں۔ خود مولانا کی تصنیفات و تالیفات اس پر مستزاد۔

اہل سنت کے چند نوجوان محققین کا یہ علمی رجحان نہایت خوش آئند ہے کہ اہلِ سنت اکابر کے وہ مآثر آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے لائے جائیں جو ہماری غفلت پسند طبیعت کی وجہ سے طاقِ نسیاں کی نذر ہو چکے ہیں۔

یہ احسان شناسی بھی ہے، معارف پروری بھی اور اس الزام کا ازالہ بھی کہ اہل سنت علمانے تحریری میدان میں حسبِ ضرورت یا بدمذہبوں سے بہتر کام نہیں کیا ہے۔

ایسے کارناموں سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نئی نسل اپنے پیش رو علما کی خدمات سے باقاعدہ واقف ہو جاتی ہے جس سے ایک بہت بڑی فکری خرابی کا ازالہ ہو

جاتا ہے جو ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ کہ کر پیدا کی جاتی ہے کہ تمھارے علمانے پیری مریدی اور تقریروں کے سوا کیا کیا ہے؟

امام احمد رضا بریلوی، اُن کے مشائخ اور ان کے خلفا و متوسلین کا جو علمی فیضان پورے برعظیم (پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش) میں عام ہوا وہ پچھلی چند صدیوں میں اپنی مثال آپ ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پچھلے دو سو سالوں میں ہمارے علمانے جو علمی ورثہ قوم کے لیے چھوڑا ہے، اس کی حفاظت ہو، ان کی تصنیفات اور قلمی خدمات کا ایک جامع اور مفصل اشاریہ مرتب ہو اور پھر تقسیمِ کار کے تحت ہمارے باہمت اور نوجوان محققین کم سے کم کسی ایک عالم کی تمام تصنیفات اور قلمی آثار کی جدید تحقیق و تدوین کا بوجھ اپنے سر لے لیں۔

کوئی اکیڈمی یا بڑا ادارہ اس سلسلے میں پروجیکٹ تیار کر پیش رفت کر سکتا ہے۔ یا کم از کم اُن اکابر کے نسبی، علمی اور روحانی وارثین ہی اس سلسلے میں کچھ پیش رفت کر سکتے ہیں۔

یہ زمانے کی ضرورت بھی ہے اور تمام اہل سنت کی اجتماعی ذمے داری بھی۔

جب تک ایسا نہیں ہوتا ہے تب تک انفرادی طور پر ہمارے محققین اسی طرح کام کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ یہ انفرادی کوششیں بھی بہت ہی مفید اور بار آور ثابت ہوں گی۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات خصوصی توجہ کے لائق ہے کہ اس عرصے کے درجنوں ایسے بڑے سُنی علما ہیں جن کی شخصیات اور مآثر پر بدمذہبوں نے جبری قبضہ جما رکھا ہے۔ وہ اُن کی تصنیفات پر کام کرتے اور اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ "ہمارے" تھے۔ جب کہ کہیں سے کہیں تک اُن علما کا کوئی تعلق کسی بدمذہبی سے نہیں تھا۔

ایسے علما کے علمی اور قلمی مآثر پر اہلِ سنت کا حق ہے اور جس کا حق ہے اسے بڑھ کر اپنا حق لے لینا چاہیے ورنہ زمینوں پر ناجائز قبضوں کے اس دور میں قبضہ کرنے والے

لوگ زمین اور تعمیرات کی ساخت ہی بدل دیا کرتے ہیں، جس کے بعد زمین والوں کے لیے اپنی زمین پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے، اسے اپنی ثابت کرنا تو دور کی بات ہے۔

بہر کیف! علامہ عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا یہ مجموعہ (مجموعۂ رسائل ہزاروی) مرتب کرنے اور شائع کرنے پر دونوں مرتبین کو ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اور آگے مزید زریں کارناموں کی ان سے امید رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل ان دونوں حضرات کی یہ کاوش قبول فرمائے اور اہل سنت کو اپنے شان دار ماضی سے وابستگی کے ساتھ روشن مستقبل تعمیر کرنے کی توفیق بخشے۔ و ما ذالک علی اللہ بعزیز. إنه القوي القدير و بالإجابة جدير.

و صلی اللہ تعالی علی النبي الأكرم و علی آله و صحبه و بارک و سلم.

نثار مصباحی
خلیل آباد، یوپی-ہند
موبائل نمبر: 9450367174
ای میل: nisarmisbahi@gmail.com

تاثرات بر رسائلِ ہزاروی

از قلم: **محمد طفیل احمد مصباحی**

(سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-ہند)

تاج دارِ اہلِ سنّت، مجدّدِ دین وملّت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّث بریلوی علیہ الرحمۃ اور آپ کے قابلِ قدر تلامذہ وخلفا نے جو گراں، دینی، علمی، ادبی، تصنیفی اور سماجی خدمات انجام دی ہیں، انھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ہند وپاک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے آپ کے تلامذہ وخلفاء میں سے ہر ایک اپنی جگہ آسمانِ رشد وہدایت کے بدرِ کامل اور بحرِ فضل وکمال کے گوہرِ آب دار تھے۔ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان بریلوی، مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، عمدۃ المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، محدّثِ اعظم ہند علامہ سیّد محمد اشرفی کچھوچھوی، علاّمہ سید محمد غیاث الدین شریفی سہسرامی، علامہ سید محمد عبد الرحمٰن بیتھوی ثمّ بھاگل پوری، علامہ قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی وغیر ہم۔ دنیائے سنّیت کی یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن کی ہمہ جہت دینی خدمات اور ملّی کارناموں سے ملک وبیرونِ ملک کے تاریک ایوانوں میں کل کی طرح آج بھی دین وسنّیت کا اجالا پھیلا ہوا ہے۔

اے کہ در کاشانہء تو دین و دنیا را فروغ

می شود روشن چراغ سنّیت از روئے تو

فخر الاماثل، تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی اور امام احمد رضا محدّث بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے جن نام وَر تلامذہ وخلفاء نے زبان وقلم کے ذریعے دین وسنّیت اور رشد وہدایت کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دے کر تاریخ کے صفحات پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور ایوانِ باطل میں حق وصداقت کی شمعیں روشن کی ہیں، ان میں ایک اہم اور نمایاں نام ماہرِ علوم وفنون، فخر المتکلمین، ممتاز الفقہاء حضرت علامہ

مفتی محمد عمر الدین حنفی، قادری، ہزاروی علیہ الرحمۃ (متوفّیٰ:1931ء -- 1349ھ) کا بھی ہے۔

آپ بلاشبہ اپنے وقت کے جیّد عالمِ دین، ممتاز فقیہ، بے مثال محدّث، مایہ ءناز محقّق و مفکّر، کامیاب مدرّس اور تصنیف و تالیف میں اجتہادی شان رکھنے والے ایک باکمال مصنّف تھے۔

آپ کی ہمہ جہت دینی، ملّی، علمی اور تصنیفی خدمات کا اعتراف اکابر علماء و مشائخ نے کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّث بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کو "جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السّنن، ماحی الفتن" جیسے پُر شکوہ آداب و القاب سے یاد فرمایا ہے، جس سے علامہ ہزاروی کی بھاری بھر کم شخصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہم عصر علماء و مشائخ میں آپ کی ذات مسلّم تھی اور ہر ایک آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ہم عصر علماء و افاضل میں آپ کے مسلّم الثبوت شخصیت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کے مختلف کتب و رسائل پر تقریباً پچپن 55/ علمائے کرام کی تقاریظ موجود ہیں اور آپ کے گراں علمی افادات اور فتاویٰ جات کی تصدیق کرنے والے علماء ان سے بھی زائد ہیں۔ غرض یہ کہ علامہ مفتی عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے "رئیس الافاضل" تھے۔ آپ کے جہادِ فکر و قلم کی ایک طویل داستان ہے۔ علامہ موصوف کی تہہ دار علمی شخصیت پر قلم اٹھانے اور ان کی حیات و خدمات کے مخفی گوشوں کو منظرِ عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

زیرِ نظر کتاب "مجموعہ رسائلِ ہزاروی" مختلف اسلامی موضوعات پر نو کتب و رسائل کا ایک گراں قدر علمی اور تحقیقی مجموعہ ہے، جسے فاضلانِ ذی وقار علامہ خرّم محمود سرسالوی اور علامہ ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی صاحبان نے کمالِ محنت و عرق ریزی سے مرتّب و مہذّب فرمایا ہے اور تحقیق و تخریج کے صبر آزما اور زہرہ گداز مراحل سے گذار کر ایک اہم دینی و علمی خدمت انجام دی ہے۔

اس مجموعے میں مندرجہ ذیل نو رسائل ہیں:

(۱) الاجازۃ فی الذکر الجھر مع الجنازۃ

(۲) فتویٰ العلماء بتعظیم آثار العظماء

(۳) فتویٰ الثقات بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوٰۃ

(۴) ازالۃ الملامۃ عن الامامۃ بغیر العمامۃ

(۵) اھلاک الوھابیین علیٰ توھین قبور المسلمین

(۶) توضیح الاحکام

(۷) ھدایۃ العنود الیٰ مسئلۃ المفقود

(۸) اظہارِ صدق وھدیٰ

(۹) فتویٰ

مذکورہ بالا مسائل و موضوعات کے تحت مصنفِ علام نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن و احادیث، اقوالِ محدثین اور ارشاداتِ فقہاء سے دلائل و براہین کے انبار لگا دیے ہیں اور اس سلسلے میں اصل شرعی احکام کو آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح اور روشن فرمادیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ و جعل الجنۃ مثواہ۔

اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ان بیش قیمت علمی خزینے اور پُر از معلومات دفینے کو از سرِ نو ایڈٹ کیا جائے اور ان کا افادہ عام کیا جائے۔ اسی دینی افادہ و استفادہ کے پیش نظر رسائل ہٰذا کو فاضل محققین نے تحقیق و تخریق کے زیور سے آراستہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کی ہے اور ایک اہم دینی و علمی ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے۔ اللہ تعالی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے۔

زیر مطالعہ "مجموعۂ رسائل" کا مختصر تعارف اور ان کے مصنف علامہ مفتی عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کا اجمالی تذکرہ ابتدائی صفحات میں موجودہ ہے۔

اس لیے راقم الحروف کتاب اور مصنف کے ذکر سے تعرض نہ کرتے ہوئے "تحقیق و تخریج" اور اس کے اصول و آداب پر قدرے روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہے۔

تحقیق و تخریج، ایک دشوار گزار عمل اور نہایت مشکل اور محنت طلب کام

ہے۔ اس خار دار وادی میں شاہین صفت افراد اور محنت کے عادی انسان ہی قدم رکھنے کی جرات وہمّت کر سکتا ہے۔ ماخذ و مراجع تک رسائی، گہرائی کے ساتھ ان کا مطالعہ، اصل الفاظ و عبارات سے مقابلہ، زیر تخریج کتب و رسائل کے مختلف ایڈیشنوں کی فراہمی، اختلاف نسخ کی صورت میں اصل عبارت کی تحقیق و تفتیش۔ غرض کہ تحقیق و تخریج، کانٹوں بھرے راستے میں چلنے اور اپنے پاؤں کو لہولہان کرنے کے مترادف عمل ہے۔ لیکن باہمّت افراد اور اپنے سینے میں دین و دانش کا سچّا درد رکھنے والے حضرات یہ تمام دشوار مراحل خندہ پیشانی کے ساتھ طے کر لیتے ہیں اور منزلِ مقصود پہ پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔

تحقیق کا بنیادی مقصد متون کو صحت کے ساتھ پیش کرنا ہے اور یہ سب سے کٹھن کام ہے، جو ایک محقّق کے لیے نہایت دشوار اور دردِ سر مول لینے کے برابر عمل ہے۔

عظیم محقّق و ناقد قاضی عبد الودود عظیم آبادی لکھتے ہیں:

تحقیق، کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔

ڈاکٹر سلطانہ بخش کے بقول:

تحقیق کی پہلی صورت نظم و نثر کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ متون کی تصحیح و ترتیب، دوسرے حقائق کی بازیافت اور ان کی تفہیم و تحلیل ہے۔

تحقیق کی دوسری صورت مروّجہ حقائق کی تفہیم یا حقائق کے کسی نہفتہ (پوشیدہ) پہلو کی بازدید ہے۔ (1)

تخریج عربی لفظ ہے جو خروج سے مشتق ہے۔ تخریج کا لغوی معنیٰ ہے: نکلنا، نکالنا، ظاہر کرنا، بیان کرنا۔

اہل علم کی اصطلاح میں "تخریج" کہتے ہیں:

عزو الحديث إلى المصادر الأصلية و الدلالة إليها و بيان مرتبته.

یعنی مصادر اصلیہ کی طرف حدیث کی نسبت کرنا اور اس پر (صحیح، ضعیف وغیرہ

---

(1)۔۔:(اردو میں اصولِ تحقیق، ص:299، ناشر: اردو اکیڈمی، لاہور)

کا) حکم لگانا اور اس کے مراتب کا ذکر کرنا۔

حضرت امام سخاوی علیہ الرحمۃ تخریج کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

هُو إِخرَاجُ الْمُحدِثِ الْأَحَادِيثَ مِنْ بُطُونِ الْأَجزَاءِ وَنَحوِهِما، وَسِيَاقِهِمَا مِنْ مَرْوِيَّاتِ نَفْسِهِ أَوْ بَعْضِ شُيُوخِهِ أَوْ أَقْرَانِهِ أَوْ نَحوِ ذٰلِكَ، وَالْكَلَامُ عَلَيْهَا وَعَزْوُهَا لِمَنْ رَوَاهَا مِنْ أَصْحَابِ الْكُتُبِ وَالدَّوَاوِينِ مَعَ بَيَانِ الْبَدَلِ وَالْمُوَافَقَةِ وَنَحوِهِمَا. (1)

ترجمہ: کسی محدّث کا حدیث کی کتابوں سے احادیث طیبہ منتخب کرنا اور ان کو اپنی سند یا بعض اساتذہ و رفقاء کی سند سے روایت کرنا اور پھر ان پر حکم لگانا اور ان کی نسبت ان مؤلفین کی طرف کرنا جنھوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے بدل اور موافقہ کی وضاحت کے ساتھ۔

تحقیق و تخریج کی مندرجہ بالا تعریفات و تصریحات کی روشنی میں جب ہم "مجموعۂ رسائل ہزاروی" کے محقّقین کی تحقیقی کاوشوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں حضراتِ محقّقین نے زیر نظر کتب و رسائل کی تحقیق و تخریج اور ان کی تسہیل و تحلیل میں غیر معمولی محنت و مشقّت سے کام لیا ہے اور ان بلند پایہ رسائل کو زیادہ سے زیادہ آسان اور مفید بنانے کی سعیِ مشکور فرمائی ہے۔

تحقیق کے مروّجہ اصول و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اصل متون کی تصحیح و ترتیب اور ان کی تسہیل و تحلیل میں اپنی عنانِ توجّہ بھرپور انداز میں صرف فرمائی ہے اور زیورِ تحقیق سے مزیّن کر کے ان بلند پایہ رسائل کو از سرِ نو زندگی بخشی ہے۔ تقبل اللّٰہ تعالیٰ هذا العمل المبارک و جزاهما خير الجزاء.

پیکرِ علم و ادب علامہ خرّم محمود سرسالوی صاحب قبلہ دام ظلّہ العالی نئی نسل کے نوجوان علمائے کرام میں تحقیقی مزاج اور علمی ذوق رکھنے والے ایک باصلاحیت اور مخلص عالمِ دین ہیں۔

نہایت با اخلاق، شریف النفس، علم نواز اور وقت کو صحیح مصرف میں لانے والے

---

(1)۔۔فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي، جلد: 3، ص: 318، بنارس یوپی

ایک کامیاب انسان ہیں۔ خاموش بیٹھنا تو جانتے ہی نہیں ہیں، بلکہ ہمیشہ علمی و تحقیقی کاموں میں منہمک رہتے ہیں اور باذوق قارئین کی خدمت وضیافت کے لیے علم و تحقیق کے نئے نئے دستر خوان چنتے رہتے ہیں۔

نادر ونایاب کتب ورسائل کی تلاش و جستجو، ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ تعالی اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے انھیں شاد و آباد رکھے اور ان کے علم و عمل اور عمر و اخلاص میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، آمین۔

محمد طفیل احمد مصباحی
(سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-ہند)

رسالہ سے رسائل تک کا سفر

اہل سنت کا مؤقر جریدہ "تحفہ حنفیہ" جمادی الاولی 1316ھ کو محلہ لودی کٹرہ، پٹنہ سے مولانا ابو المساکین ضیاء الدین پیلی بھیتی کی ادارت میں جاری ہوا تھا اور عرصہ دراز تک مسلک اہل سنت کی ترجمانی کرتا رہا، اس جریدہ میں بڑے نام ور علما و فضلا کے کالم و رسائل شائع ہوا کرتے تھے جن میں امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی ،ملک العلما مولانا ظفر الدین محدث بہاری اور مولانا عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالی علیہم بھی شامل ہیں۔

پچھلے دنوں میں اسی جریدہ کی فائلز دیکھ رہا تھا کہ جمادی الاخری 1318ھ کے شمارہ میں مولانا عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے رسالہ "فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء" پر نظر ٹھہر گئی ،رسالہ کے صفحات الٹ پلٹ کر دیکھا تو پتا چلا کہ یہ رسالہ دراصل ایک ایسے سائل کے استفتا کے جواب پر مشتمل ہے جسے حضرت علامہ مولانا عبد الحی لکھنوی و امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہما الرحمہ کی کتب میں موجود کسی مسئلہ میں تعارض و تناقض (1) محسوس ہوا تھا، اس نے رفع تعارض کے لئے

---

(1)۔۔:ایک ضروری وضاحت:
اسلاف کرام کی وہ کتب جن کا ذکر کل تک نایاب کتب یا مخطوطات کے زمرہ میں پڑھنے سننے کو ملتا تھا وہ اب بہت تیزی سے نئی سج دھج کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہیں یہ ایک خوش آئند کام اور قابل صد مبارک باد ہے، لیکن تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ اس نئی سج دھج میں تحقیق و تخریج، تلخیص و تسہیل وغیرہ جیسے خوش نما ناموں کے پیچھے تحریف و تبدیل کا گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس کھیل کی نظر اب تک سیکڑوں کتبِ اسلاف ہو چکی ہیں (یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں، تفصیل کے لیے:(۱) تحریفات از فضل اللہ صابری چشتی، ناشر: فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن دہلی۔ (۲) تحقیق و تفہیم از شہید بغداد مولانا اسید الحق عاصم القادری، مقالہ: تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف، ص 41، ناشر: ادارہ فکر اسلامی۔ دہلی، کا مطالعہ انتہائی سود مند ہو گا۔)
ایسے میں اگر مولانا عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی کتب میں تحریف ہو گئی ہو جب کہ شائع کرنے والے بھی غیر ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، امام اہل سنت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے "فتاوی رضویہ و غیرہ میں علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ کا آپ کے علمی مقام و مرتبہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی جگہ تعاقب بھی فرمایا ہے، ایک استفتا کے جواب میں شاید اسی چیز (کتب اسلاف میں تحریف وغیرہ) کو مد نظر رکھتے ہوئے، بلکہ

علامہ ہزاروی کا دروازہ کھٹکھٹایا، جس پر آپ نے یہ رسالہ قلم بند فرمایا تھا، یہ رسالہ 1318ھ میں شائع ہوا، جسے شائع ہوئے اب تقریباً 119 برس بیت چکے ہیں اور تا حال اس کے کہیں اور طبع ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔

اس رسالہ کو "تحفہ حنفیہ، 1318ھ" کی فائل سے نکال کر ہم نے محوّلہ بالا عربی و فارسی عبارات کی تخریج اور جن کا ترجمہ نہیں تھا ان کا ترجمہ بھی کر دیا ہے اور رموز و اوقاف کا خیال کرتے ہوئے حتی الامکان اسے دور جدید کے مطابق ڈھال کر قارئین کے لئے سہل القراءت بنانے کی کوشش کی۔ پہلے پہل میرا ارادہ اسی رسالہ "فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء" تک محدود رہنے کا تھا، لیکن جب مزید فائلز کو سرچ کیا تو

آپ کے "فتاویٰ" میں تحریف کی تصریح کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یہ فتوی گمراہ گری ہے، اس پر عمل حرام قطعی ہے، ان (علامہ عبد الحی لکھنوی) کے مجموعہِ فتاوٰی میں این وآں وزید و عمرو کے فتوی بھی بھرے ہیں، یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے بھی، یہ فتوی بھی کسی غیر مقلد کا ہو گا اور وُہ بھی نرے جاہل اجہل کا، جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں ہو جانے پر جمہور صحابہ و تابعین وائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔۔۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد 12، ص 377، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن۔ لاہور)

ایک اور مقام پر آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

اِس فتویٰ میں مجھ سے صرف ایک شخص (مولوی عبد الحی لکھنوی) نے اختلاف کیا، جنہیں اکابر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، مجھے ان کے اختلاف کی اطلاع ان کی وفات کے بعد اس وقت ہوئی، جب کچھ مختصر اوراق اُن کے فتاوٰی کے نام سے چھپے، اگر ان کی حیات میں ان سے اس مسئلہ پر میرا تبادلہ خیال ہوتا تو امید تھی کہ وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیتے؛ کیوں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر انہیں سمجھایا جاتا اور بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو وہ اپنے موقف سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔

(کفل الفقیه الفاهم في أحکام قرطاس الدراهم، تسہیل بنام: کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات، تسہیل: مولانا محمد شاہد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ناشر: مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ۔ کراچی)

بہر حال میرا مطلوب و مقصود یہاں علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ کی صفائی پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت کی طرف توجہ دلانا تھی، باقی رہے وہ مسائل و تحقیقات جن میں علامہ لکھنوی منفرد ہیں، ان میں آداب اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی بھی ذی علم خامہ فرسائی کر سکتا ہے۔ حضرت لکھنوی سے جہاں جہاں فروگذاشت ہوئی ہیں، ان پر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شمس الہدیٰ مصباحی صاحب مدّ ظلہ العالی نے "شمس السالک علی شرح موَطا مالک" میں بہت خوبصورت انداز میں کلام فرمایا ہے، مذکورہ شرح کا مطالعہ بالعموم اور خصوصاً زیرِ تذکرہ موضوع پر نہایت مفید رہے گا۔

مجھے حضرت ہزاروی علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل رسائل اور مل گئے:

ا۔ازالۃ الملامۃ عن الامامۃ بغیر العمامۃ۔

۲۔فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوۃ۔

۳۔چائے میں الائچی و جائفل وغیرہ مصالح اور بریانی میں زعفران ڈالنے سے متعلق ایک فتویٰ۔

لہذا میں نے رسالہ سے "رسائلِ ہزاروی" پر "تحقیق و تخریج، جمع و ترتیب" کا ارادہ کرلیا۔اب مزید رسائل کی جستجو ہوئی۔اسی سلسلہ میں "تقاریظ امام احمد رضا" کی ورق گردانی کی، اس سے جہاں حضرت ہزاروی کے چند رسائل کی معرفت ہوئی، وہیں "محقّق حضرت علامہ مفتی سید صابر حسین شاہ بخاری صاحب" کے "تقاریظ امام احمد رضا" میں موجود حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ کے رسالہ "الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازۃ" کے ذیل میں ان الفاظ نے گویا ارادوں کو مہمیز لگائی، آپ فرماتے ہیں:

"آپ کے بلند پایہ مضامین اور مقالات ماہ نامہ "تحفہ حنفیہ" پٹنہ میں اشاعت پذیر ہوتے تھے، اگر کوئی فاضل ان مقالات کو جمع کر کے کتابی صورت میں سامنے لائے تو اہلِ سنت کو ایک گراں قدر مقالات کا مجموعہ مل سکتا ہے۔"(1)

اب میں نے اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھایا اور دیگر رسائل و مقالات کے لئے محقّقین سے رابطہ کیا، نایاب کتب رکھنے کے حوالے سے مشہور محترم "میثم عباس رضوی صاحب" سے بھی اس حوالہ سے بات ہوئی اور لاہور کے مشہور محقّق محترم "محمد ثاقب رضا قادری صاحب" سے بات ہوئی تو آپ نے فرمایا:

آپ اس حوالے سے ابرار احمد عطاری صاحب سے رابطہ کریں، ان کے پاس اس حوالے سے بہت کچھ ہوگا، میں ان کا نمبر سینڈ کرتا ہوں۔

اور پھر فوراً ہی محترم موصوف نے جناب ابرار احمد عطاری صاحب کا نمبر میسج کر دیا۔

---

(1)۔۔:(تقاریظ امام احمد رضا: ص67، ناشر: اکبر بک سیلر۔لاہور)

میں نے فوراً ہی موصوف کا نمبر ملایا۔ نمبر ملنے پر بات ہوئی اور علیک سلیک کے بعد میں نے اپنا مدعا گوش گزار کیا۔ موصوف کے پاس حضرت ہزاروی کے حوالے سے کافی مواد تھا، لہٰذا محترم موصوف نے تعاون کی مکمل یقین دانی کرائی اور پھر جلد ہی حضرت ہزاروی کے مندرجہ ذیل رسائل بھیج دیئے:

۱۔ اظہار صدق وہدیٰ

۲۔ اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین

۳۔ توضیح الاحکام

۴۔ فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلاۃ

۵۔ الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ

ان رسائل کی حصولیابی کے بعد ان پر کام کا آغاز کر دیا اور یہاں پر اس علمی و تحقیقی سفر میں ہمارے شریک کار بنے ”عزیز دوست مولانا ابو ثوبان کاشف مشتاق العطاری المدنی صاحب“۔ یوں موصوف کی شراکت میں یہ تحقیقی کام جلد ہی اختتام پذیر ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اس دوران ایک الجھن کے باعث وہ کام جو بہت کم وقت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا، خاصی تاخیر کا شکار ہو گیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ہوا یوں کہ رسالہ ”الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ“ محترم ابرار احمد عطاری صاحب نے محترم میثم عباس رضوی صاحب سے لے کر بھیجا تھا، لیکن اس رسالہ کے شروع کے تین صفحات بھیجنے سے رہ گئے تھے۔ ہم نے سوچا کہ چلو پہلے دوسرے رسائل مکمل کر لیتے ہیں اس کو آخر پہ دیکھیں گے۔ بقیہ رسائل کی تکمیل کے بعد جب اس رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو پھر میثم عباس قادری صاحب سے رابطہ کیا، ایک بار، دو بار اور بار بار۔ موصوف نے ڈھیر ڈھونڈنے کی کوشش کی، پر نہ ملنا تھا، نہ ملا۔ زیرِ تذکرہ رسالۂ مذکورہ کا نسخۂ اوّل تھا۔

اس دوران ماہ نامہ ”معارف رضا“ کے شمارے دیکھ رہا تھا کہ محمد بہاء الدین شاہ (عبد الحق انصاری یعنی، عابد حسین شاہ پیرزادہ) کا مقالہ ”امام احمد رضا اور علمائے مکہ مکرّمہ“ نظر سے گزرا۔ موصوف نے مقالۂ مذکورہ میں قاری حافظ شیخ احمد مکی بنگالی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے ذکر میں لکھا:

"جنازہ کے ساتھ بہ آوازِ بلند ذکر اللہ کے جواز پر مولانا محمد عمر الدین ہزاروی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی اردو کتاب "الاجازہ فی الذکر الجهر مع الجنازہ" پر انہی شیخ احمد مکی نے عربی میں پانچ صفحات کی تقریظ لکھی۔"

اس کے بعد "الاجازہ" کا حوالہ اس طرح لکھا:

"الاجازہ فی الذکر الجهر مع الجنازہ، مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، طبع دوّم، مطبع گلزار حسینی بمبئی"[1]

اس سے جہاں "الاجازہ" کے طبع دوّم کا پتا چلا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ طبع دوّم میں مذکورہ رسالہ پر مزید تقاریظ بھی لی گئیں ہیں؛ چوں کہ شاہ موصوف جس تقریظ کا ذکر کر رہے ہیں وہ طبع اوّل میں نہیں ہے۔

یوں اس رسالہ میں جستجو اور بڑھ گئی۔ لہذا اس سلسلہ میں محترم علامہ عبد الحق انصاری صاحب (عابد حسین شاہ پیرزادہ) سے رابطہ کیا۔ موصوف نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے، میں نے ایک اور صاحب سے لیا تھا اور پھر واپس کر دیا تھا، ان سے رابطہ کرتا ہوں اور پھر بتاتا ہوں۔ ساتھ ہی پیرزادہ صاحب نے اپنا ایک مقالہ بھیجا۔ یہ مقالہ "الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ" کے تعارف وتبصرہ پر مشتمل تھا اور "ماہ نامہ اعلی حضرت"[2] میں شائع ہو چکا تھا۔

ان صاحب سے عابد حسین شاہ پیرزادہ صاحب نے کئی مرتبہ رابطہ کرنے کی اطلاع دی، لیکن یہ رسالہ الاجازہ ان صاحب کی کتابوں کے نیچے ایسا دبا جو پیرزادہ صاحب کے مسلسل رابطہ کرنے سے بھی نہ نکل سکا۔

یوں کئی ماہ گزر گئے اور یہ رسالہ ہاتھ نہ لگ سکا۔ لیکن بات یہ تھی کہ اس رسالہ کے بغیر کام ادھورا تھا، یہ رسالہ بہر صورت چاہئے تھا۔ اس سلسلے میں مزید ایک دو اور صاحبانِ علم و فضل کی بابت معلوم ہوا کہ یہ رسالہ ان کے پاس ہے۔ ان میں ایک مظفر آباد کشمیر سے تعلق رکھنے والے، صاحبِ فتاویٰ فریدیہ مفتی شیخ فرید مد ظلہ العالی

---

(1)۔۔: (امام احمد رضا اور علمائے مکہ مکرمہ: ص ۲۲)

(2)۔۔: (جلد ۲۴، شمارہ ۷-۸، بابت جولائی اگست ۱۹۹۴ء / مطابق محرم صفر ۱۴۱۵ھ)

ہیں، آپ سے اس رسالہ کے حوالے سے بات ہوئی، فرمایا: میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ چند دنوں بعد موصوف نے شفقت فرماتے ہوئے فون لیا اور اس رسالے کی موجودگی کی اطلاع دی اور ساتھ ہی پوسٹ ایڈریس کا پوچھا۔ یوں پھر چند دنوں کے بعد یہ رسالہ ہمارے مطالعہ کی میز پر تھا۔ الحمد للہ ربّ العلمین

رسائل پر کام کے بارے میں چند باتیں:

رسائل پر تحقیق و تخریج کے دوران مندرجہ ذیل چند امور پر کام کیا گیا ہے:۔

(۱)... آیات مبارکہ کی تخریج کی ہے۔

(۲)... آیات مبارکہ کو منقش بریکٹ ﴿۔۔۔﴾ میں درج کیا ہے۔

(۳)... بعض مقامات پر آیات کا ترجمہ نہیں تھا، وہ کنز الایمان سے دیا ہے۔

(۴)... احادیثِ مبارکہ اور یوں ہی دیگر عربی و فارسی عبارات کی تخریج کی ہے۔

تخریج کے حوالے سے چند امور ذکر کرنا ضروری ہیں:

☆ تخریج میں وہ کتب جن کا کتاب، باب اور رقم ہی ذکر کرنا مروّج ہے، مثلاً: صحاح ستہ، تو ان کے کتاب، باب اور رقم پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اور بقیہ کا جلد و صفحہ بھی لکھا ہے، جب کہ بقیہ تفصیل یعنی، مصنّف، محقّق و ناشر وغیرہم فہرستِ ماخذ و مراجع میں ذکر کی ہے۔

☆ احادیث، دیگر عربی و فارسی عبارات اور بعض رجال، کتب وغیرہما کے اسماء کے اندراج میں اغلاط تھی، جنہیں اصل سے مراجعت کے بعد درست کر دیا گیا ہے۔

☆ سارے رسائل کی تخریج کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے، پھر بھی چند عبارات ایسی رہ گئیں ہیں جن کی تخاریج نہیں ہو سکیں۔

(۵)... رسائل میں عربی اور فارسی کی کئی ایک عبارات غیر مترجمہ تھیں، جن کا ترجمہ متنِ کتاب میں ہی متعلقہ عبارت کے نیچے اس بریکٹ [] میں کر دیا گیا ہے (ترجمہ صرف رسالہ کی عبارات کا کیا ہے، تقاریظ جوں کی توں ہی ہیں)۔ اسی طرح کوئی بھی ضروری وضاحت یا اضافہ اگر متنِ کتاب میں کیا ہے تو اسے اس بریکٹ [] میں ہی رکھا ہے؛ تاکہ مصنّف سے امتیاز رہے اور ایسا محض کتاب کو تقریب للتفہیم کرنے کے لئے کیا ہے۔

(۶)... درودِ پاک اور الفاظ ترضیہ وترحیم کا فاؤنٹ عربی رکھا ہے۔

(۷)... رموز واوقاف کا خاص اہتمام کیا ہے۔

(۸)... مشکل الفاظ پر اعراب کا اہتمام کیا ہے۔

(۹)... عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام بھی کیا ہے۔

(۱۰)... تمام رسائل کی فہارس ہر رسالہ کے شروع میں لگانے کے بجائے کتاب کے شروع میں ہی لگادی گئی ہے۔

(۱۱)... صاحبِ رسائل کی مختصر سوانح درجِ رسائل کی ہے، چوں کہ مستقبل قریب میں تفصیلی سوانح لکھنے کا ارادہ ہے اس لئے بہت سی تفصیلات سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔

(۱۲)... رسائل کے آخر میں "ماخذ ومراجع" کی فہرست بھی درج کی ہے۔

(۱۳)... رسائل کے اندراج کے سلسلے میں زمانی ترتیب کالحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱۴)... رسائل کے آخر میں ان کے قدیم نسخوں کے عکوس دے دئے گئے ہیں۔

یہ رسائل اپنے وقت کے ایک جید اور زبردست عالمِ اہلِ سنت کے چند قیمتی نگینے ہیں، جنہیں ہم نے بساط بھر تحقیق وتخریج سے مزین کر کر خوانِ اہلِ علم تک پہنچانے کی طالب علمانہ سعی کی ہے۔ ترتیب وتہذیب، تحقیق وتخریج میں ہم نے مقدور بھر فنی و اصطلاحی اسقام سے احتراز کرنے اور پروف ریڈنگ میں احتیاط سے کام لینے کی کوشش کی ہے، تاہم غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ آپ باذوق قارئین واہلِ علم کی حوصلہ افزائی ہمیں آگے بڑھنے میں مدد دے گی اور کسی علمی کوتاہی کی نشاندہی ہمیں اور ہمارے کام کو نکھرنے اور نکھارنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگی۔ والسلام مع الختام

حریصِ تراثِ اسلاف

آپ کا اپنا

خرم محمود سرسالوی

[۲۷ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ / 8 اکتوبر 2018ء]

(موبائل نمبر: 0311-3138106)

(ای میل: tanish2641@gmail.com)

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی
-حیات و خدمات-

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ ایک باکمال و بے مثال عالم، عالی مرتبت مدرس، مرجعِ انام مفتی، یگانۂ روزگار مصنف، باذوق محقّق و مدقّق اور اپنے دور کے اکابر علما میں نمایاں تھے، آپ کی ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں بسر ہوئی۔

نسب: آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد عمر الدین ابنِ مولانا قمر الدین بن علاء الدین بن مراد بخش بن گل محمد۔

ولادت: کوٹ نجیب اللہ ہزارہ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے، جس میں بڑے بڑے اصحابِ علم پیدا ہوئے ہیں، جن میں مولانا عبد الرحمن، مولانا محمد بقا، مولانا قاضی فیض عالم ہزاروی، مولانا منہاج الدین، مولانا عبد المجید، مولانا فیروز الدین وغیرہم شامل ہیں، اسی کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ سے چھ میل دور ایک قصبہ) میں حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

تحصیلِ علم: آپ ضلع ہزارہ کے مشہورِ زمانہ فاضل مولانا فیض عالم رحمۃ اللہ تعالی علیہ مصنف "وجیز الصراط" کے چچازاد بھائی تھے، آپ کے آباواجداد گجرات کاٹھیاواڑ (بھارت) سے ہزارہ آئے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم ضلع ہزارہ اور بھارت کے مشاہیر سے حاصل کی اور پھر بمبئی تشریف لے گئے اور جامعہ محمدیہ میں حضرت علامہ مولانا شاہ عبید اللہ مکی بدایونی [۱۳۱۵ھ /۹۸-۱۸۹۷ء] سے کسب فیض کیا اور علم و فضل، تحریر و مناظرہ میں کمال حاصل کیا۔

بیعت و خلافت: آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ، حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مریدِ خاص اور خلیفہ تھے۔ چناں چہ لسان الحسان حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

"جناب مولانا عمر الدین صاحب فاضل ہزاروی بھی جو آج کل علمائے اہل سنت میں ایک ممتاز علمی وقار رکھتے ہیں، حضرت مولانا محمد عبید اللہ بدایونی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ اور حضرت اقدس تاج الفحول کے مخصوص مریدین میں سے ہیں"۔(۱)

شہیدِ بغداد مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ کے مقدمہ میں بوارقِ محمدیہ کی دوسری اشاعت کے تعارف میں لکھتے ہیں:

یہ اشاعت حضرت تاج الفحول کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا عمر الدین ہزاروی (وفات:۱۳۴۹ھ /۱۹۳۱ء) کی فرمائش اور حافظ ولی محمد و محمد اسحاق صاحبان کے اہتمام و کوشش سے عمل میں آئی۔(۲)

اخبار "الفقیہ" امرتسر: ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء میں مرقوم ہے:

آنجناب کو تعلیم و بیعت حضرت جناب پیر شاہ عبد القادر صاحب سجادہ نشین مرحوم بدایوں شریف سے تھی۔(۳)

اور اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدّث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ چناں چہ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت میں ہے:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سے آپ کو گہری عقیدت تھی اور آپ سے بھی اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔(۴)

اساتذۂ کرام: آپ نے پاک و ہند کے کثیر مشاہیر سے اکتساب علم کیا ہے، البتہ ہمیں آپ کے اساتذہ کرام میں سے حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ مکی بدایونی [۱۳۱۵ھ /۹۸-۱۸۹۷ء] ابن حضرت مولانا عبد اللہ مکی قادری ابن حضرت شیخ عبد الکریم مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم (جو کہ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے، کبار علمائے حرمین شریفین سے اخذِ علوم کیا، تصوف کی کتابیں سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمہ سے پڑھیں) اور حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا علم ہو سکا ہے۔ چناں چہ لسان الحسان حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد عبید اللہ بدایونی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے۔۔۔جناب مولانا عمر الدین صاحب فاضل ہزاروی بھی (ہیں) جو آج کل علمائے اہل سنت میں ایک ممتاز علمی وقار رکھتے ہیں۔(۵)

اور مولانا محمود احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اور نامور ہزاروی فاضل جلیل حضرت علامہ محمد عمر الدین قادری ہزاروی آپ (حضرت مولانا محمد عبید اللہ بدایونی) کے شاگرد رشید تھے۔(۶)

اور شہیدِ بغداد، ممتاز محقّق و ناقد، مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"آپ (حضرت تاج الفحول) کی درسگاہ سے ایک عالم نے فیض حاصل کیا، تلامذہ میں یہ چند نام نمایاں ہیں:

حضرت مولانا عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۹ھ)۔۔۔"(۷)

آپ کے بارے علما کی آرا: حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ کی شخصیت اپنے معاصرین میں مسلم، مقبول اور ہر دلعزیز تھی، ذیل میں آپ کے بارے میں شیوخ عظام و علمائے کرام کے آرا و تاثّرات نقل کئے جاتے ہیں، ان سے بھی آپ کی شخصیّت کے کئی پہلو نکھر کر سامنے آتے ہیں، ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم "آرا و تاثّرات" کی اہمیّت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"کسی شخص کی اہمیّت کا اندازہ لگانے کے لئے اس دور کے اکابرین اور معاصرین کے آرا و افکار کو ایک خاص مقام حاصل ہے، اس سے شخصیّت کو پرکھنے میں مدد مل سکتی ہے۔"(۸)

مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ کے حوالے سے چند شیوخ عظام و علمائے کرام کے آرا و تاثّرات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

جامع الفضائل، قامع الرذائل حامی السنن ماحی الفتن مولانا مولوی محمد عمر الدین جعله الله کاسمه عمر الدین و بسعیه و رعیه عمر الدین۔(۹)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول محمد عبد المقتدر الحنفی القادری البدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

مولانا المحقق المدقق حامی الدین المتین مولانا عمر الدین لازال حامیا للسنة وماحیا لفتنة المبتدعین۔(۱۰)

حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ القادری الحنفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

مولانائے مجیب، جامع المعقول والمنقول، حلالِ مہمات فروع واصول، مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔(۱۱)

ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین حنفی قادری محدث بہاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

ناصر الدین المتین ومولٰنا المولوی محمد عمر الدین وجدته موافقا للسنة دافعا للفتنة۔(۱۲)

حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

مولانا عمر الدین صاحب فاضل ہزاروی۔۔۔ علمائے اہل سنت میں ایک ممتاز علمی وقار رکھتے ہیں۔(۱۳)

مولانا محمود احمد قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

آپ کو درس نظامی کے جملہ علوم وفنون پر حیرت انگیز حد تک مہارت حاصل تھی، قوت حافظہ بھی بے مثال تھی، اعلی حضرت تاج الفحول آپ پر فخر فرماتے تھے، کبار علمائے اہل سنت میں آپ کا ممتاز مقام تھا، آپ کا وعظ مرتب اور مدلل ہوتا۔(۱۴)

مقرظین تصانیفِ ہزاروی: آپ کی تصانیف کمیت کے اعتبار سے اگرچہ چھوٹی ہوتی ہیں لیکن تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی

تصانیف پر اکابر علماو شیوخِ اہلِ سنت وجماعت کی تقاریظ موجود ہیں، آپ کی تصانیف پر تقاریظ لکھنے والے علمائے کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱)... اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ

(۲)... تاج الفحول محب الرسول حضرت علامہ مولانا محمد عبد القادر القادری البدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۳)... حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول محمد عبد المقتدر الحنفی القادری البدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴)... ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین حنفی قادری محدث بہاری علیہ الرحمۃ

(۵)... حضرت علامہ مولانا عبد القیوم القادری البدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۶)... حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ القادری الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۷)... حضرت علامہ مولانا عبد الغفور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۸)... حضرت علامہ مولانا قاضی اسمعیل الجلمائی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۹)... حضرت علامہ مولانا مرزا محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۰)... حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۱)... حضرت علامہ مولانا سید مرتضیٰ میاں بن سلطان میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۲)... حضرت علامہ مولانا مرید احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۳)... حضرت علامہ مولانا محمد یعقوب اسمعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۴)... حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خان رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۵)... حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم احمد آبادی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۶)... حضرت علامہ مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۷)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۸)... حضرت علامہ مولانا محمد عمر حنفی قادری دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۹)... حضرت علامہ مولانا نجف علی خان رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۲۰)... حضرت علامہ مولانا محمد نجم الدین الدانافوری الصدیقی القادری الحنفی

رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۲۱)... حضرت علامہ مولانا قاضی عبد الصدیق محمد وحید الحنفی السنی الفردوسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ناظم تحفہ حنفیہ و مہتمم مدرسہ اہل سنت وجماعت۔ عظیم آباد

(۲۲)... حضرت علامہ مولاناوصی احمد الحنفی السنی محدث سورتی علیہ الرحمۃ

(۲۳)... حضرت علامہ مولانا محمد ابراھیم الحنفی القادری البدایونی علیہ الرحمۃ

(۲۴)... حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش حنفی انولوی علیہ الرحمۃ، مدرس مدرسہ اسلامیہ۔چودھری گنج بدایون

(۲۵)... حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد البدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۲۶)... حضرت علامہ مولانا محمد علی اکبر علوی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۲۷)... حضرت علامہ مولانا محمد ہدایۃ الرسول لکھنوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۲۸)... حضرت علامہ مولانا ابوالمسکین محمد بشیر الدین رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۲۹)... حضرت علامہ مولانا قاضی شیخ محمد مرگھی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۰)... حضرت علامہ مولانا فضل مجید رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۱)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۲)... حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد البدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۳)... حضرت علامہ مولانا محمد نعیم پشاوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۴)... حضرت علامہ مولانا محمد ابراھیم ابن عبد الکریم التواب رحمۃ اللہ علیہ

(۳۵)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۶)... حضرت علامہ مولانا محمود بن صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۷)... حضرت علامہ مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۸)... حضرت علامہ مولانا عبد الرحمن رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۳۹)... حضرت علامہ مولانا سلطان محمد خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۴۰)... حضرت علامہ مولانا محمد قدرت حلیم ناصری رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۴۱)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(۴۲)... حضرت علامہ مولانا برکات احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴۳)... حضرت علامہ مولانا حافظ عبد الحلیم کریالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴۴)... حضرت علامہ مولانا ابو الاحسان عبد السبحان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴۵)... حضرت علامہ مولانا سید غلام حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴۶)... حضرت علامہ مولانا نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴۷)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد الماجد حنفی قادری بدایونی علیہ الرحمۃ

(۴۸)... حضرت علامہ مولانا محمد نعمت اللہ حنفی نقشبندی سندھی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۹)... حضرت علامہ ابو المساکین محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ

(۵۰)... مولانا ابو الحسین عرف میاں صاحب احمد مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۱)... حضرت علامہ مولانا محمد عبید اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۲)... حضرت علامہ مولانا احمد الحیتیگر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۳)... حضرت علامہ مولانا محمد عبد المنعم بن الشیخ ابراہیم باعکظہ خطیب مسجد بمبئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۴)... حضرت علامہ مولانا سیّد یٰسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۵)... حضرت علامہ مولانا مرزا محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۵۶)... حضرت علامہ مولانا قاضی اسماعیل المھری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔(۱۵)

تقاریظِ ہزاروی: حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ نے کئی کتب پر تقاریظ و تصدیقات بھی ثبت فرمائی ہیں، بلکہ ان میں ایسی کتابیں بھی ہیں جن پر درجنوں علما کی تقارظ موجود ہیں، اس سے حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ کی ثقاہت، علمی قد و قامت اور اپنے معاصرین میں مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ کی مقرظہ کتب میں سے چند کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم، تصنیف: حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرفی جیلانی محدّث کچھوچھوی، تحقیق و تخریج: مولانا محمد طفیل احمد مصباحی، ناشر: اشرفیہ اسلامک

فاؤنڈیشن حیدر آباد-دکن

(۲) تصریح الاوثق فی ترجمۃ شرح البرزخ، تصنیف: الشیخ النبیل قدوۃ المتاخرین الامام ابو سعید السلمی الحنفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ، مترجم: حضرت علامہ مفتی سید عبد الغفار صاحب قادری حنفی بنگلوری، تحقیق وترتیب: مولانا غلام محمد الیاس قادری رضوی عطاری ،ناشر: ڈیجٹل پرنٹر اردو بازار راولپنڈی

(۳) منیر الدین فی اثبات علم جمیع الاشیاء لسید الانبیاء و خاتم المرسلین، یہ حضرت علامہ مولانا منیر الدین، ناشر: مطبع گلزار حسنی۔ بمبئی

(۴) امطار الحق، تصنیف: حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خان ،ناشر: مطبع دت پرشاد بمبئی، بعدہ الادارۃ المرکزیۃ لاشاعۃ القرآن والسنۃ۔ لاہور سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

(۵) السیف المسلول علی منکر علم غیب الرسول، تصنیف: حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خان رام پوری، ناشر: مطبع گلزار حسنی بمبئی

(٦) الجواب الفاصل بین الحق والباطل، تصنیف: جامع الفضائل والفواضل مولانا محمد عبد القادر باعکظہ، ناشر: مطبع گلزار حسنی بمبئی

اعلی حضرت امام اہلِ سنت اور حضرت ہزاروی: اعلی حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ سے آپ کے نہایت گہرے تعلقات تھے؛ چناں چہ حضرت علامہ مولانا عمر الدین ہزاروی کی تصنیف "اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین" پر امامِ اہلِ سنت نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی، اس تقریظ سے متعلق ہم حضرت علامہ قاضی عبد الدائم دائم صاحب کی رائے نقل کرتے ہیں جس مصنف و مقرظ کے مابین گہرے تعلقات پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

حضرت علامہ قاضی عبد الدائم دائم اس تقریظ سے متعلق فرماتے ہیں:

میرے حقیقی نانا جان حضرت قاضی عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے مسلمانوں کے قدیم قبرستانوں کی تعظیم و تکریم اور ان میں عمارات بنانے کی ممانعت پر ایک مختصر رسالہ لکھا اور اعلی حضرت کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کیا، اعلی حضرت

کے من کو چند صفحات کا وہ رسالہ اس قدر بھایا کہ اس سے کئی گناہ بڑی تقریظ لکھ دی، جس کی ابتدا میں انہوں نے نانا جان کے لئے درج ذیل القاب لکھے:

جامع الفضائل، قامع الرذائل حامی السنن ماحی الفتن۔ یعنی فضائل کے جامع، گھٹیا خیالات و نظریات کا قلع قمع کرنے والے، سنتوں کے حامی اور فتنوں کو مٹانے والے۔

اس کے بعد نام لکھا اور نام کے بعد مناسب دعائیں دیں:

مولانا مولوی محمد عمر الدین جعله اللہ کاسمه عمر الدین و بسعیه ورعیه عمر الدین۔ یعنی اللہ تعالی ان کو نام کی مناسبت سے دین کی حیات بنائے اور ان کی کوشش اور نگہبانی سے دین کو آباد رکھے۔(۱۶)

ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" امرتسر: ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء، ص ۱۱ میں مرقوم ہے:

جناب حضرت قبلہ و کعبہ شاہ احمد رضا خان صاحب رئیسِ اعظم آفتاب و مہتابِ ہند بریلوی سے تعلقات دوستانہ تھے۔(۱۷)

اعلی حضرت اور حضرت ہزاروی علیہما الرحمہ میں خط و کتابت بھی رہی ہے، یہ خط و کتابت مختلف النوع تھی: ان میں حضرت ہزاروی علیہ الرحمہ کہیں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کو اپنے شہر و دیگر شہروں میں ہونے والے کسی جلسہ کی اطلاع دے رہے ہیں، کہیں کسی کانفرنس کی روداد سے مطلع کر رہے ہیں، کہیں کسی فاضل کی علمی و تحقیقی کتاب کے احوال بارگاہِ رضا میں گوش گزار کر رہے ہیں اور کہیں کسی مسئلہ میں الجھن ہے تو اس کے حل کے لئے اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے کاشانہ پر عرض پرداز ہیں، ذیل میں چند خطوط نقل کئے جاتے ہیں، یہ خطوط بھی آپ حضرات میں موجود تعلقِ خاطر کا پتہ دیتے ہیں، چناں چہ حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے نام مکاتیب میں فرماتے ہیں:

(۱)

از بمبئی

۲۷ رمضان، ۱۳۱۳ھ

حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

بعد تسلیمات واضح باد، نوازش نامہ مع فتاوی وصول ہوا، آپ حضرات نے وہ کام اس وقت کیا ہے۔ جس کی جزا اللہ جل شانہ کے پاس ہے۔ حضرت! ندوہ والوں نے بمبئی میں بھی اس بد مذہبی کا جال کو پھیلانا چاہا، مگر بحمد للہ ناکام رہے۔ چناں چہ اس کا قدرے نمونہ ایک اخبار روانہ کرتا ہوں، جس کے صفحہ ۷ میں ذکر ہے۔

(فقیر محمد عمر الدین عفی عنہ) ۲۷ رمضان، ۱۳۱۳ھ

(۲)

از بمبئی

۲ شوال، ۱۳۱۳ھ

حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب ادام اللہ تعالی المواہب

بعد تسلیمات واضح رائے عالی باد: جناب مولوی نذیر احمد خان صاحب رامپوری مقیم احمد آباد مؤلف بوارق لامعہ وبراہین احمدیہ گنگوہ والمنتقمات عن اہل الضلالات وغیرہا کی تحریر نذیر الندوۃ لجانب اہل الجفوۃ نہایت عمدہ اہل ندوہ کا کھلا رد ارسال خدمت ہے دونوں فتوؤں پر مواہیر ہو رہے ہیں۔ ان شا اللہ روانہ ہوں گے۔

(فقیر عمر الدین) ۲ شوال، ۱۳۱۳ھ

(۳)

از بمبئی

۱۸ شوال، ۱۳۱۳ھ

مولانا المعظم ذی الفضل الاعظم مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

بعد تسلیمات واضح رائے عالی باد: مولانا نذیر احمد خان کی تحریر اور آپ کے اور ناظم کے مراسلات طبع ہوئے ہوں تو جلد ارسال فرمایئے۔ انڈیا گزٹ میں تحفہ محمدیہ کے اوپر محمد احسن بہاری نے لطف اللہ صاحب کا ایک خط شائع کیا ہے، جس سے عوام کو دھوکہ ہوتا ہے۔

(فقیر عمر الدین) ۱۸ شوال، ۱۳۱۳ھ

(۴)

از بمبئی

۶ ذی قعدہ، ۱۳۱۳ھ

حضرت مخدومی مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

بعد تسلیمات واضح رائے عالی باد: مولوی لطف اللہ صاحب کی کاروائی سے بڑا تعجب ہوا کہ اب جب کہ پاؤں قبر میں لٹک رہے ہیں۔ آپ کے ستر سوالات کا برائے نام جواب جو امجد علی نے لکھا ہے اور نیز جو عبد الحق حقانی نے لکھ کر شائع کیا، اس کا جواب باصواب جناب مولوی نذیر احمد خان صاحب عن قریب تحریر فرمائیں گے۔

(فقیر عمر الدین) ۶ ذی قعدہ، ۱۳۱۳ھ

(۵)

از بمبئی

۱۱ ربیع الاول، ۱۳۱۴ھ

مولانا المعظم ذی الفضل الاعظم مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

واضح رائے عالی حال ہو کہ شبلی نعمانی کو ندویوں نے جلسہ تائیدی ندوہ کے لئے بلایا تھا۔ اخبار سفیر میں اطلاع شائع کی تھی کہ شبلی اور مہدی علی صاحبان ندوہ کے مقاصد پر لیکچر دیں گے، مگر قبل اس کے دونوں لکھنو بمبئی تشریف لائے اور جمعہ کی نماز کے بعد وعظ میں خوب ندوہ کے پرخچے اڑائے اور شبلی و عبد الحق صاحبان اراکین ندوہ کی بھی خوب خبر لی، شبلی صاحب چلے گئے اور اراکین ندوہ کے حوصلے پست ہو گئے۔

(فقیر عمر الدین) ۱۱ ربیع الاول، ۱۳۱۴ھ

(۶)

از بمبئی

۲۹ ربیع الاول، ۱۳۱۴ھ

مولانا المعظم ذی الفضل الاعظم مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

بعد تسلیمات واضح رائے عالی آنکہ ناسک میں بہت بڑا جلسہ ہوا، جس میں تمام شہر

کے مسلمان جمع تھے حضرت قبلہ نے شناعات ندوہ ظاہر فرمائے، بعد وعظ مولوی اشرف علی صاحب رکن ندوہ نے مع دیگر اہل علم فتوی پر مہرو دستخط کر دیئے۔

فقیر عمر الدین، ۲۹ربیع الاول، ۱۳۱۴ھ

(۷)

از بمبئی

۱۳ربیع الآخر، ۱۳۱۴ھ

حضور پر نور حامی دین مبین مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم

بعد تسلیمات: واضح رائے عالی کہ جس فتوی پر مولوی اشرف علی صاحب رکن ندوہ وغیرہ نے مواہیر کئے تھے وہ پہلا فتوی نہیں ہے بلکہ اور فتوی تازہ لکھا گیا ہے جس میں حقانی صاحب وغیرہ کبرائے ندوہ کے نام بنام اقوال سے تعرض کیا گیا ہے، اس پر اولا تمام علما و قضاۃ بمبئی کے، اسی طرح حیدر آباد کے قضاۃ و علما کے خصوصاً مولوی منصور علی صاحب مراد آبادی رکن ندوہ مصنف فتح المبین کے دستخط ہیں جس میں انہوں نے ندوہ کو خود نمائی اور بد مذہبی کا جلسہ قرار دیا ہے۔

عمر الدین، ۱۳ربیع الآخر، ۱۳۱۴ھ (۱۸)

(۸)

از بمبئی مسجد قصاباں کرافٹ مارکیٹ

۲۹شعبان، ۱۳۳۱ھ

مولانا المعظم ذی الفضل الاعظم دامت برکاتہم العالیہ

بعد تسلیمات بصد تعظیمات کے واضح رائے عالی ہو کہ زمانہ طالب علمی میں کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ مصلی کو غیر مصلی پنکھا کرے، تو مصلی کو اگر اس پر رضامندی ہے تو نماز اس کی فاسد ہو جائے گی، اب اس مسئلہ کو بہت تلاش کیا، نہیں ملتا، البتہ مولوی عبد الحی کے رسالہ نفع المفتی والسائل میں ہے:

قلت فما فی مجمع البرکات من فساد صلوٰۃ من روحہ غیر المصلی بمروحۃ معللا بانہ رضی بفعل الغیر غیر معتمد علیہ فانہ مخالف للدرایۃ والروایۃ

وقد کان الوالد العلام افتی بہ مرۃ ثم رجع عنہ وحکم بکونہ غلطا وقد اغتر بہ بعض معاصریہ فاصر علی الافتاء بہ واعتمد علیہ عملاً وافتاءً ولم یدر کونہ لغوا۔ میں نے کہا پس جو مجمع البرکات میں ہے کہ غیر نمازی اگر نمازی کو پنکھے سے ہوا دے تو نمازی کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ وہ نمازی غیر کے فعل پر راضی ہے یہ فسادِ نماز کا حکم فہم اور روایت کے مخالف ہے، میرے والد گرامی نے ایک دفعہ یہ فتوٰی دیا تھا، پھر اس سے انہوں نے رجوع فرمالیا اور فرمایا کہ یہ فتوٰی غلط ہے اور والد صاحب کو معاصرین میں سے ایک صاحب نے دھوکا دے کر اصرار کرتے ہوئے یہ فتوٰی ان سے حاصل کیا، والد صاحب نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے عملاً فتوٰی دے دیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لغو بات ہے۔

مجمع البرکات کس کی تصنیف ہے اور حضور کی رائے عالی اس مسئلے میں، کیا اس کے موافق ہے یا مخالف؟ بر تقدیر موافقت برقی پنکھا جو آدمی کی صنعت ہے اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ چار چھے سطر اس کے متعلق اگر جوابی کارڈ پر تحریر فرمائی جائے تو عین بندہ نوازی ہوگی۔

عمر الدین، ۲۹ شعبان، ۱۳۳۱ھ

اعلی حضرت امام اہل سنت اس مکتوب نمبر سات / 7 کے جواب میں فرماتے ہیں:

مولٰنا المبجل المکرم المفخم جعلہ المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کاسمہ عمر الدین آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، مجمع البرکات مولانا شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ، کی تصنیف ہے اگر یہ عبارت اس کے کسی نسخہ صیحہ میں ہو تو اس سے مراد نمازِ قلبی کا فساد ہوگا، نہ نماز فقہی کا کہ ادائے فرض ودفع کبیرہ ترک کے لئے باذنہٖ تعالٰی کافی ہے ظاہر ہے کہ فعل غیر پر رضا عمل قلیل بھی نہیں کثیر درکنار، تو فساد نماز فقہی ناممکن ہے۔ہاں! نماز قلبی تذلل وتضرع وتخشع ہے کمافی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ت) اور یہ امر نوع تجبر پر دال ہے لہٰذا اس میں مخل ہو سکتا ہے اگر اس کی نیت خود استخدام اور نماز میں اپنا اعظام ہو تو یقیناً مفسدِ نمازِ قلب ہے ورنہ مفسد کی صورت ہے لہٰذا احتراز درکار ہے۔ پنکھا کہ کل کے ذریعہ سے چلے اگر اس کے مسالے میں مٹی کا تیل وغیرہ بدبودار چیزیں ہو تو ایسی اشیاء کا مسجد میں لے جانا حرام ہے ورنہ کم

از کم ناپسند و خلاف مصالح ہے پنکھے کا مسئلہ فتاوٰی فقیر میں بہت مفصل ہے فلیراجع (اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔(۱۹)

خلیفۂ اعلٰی حضرت وتاج الفحول

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی تصنیفی خدمات [۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء] (1)

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ایک باکمال و بے مثال عالم، عالی مرتبت مدرس، مرجعِ انام مفتی، یگانۂ روزگار مصنف، باذوق محقّق و مدقّق اور اپنے دور کے اکابر علما میں نمایاں تھے، آپ کی ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں بسر ہوئی۔ آپ کو حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ مکی بدایونی [۱۳۱۵ھ / ۹۸-۱۸۹۷ء] ابن حضرت مولانا عبد اللہ مکی قادری ابن حضرت شیخ عبد الکریم مکی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم (جو کہ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے، کبار علمائے حرمین شریفین سے اخذِ علوم کیا، تصوف کی کتابیں سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمہ سے پڑھیں) سے شرف تلمّذ حاصل تھا اور حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی و اعلٰی حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِما سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ دو اور تین جنوری کی درمیانی رات ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء میں ۶۵ یا ۷۰ برس کی عمر میں کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) میں آپ کا وصال ہوا اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

ذیل میں حضرت ہزاروی کی تصنیفی خدمات کا مختصر سا تعارف پیشِ خدمت ہے۔

آثارِ علمیہ:

مولانا ہزاروی جہاں عالی مرتبت مدرس اور مرجع انام مفتی تھے، وہیں آپ ایک منجھے ہوئے مصنّف و قلم کار بھی تھے، آپ کے مقالات اہلِ سنت کے مؤقر جریدہ "تحفہ

---

(1)۔۔: یہ مقالہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور-انڈیا، جلد ۴۱، شمارہ ۸، بابت اگست ۲۰۱۷ء / ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ بغیر کسی خاص ترمیم کے تقریباً من و عن ہی یہاں درج ہے۔

حنفیہ (۲۰)" پٹنہ میں شائع ہوتے رہے ہیں، ماہنامہ تحفہ حنفیہ مولانا ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت کی ادارت میں جمادی الاولی ۱۳۱۶ھ کو محلہ لودی کٹرہ پٹنہ میں جاری ہوا اور عرصہ دراز تک مسلکِ اہل سنت کی ترجمانی پوری بے باکی سے کرتا رہا، اس جریدے میں اہل سنت کے نامور شیوخ و علما کے رسائل، مقالات، مراسلات اور فتاوی جات شائع ہوا کرتے تھے، جن میں اعلٰی حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]، حضرت علامہ مولانا ابو الذکاء شاہ محمد سلامت اللہ رامپوری [۱۳۳۸ھ]، ملک العلما حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین محدث بہاری [۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ]، حضرت علامہ مولانا سید فرزند حسین اجھوئی الہ آبادی اور حضرت علامہ مولانا محمد عمر الدین ہزاروی [۱۳۴۹ھ] وغیرہم اجلہ علما کے گراں قدر رسائل، مقالات، مضامین فتاوی جات، مکتوبات اور حمدیہ نعتیہ کلام بھی شائع ہوا کرتے تھے۔

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی کثیر التصانیف عالم تھے، اب تک آپ کے جن فتاوٰی ورسائل تک رسائی ہو سکی ہے، ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء:

یہ رسالہ ماہنامہ تحفہ حنفیہ۔ پٹنہ، جمادی الاخری 1318ھ کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، جسے شائع ہوئے اب تقریبا 119 برس بیت چکے ہیں۔ کل گیارہ/11 صفحات پر مشتمل ہے اور ماہنامہ مذکورہ کے صفحہ 17 تا 28 پر موجود ہے۔ یہ رسالہ دراصل ایک ایسے سائل کے استفتا کے جواب پر مشتمل ہے جسے حضرت علامہ مولانا عبد الحی لکھنوی و امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہما الرحمہ کی کتب میں موجود مسئلہ "تعظیم نقشۂ کعبہ معظمہ و نقشہ روضہ مقدسہ" میں تعارض و تناقض محسوس ہوا تھا، اس نے رفع تعارض کے لئے علامہ ہزاروی کا دروازہ کھٹکھٹایا، جس پر آپ نے یہ رسالہ قلم بند فرمایا تھا۔

اخیر رسالہ میں "حضرت علامہ مولانا محمد عبد المقتدر قادری بدایونی، حضرت علامہ مولانا عبد القیوم قادری بدایونی، تاج الفحول حضرت علامہ مولانا عبد القادر قادری

بدایونی، حضرت علامہ مولانا عبد الغفور، حضرت علامہ مولانا قاضی اسمعیل جلمائی شافعی، حضرت علامہ مولانا مرزا محمد، حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد، حضرت علامہ مولانا سید مرتضی میاں بن سلطان میاں، حضرت علامہ مولانا مرید احمد، حضرت علامہ مولانا محمد یعقوب اسمعیل، حضرت علامہ مولانا محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان رام پوری، حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم، حضرت علامہ مولانا عبد الکریم، حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید، حضرت علامہ مولانا محمد عمر" رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن کی تقاریظ و تصدیقات سپردِ قرطاس ہیں۔(۲۱)

(۲)فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوۃ:

یہ رسالہ ایک استفتا کے جواب پر مبنی ہے۔ استفتا یہ تھا کہ:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شہر میں بارش نہ ہونے کے باعث لوگ بہت پریشان ہوئے اور کئی روز تک دعا کرتے رہے، آخر اللہ تعالی نے ان کی دعا کی قبولیت کو ظاہر فرمایا یعنی، خمیس کے روز سے خوب بارش برسنا شروع ہوئی، دوسرا روز جمعہ کا تھا، جامع مسجد میں امام صاحب کے فرمانے سے تمام مسلمانوں نے جمعہ کے بعد سجدۂ شکر کیا، مگر دو شخصوں نے نہیں کیا اور عام مسلمانوں کے سخت مخالف ہوئے اور ان کے اس سجدۂ شکر کے باعث مخالفت کرنے لگے، پس اس صورت میں عام مسلمان حق پر ہیں یا یہ دو شخص؟ بینوا و توجروا۔"(۲۲)

اس کے جواب میں حضرت ہزاروی عَلَيْهِ الرَّحْمَه فرماتے ہیں:

"صورتِ مسؤلہ میں عام مسلمان حق پر ہیں اور وہ دو شخص خطا پر، تفصیل اس اجمال کی بقدر ضروری یہ ہے کہ۔۔۔"(۲۳)

اور پھر کتبِ حدیث و فقہ کی روشنی میں مسئلہِ مذکورہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ یہ رسالہ ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" میں جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ میں، باہتمام مولانا محمد عبد الوحید مدعو بہ غلام صدیق حنفی فردوسی "مطبع حنفیہ" سے شائع ہوا اور مذکورہ ماہنامہ کے صفحہ 29 تا 36 پر موجود ہے۔

اخیرِ رسالہ میں، افضل علمائے اہل سنت تاج الفحول محبِّ رسول مولانا عبد القادر

قادری بدایونی، مولانا عبد القیوم قادری بدایونی، مولانا عبد الغفور، مولانا حسن بن نور محمد اور مولانا نجف علی خان رامپوری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کی تقاریظ و تصدیقات ہیں۔(۲۴)

(۳)هداية العنود الى مسئلة المفقود:

زیرِ تذکرہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مشہور فقہی مسئلہ مفقود الخبر کے بارے میں ہے، یہ رسالہ ایک استفتا کا جواب ہے، استفتا یہ ہے:

سوال از جیت پور:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص پردیس گیا، ایک دو برس وہاں رہا، پھر گم ہو گیا، اُس کی کوئی خبر نہیں دیتا، اُس کو چار پانچ برس ہو گئے ہیں، وہ غائب ہو گیا ہے، اُس کا کوئی پتہ بھی نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ ہے اور اُس کی عورت، جوان ہے، اپنے نفس پر قابو نہیں اور زنا میں گرفتار ہونے کا بھی خوف ہے اور اُس شخص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے، اب اس کی عورت جوان ہے، دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور کتنی مدت بیٹھی رہے اور ضرورت کے وقت کیا حکم ہے؟ بیّنوا و توجروا۔(۲۵)

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مذکورہ مسئلہ کے جواب میں درجنوں کتبِ احادیث و فقہ سے مسئلہِ مذکورہ پر استشہاد فرمانے کے بعد اخیرِ رسالہ فرماتے ہیں:

"صحیح اور معتمد قول یہ ہے کہ منقطع الخبر کی عورت کے نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے اور اسی طرح جس غائب کا حال یسر و عسر معلوم نہیں ہے اس کے نکاح کا فسخ بھی جائز نہیں بلکہ اگر گواہ گواہی دیں کہ وہ مفلس ہو کر غائب ہوا ہے جب بھی فسخ جائز نہیں، ہاں! جب گواہ گواہی دیں کہ وہ بالفعل محتاج ہے، نفقہ دینے سے عاجز ہے، تو اس کا فسخ ہو سکے گا، ورنہ نہیں۔"(۲۶)

رسالہ کا سرورق اس طرح ہے:

حمد و سپاس ربِ معبود

کہ مسئلہِ مفقود الخبر کی تحقیقِ انیق، پسندیدہِ اولی الالباب و تنقیحِ دافعِ وہم و ارتیاب، منور

بنور دلائلِ سنت و کتاب اور ایک فتوے قاضی جی کا دندان شکن جواب، محلی بحلیہ صدق و صواب، لائقِ مطالعہِ حضراتِ اہلِ سنت و جماعت، قابلِ معاینہِ علماے عالی مرتبت

مسمّی باسم محمود

ہدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود

از تالیف منیف و مسعود

عالمِ اجل، فاضل الجبل، قامعِ بدعت، قاطعِ ضلالت، یادرِ سنت، حضرت مولانا و سیدنا مولوی مفتی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی صِینَ عن شرورِ الغویِّ

بفرمائش

حامیِ سنت، ماحیِ بدعت، جناب حافظ عبد الحلیم صاحب کریالوی امام مسجد مستری محلہ بمبئیٰ زِیْدَ مجدُهم السّامی

باہتمام

ضیاء الدین المکنی بابی المساکین پیلی بھیتی-تَجَاوَزَ عنہ المولی الغفّار جمیعَ الخطایا والاوزارِ-

مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ سے شائع ہوا۔(۲۷)

رسالہِ ہذا کل بیس /20 صفحات پر مشتمل ہے، صفحہ پندرہ تا بیس علما و مشائخ کی تقاریظ سے مزیّن ہے۔

مقرّظین میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، حضرت مولانا مطیع الرّسول عبد المقتدر قادری بدایونی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی، مولانا محمد بشیر الدین، مولانا عبد الغفور، مولانا محمد فیروز الدین، مولانا فضل احمد قادری بدایونی، مولانا محمد عبد الرزاق بن الحاج عبد الرحیم، مولانا محمد برکات احمد، مولانا حافظ عبد الحلیم کریالوی شامل ہیں۔(۲۸)

رسالہ کے اخیر میں مدیرِ ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" و مہتمِ "مطبع حنفیہ" مولانا ابو المساکین ضیاء الدین پیلی بھیتی کی بہت توجہ طلب "گزارش" بھی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:

حضرات اس دورِ آخر میں کہ طرح طرح کے شرور و فتن کی گرم بازاری ہے اور قسم قسم کی شیطانیوں اور شرارتوں کی تحریراً و تقریراً اشاعت ہو رہی ہے، آپ کو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اپنے دین کی حفاظت میں کمال مستعدی سے کام لیجئے اور اس پر جو حملے ہو رہے ہیں، ان کو روکنے میں حتی الوسع کوتاہی نہ کیجئے۔ دیکھئے! اس رسالہِ ہدایت قبالہ نے کیسا کچھ دینِ حق کا بول بالا اور بد مذہبی کا منہ کالا کیا۔

مسئلہ مفقود الخبر میں کس قدر طبع آزمائیاں کی گئیں، اِس نے اُن سب پر پانی پھیرا اور ساری مخالفین کی کوششوں کو دریابُرد کیا۔ بس اسی طرح کے کاموں کی فی زمانہ حاجت ہے۔ پروردگار اس کے مؤلف اور اس کی اشاعت میں سعی کرنے والوں کو اجرِ جزیل عطا کرے اور آپ صاحبوں کو اعانتِ ملتِ حقہ وحمایتِ سنتِ سنیہ میں سرگرمیِ تام و مستعدیِ تمام بخشے اور تا قیامت، متاعِ برکاتِ دینیہ سے مالامال رکھے، آمین۔

عرض گزار: ابوالمساکین ضیاء الدین عفی عنہ 5 ذی الحجہ 1326ھ

(۴) ازالة الملامة عن الامامة بغير العمامة:

یہ رسالہ "عمامہ کے بغیر امامت کا حکم" کے بارے میں ہے اور ایک سائل کے استفتا کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ چناں چہ سائل عرض پرداز ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ کرتا، پاجامہ، ٹوپی سے بغیر پگڑی کے امامت کرانا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا "(۲۹)

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مذکورہ مسئلہ کے جواب میں فرماتے ہیں:

"صورت مسؤلہ میں نماز پڑھنا یا امامت کرانا ٹوپی سے بغیر پگڑی کے جائز بلا کراہت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی بقدر ضرورت یہ ہے کہ۔۔۔"(۳۰)

اور پھر حضرت ہزاروی عَلَیہِ الرَّحمَہ نے دسیوں کتب سے عبارات بطورِ استشہاد نقل کرنے کے بعد یہ ثابت فرمایا ہے کہ:

"الغرض صورتِ مسؤلہ میں ٹوپی سے امامت کرنا ہرگز ہرگز مکروہ نہیں ہے، جو مکروہ کہتا ہے قول اس کا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔"(۳۱)

یہ رسالہ ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ میں صفحہ 1 تا12 پر شائع ہوا تھا۔ فہرستِ مضامین کے خانے میں اس رسالہ سے متعلق یہ تحریر موجود ہے:

" بتشریح تمام یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے کہ بغیر پگڑی کے نماز مکروہ نہیں ہوتی، اس امر کی تصدیق میں اکثر علمائے محققین کی عبارات و مواہیر درج ہیں۔" (فہرست مضامین تحفہ حنفیہ، بتصرف)

اور مضمون نگار کا نام کچھ اس طرح درج ہے:

جناب مولانا مولوی محمد عمرالدین صاحب ہزاروی مقیم بمبئی زِید مجدُھم السّامی

رسالہ کے اخیر میں علمائے بریلی، علمائے مشاہیر بدایوں، مدرسین مدرسہ اہل سنت والجماعت واقعہ عظیم آباد پٹنہ وغیرہم کی مواہیر ہیں، جن میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، حضرت مولانا مطیع الرّسول عبدالمقتدر حنفی قادری بدایونی، مولانا عبد الرسول محب احمد قادری بدایونی، مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری بدایونی، مولانا محمد حافظ بخش حنفی بدایونی، مولانا وصی احمد حنیفی حنفی سنّی محدّثِ سورتی، مولانا عبد الصدیق محمد وحید حنفی سنّی فردوسی، مولانا محمد نجم الدین قادری حنفی صدیقی داناپوری، مولانا عبد الغفور، مولانا مرزا محمد، مولانا حسن بن نور محمد، مولانا سیّد حیدر شاہ قادری حنفی متوطن کچھ بھوج المعروف پیر بھڑوالہ، مولانا محمد ہدایت الرسول لکھنوی اور مولانا محمد علی اکبر علوی نقشبندی رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیہِمْ اَجْمَعِین کی تقاریظ و تصدیقات شامل ہیں۔ (۳۲)

(۵) اظہارِ صدق وھدٰی:

یہ رسالہ تین سوالات کے استفتاءات کے جوابات پر مشتمل ہے، ذیل میں استفتاءات و جوابِ استفتاءات مختصراً لکھے جاتے ہیں؛ تاکہ رسالہ کا تعارف واضح طور پر ہو سکے۔

مسئلہِ اولی: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ فرض نماز کا وقت بہت ہی تنگ ہو گیا ہو کہ نمازی اگر وضو کرے تو وقت نکل جائے ایسی حالت میں تیمم

کر کے وقتی نماز پڑھے یا وضو کر کے اگر وقت نکل گیا ہو تو قضا نماز پڑھے ؟بینوا و توجروا۔(۳۳)

حضرت ہزاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

صورتِ مسؤلہ میں ظاہرِ مذہب امام والا مقام رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنہ یہ ہے کہ گو وقت جاتا ہو نمازی وضو ضروری کرے ، اگر بعد وضو وقت باقی ہو تو ادا پڑھے ورنہ قضا کرے لیکن تیمم نہ کرے اسی کو متونِ معتبرہ میں اختیار کیا ہے۔(۳۴)

اور اس کے بعد متونِ معتبرہ سے مسئلہ کو مبرہن فرمایا ہے۔اس مسئلہ کے اخیر میں حضرت مولانا مطیع الرّسول عبد المقتدر قادری حنفی بدایونی، حضرت مولانا عبد الغفور، حضرت مولانا ابو الاحسان عبد السبحان، حضرت مولانا محمد بشیر الدین رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیھِم کی تقاریظ ہیں۔(۳۵)

مسئلہ ثانیہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ بروز جمعہ وقت استوا کے اکثر عوام نوافل پڑھتے ہیں پس ان کو حنفی مذہب میں اس سے منع کرنا چاہئے یا نہیں؟(۳۶)

حضرت ہزاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"صورتِ مسئولہ میں عوام کو نوافل سے منع نہ کرنا چاہئے اوّلاً اس وجہ سے کہ گو حضرت امام والا مقام رضی اللہ عنہ کا مذہب ظاہر الروایۃ مطلق منع ہے جس کو صاحب ہدایہ وعامہ متون وشروح نے ترجیح دی ہے مگر ایک روایت جس کو حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اُن سے لیا ہے بروز جمعہ نوافل پڑھنے میں جانبِ جواز بلا کراہت ہے اور اس کو امام ابن ہمام اور علامہ ابنِ امیر حاج، شارح منیہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔"(۳۷)

اور پھر مذکورہ جواب پر کتبِ فقہیہ سے کئی نصوص پیش کی ہیں۔اخیر رسالہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی(واضح رہے کہ یہ تقریظ "تقاریظ امام احمد رضا؛ تحقیق: محقّق رضویات سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: اکبر بک سیلر۔لاہور" میں شامل نہیں ہے)، حضرت مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی حنفی قادری، حضرت مولانا عبد الرحمٰن، حضرت مولانا محمد بشیر الدین، حضرت

مولانا السید غلام حسین، حضرت مولانا عبد الغفور، حضرت مولانا نور محمد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْھِم کی تقاریظ ہیں۔(۳۸)

مسئلہ ثالثہ: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس امر میں کہ مثلاً زید اپنی ملک خاص میں خاطر خواہ تصرّف کرنے کا، بنابر روایت ظاہر بقول امام ہمام جس پر مطلقاً فتوٰی دیا جاتا ہے اسی کو فتح القدیر میں راجح فرمایا ہے ملاحظہ ہو: در مختار کتاب القاضی الی القاضی۔ مولوی عبدالحی کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اوّل صفحہ 66 میں گو اس کے بر خلاف فیصلہ ہے، مگر اس کو۔مِمَّا لَا یُعْبَأُ بِہ۔ قرار دے کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ محض یہاں تحقیق اتنی درکار ہے کہ اہلِ محلہ دیوار بالائی مسجد میں جالی، باری رکھنے کی متولی کو فرمائش کرتے ہیں، اس بنا پر متولی نے مسجد کے بالائی حصہ کی دیوار میں باری وضع کی ہے، پڑوسی کو ہر چند ضرر بیّن نہیں ہے؛ تاہم وہ مزاحمت کرتا ہے۔ سُوال یہ ہے کہ زید اپنی ملکِ خاص میں تصرف کا مختار تھا، یہاں تو مسجد کا کوئی مالک نہیں ہے، پھر متولی کو بصواب دید مصلیانِ مسجد اس قسم کا اختیار ہو سکے گا یا نہیں؟(۳۹)

حضرت ہزاروی نے اس کے جواب میں کتبِ فقہیہ سے بہت سی نصوص و جزئیات نقل فرمائیں ہیں اور مذکورہ مسئلہ کا مختلف پہلوں سے جائزہ لینے کے بعد آخر میں ماحصل فرماتے ہیں:

الحاصل: صورتِ مسؤلہ میں اہل محلہ اور متولی کو باری بنانے کا اختیار متقدّمین اور متاخّرین سب علما کے نزدیک حاصل ہے۔(۴۰)

اخیرِ رسالہ حضرت مولانا ابو الحسین عرف میاں صاحب مارہروی، حضرت علامہ مولانا محمد ہدایۃ الرسول سنی حنفی قادری ابو الحسینی لکھنوی، حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین، حضرت علامہ مولانا محمد فضل المجید فاروقی حنفی قادری، حضرت علامہ مولانا عبد الغفور، حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر قادری حنفی بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد، حضرت علامہ مولانا محمد عبد الماجد حنفی بدایونی، حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد صدیقی حنفی بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم قادری، حضرت علامہ مولانا سیّد حیدر شاہ

قادری حنفی، حضرت علامہ مولانا محمد نعمت اللہ سنّی حنفی نقشبندی سندھی، حضرت مولانا ابو المساکین محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْھِم کی تقاریظ و تصدیقات ہیں۔(۴۱)

رسالہ کے کل سولہ صفحات ہیں۔ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ، سن ندارد۔ بتصحیح واہتمام: ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

(۶)توضیح الاحکام(1325ھ):

رسالہ ہذا کا سرورق ہی اس کے مشمولات کا تعارف پیش کر رہا ہے، ملاحظہ کیجئے:

الحمدُللہ العزیز العلّام

کہ یہ فتاویٰ اتنے مسائل کو شامل: مدرسے میں مالِ زکوۃ دینا، انگریزی پڑھنا، علمائے اہلِ سنت سے بغض اور ان کی اہانت، قرض دار وغیرہ کو کس قدر زرِّ زکوۃ دینے کی شرعی اجازت، کن کن آدمیوں کو سوال کرنا جائز ہے، میّتِ مسکین کی تجہیز و تکفین میں کہاں سے خرچ کیا جائے۔ان فتاوے مفیدہ کے علاوہ، فتاوے جلیل، بے نظیر و بے مثیل متعلّق اعانتِ علیگڑھ کالج اور اس کے بانی سر سیّد کے حالات و معتقدات کا انکشاف۔ علمائے ہندوستان کے سوا اسی امامِ نیاچرہ کی تکفیر اور اس کے مدرسے کی اعانت کے حرام ہونے پر پُر زور تحریرات و مواہیر علمائے کرام و مفتیانِ عظام حرمین طیّبین زَادَھُمَا اللہُ تعالٰی تعظیماً و تکریماً قابلِ مطالعہ اہلِ درایت، لائقِ عمل جملہ اہلِ سنت و جماعت

مسمّٰی باسم تاریخی طبع

توضیح الاحکام ۱۳۲۵ھ

رسالہ کل چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، مطبوعہ مطبع حنفیہ۔پٹنہ۔یہ رسالہ مکہ معظّمہ، مدینہ منوّرہ، بدایوں، پیلی بھیت، حیدرآباد دکن، لکھنو، بنگلور، جبل پور، مدراس، احمد آباد وغیرہم کے جلیل القدر علماو شیوخ کی مواہیر، تقاریظ و تصدیقات سے مزیّن ہے۔(۴۲)

(۷)اھلاک الوھابیین علی توھین قبور المسلمین:

رسالہ کا سرورق اس کے مندرجات پر روشنی ڈال رہا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

الحمدُللہ

قبورِ مسلمانان کی تکریم وتوقیر اور وہابیہ منکرین کی تعذیب وتعزیر میں
یہ مبارک مجموعہ مسمّٰی بنامِ تاریخی
اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین ۱۳۲۲ھ

جس میں (۱) تحقیقِ مسئلہ میں تحریرِ منیر جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السنن، ماحی الفتن جناب مولانا مولوی محمد عمرالدین صاحب قادری برکاتی فاضل ہزارہ، نزیل بمبئی دَامَتْ برکاتھم (۲) اس کی تصدیق وتوثیق اور خیالاتِ باطلہ خبیثہ جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی تجہیل وتحمیق میں کلامِ عرشِ احتشام مجدّدِ مائۂ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، عالمِ اہلِ سنت وجماعت جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی دَامَ ظِلّھم وعمّ فضلھم۔۔۔(۴۳)

دراصل حضرت علامہ مولانا عمرالدین ہزاروی کی مذکورہ تصنیف پر امامِ اہلِ سنت نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی اور یہ تقریظ اصل رسالہ سے تین گناہ بڑی ہے۔ اس تقریظ سے متعلق حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم صاحب کی رائے نقل کئے دیتے ہیں۔

حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم اس تقریظ سے متعلق فرماتے ہیں:

"میرے حقیقی ناناجان حضرت قاضی عمرالدین ہزاروی رَحمۃُ اللہِ تعالٰی علَیہ نے مسلمانوں کے قدیم قبرستانوں کی تعظیم وتکریم اور ان میں عمارات بنانے کی ممانعت پر ایک مختصر رسالہ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کیا، اعلیٰ حضرت کے من کو چند صفحات کا وہ رسالہ اس قدر بھایا کہ اس سے کئی گناہ بڑی تقریظ لکھ دی۔" (۴۴)

یہ رسالہ مطبع اہلِ سنت وجماعت سے شائع ہوا تھا اور یہی اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، صفحہ 1 تا 10 تک اصل رسالہ ہے، اس کے بعد صفحہ 10 اور 11 پر حضرت علامہ مولانا عبدالغفور، حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالرشید دہلوی، حضرت علامہ مولانا محمد افضل المجید، حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد بدایونی، حضرت علامہ

مولانا محمد ابراہیم قادری، حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش بدایونی اور حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد قادری بدایونی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کی تقاریظ ہیں اور ان کے بعد صفحہ 12 سے امام اہلِ سنت کی دو وصلوں پر مشتمل تقریظ شروع ہوتی ہے، جس کا اختتام صفحہ 39 پر جا کر ہوتا ہے اور شاید اسی تقریظی حجم کے باعث اس رسالہ کو فتاویٰ رضویہ (:ج9، ص440 تا478، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) میں شامل کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس مطبع اہلِ سنت و جماعت کا مطبوعہ نسخہ ہے جو کہ صفحہ 39 پر امامِ اہلِ سنت کی تقریظ پر ختم ہو جاتا ہے، جب کہ فتاویٰ رضویہ میں امامِ اہلِ سنت کی تقریظ کے بعد حضرت علامہ مولانا محمد سلطان، حضرت علامہ مولانا محمد عبد اللہ، حضرت علامہ مولانا محمد نعیم پشاوری، حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ قادری حنفی اور ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین محدثِ بہاری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کی تقاریظ بھی ہیں۔ ممکن ہے ہمارے پیشِ نظر نسخہ ناقص الآخر ہو۔ واللہ اعلم (۴۵)

(۸) الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ:

یہ رسالہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے جواز میں ہے، کل تقریباً 35 صفحات پر مشتمل ہے، 1315ھ میں مطبع مجتبائی بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اخیرِ رسالہ امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدّث بریلوی، حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول محمد عبد المقتدر قادری بدایونی، تاج الفحول محب الرسول حضرت علامہ مولانا عبد القادر قادری بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد عبد القیوم قادری بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد فضل المجید فاروقی بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد صدیقی بدایونی، حضرت علامہ مولانا محمد عمر حنفی قادری دہلوی، حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد، حضرت علامہ مولانا سیّد یٰسین، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم ابن عبد الکریم التواب، حضرت علامہ مولانا سیّد غلام حسین، حضرت علامہ مولانا نجف علی خان رامپوری، حضرت علامہ مولانا میر عبد الرحمن دہلوی، حضرت علامہ مولانا محمد عبید اللہ، حضرت علامہ مولانا عبد الغفور، حضرت علامہ مولانا قاضی شیخ محمد مرگھی، حضرت علامہ مولانا احمد الحیتیگر، حضرت علامہ مولانا محمد عبد المنعم بن الشیخ ابراہیم باعکظہ، حضرت علامہ مولانا نذیر احمد خان

رامپوری، حضرت علامہ مولانا سیّد مرتضی میاں بن مولوی سیّد سلطان میاں ترمذی منگلوری، حضرت علامہ مولانا شرف الدین، حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرزاق نقشبندی، حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل حنفی قادری نقشبندی شاذلی، حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِم کی تقاریظ و تصدیقات شاملِ رسالہ ہیں۔(۴۶)

یہ مذکورہ نسخہ اوّل اشاعت ہے۔ محمد بہاء الدین شاہ (عبد الحق انصاری یعنی، عابد حسین شاہ پیر زادہ) نے اس کے طبع دوّم کا ذکر بھی کیا ہے، چناں چہ موصوف "امام احمد رضا اور علمائے مکہ مکرّمہ" میں قاری حافظ شیخ احمد مکی بنگالی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"جنازہ کے ساتھ بہ آوازِ بلند ذکر اللہ کے جواز پر مولانا محمد عمر الدین ہزاروی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی اردو کتاب الاجازہ فی الذکر الجھر مع الجنازہ پر انہی شیخ احمد مکی نے عربی میں پانچ صفحات کی تقریظ لکھی۔"

اس کے بعد "الاجازہ" کا حوالہ اس طرح لکھا ہے:

(**الاجازہ فی الذکر الجھر مع الجنازہ**، مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، طبع دوّم، مطبع گلزار حسینی بمبئی)(۴۷)

اس سے جہاں "الاجازہ" کے طبع دوّم کا پتا چلتا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبع دوّم میں مذکورہ رسالہ پر مزید تقاریظ بھی لی گئیں ہیں؛ چوں کہ عابد حسین شاہ پیر زادہ صاحب جس تقریظ کا ذکر کر رہے ہیں وہ طبع اوّل میں نہیں ہے۔ ہمیں طبع دوم تلاشِ بسیار و انتظارِ طویل کے باوجود نہیں مل سکی۔

اس رسالہ کی جدید اشاعت بھی ہوئی ہے۔ جس پر تخریج و تسہیل کا کام مفتی سیّد ریاض حسین شاہ کاظمی آف مظفر آباد نے کیا ہے اور مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی نے اسے شائع کیا ہے۔

(۹) صیانۃ العباد عن الخضاب بالسواد (۱۳۲۷ھ)

اس رسالہ تک اب تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ شرفِ ملت حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس رسالہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی میں محفوظ ہے۔"(۴۸)

(۱۰) چائے میں جائیفل وغیرہ مصالحہ جات و بریانی میں زعفران وغیرہ ڈالنے سے متعلق فتویٰ: اس فتوی سے متعلق فہرستِ مضامین ماہنامہ تحفہ حنفیہ میں تعارفی عبارت یوں مرقوم ہے:

اس امر کی تحقیق تام کی گئی ہے کہ چائے وغیرہ میں جائیفل ودیگر مصالح کے داخل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس امر کی تصدیق میں اکثر علمائے محققین کی عبارات و مواہیر درج ہیں۔ (فہرست مضامین تحفہ حنفیہ، بتصرف) (۴۹)

ضروری وضاحت:

فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین: اس رسالہ کو حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے متعدّد سوانح نگاروں (۵۰) نے آپ کی تصانیف سے شمار کیا ہے۔ لیکن ہمیں حضرت ہزاروی کی اس نام کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ دراصل یہ تصنیف حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی ہے، ہمارے پیشِ نظر اس وقت اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مطبع احمدی سن ۱۳۱۰ھ ہے، اس کے سرورق پر مصنّف کا نام اس طرح درج ہے:

ازافادات: امام العلماء المحقّقین، مقدام الفضلاء المدقّقین، زبدۃ المفسّرین، عمدۃ المحدّثین، کشّاف حقائق المعقول والمنقول، احلال دقائق الفروع والاصول، سیف اللہ المسلول، حضرت مولانا مولوی فضل رسول شاہ صاحب قادری عثمانی۔

اور مصنّف کے نام کے نیچے یہ عبارت کندہ ہے:

حسب الارشاد: مجمع الفضائل حامیٔ دینِ متین جناب مولانا مولوی عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہزاروی کے حسب الارشاد شائع ہونے والی تصنیف کو حضرت ہی کی تصنیف سمجھ لیا گیا، اہلِ علم حضرات میں سے کسی کے پاس اگر اس بارے میں کوئی مزید دلیل ہو تو مطّلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ واضح رہے کہ

مذکورہ رسالہ شہیدِ بغداد مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری علیہ الرحمہ کی تسہیل و تخریج کے ساتھ بنام ''عقیدۂ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں'' تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہو چکا ہے۔

خوش خبری: اہلِ علم حضرات اور بالخصوص تراثِ اسلاف سے دلچسپی رکھنے والے باذوق قارئین کے لئے خوش خبری یہ ہے کہ مذکورہ رسائل، بنام ''مجموعۂ رسائلِ ہزاروی'' راقم (خرم محمود) اور عزیز دوست مولانا ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی کی تحقیق، تخریج اور ترتیب کے آخری مراحل میں ہیں، عن قریب جدید رنگ و آہنگ میں نظرِ قارئین ہوں گے- ان شاء اللہ تعالیٰ-(اور اب یہ رسائل آپ کے ہاتھوں میں ہیں)۔ رسائل کی دستیابی کے حوالہ سے محترم محمد ابرار احمد عطاری صاحب آف لاہور کا بے لوث تعاون رہا، سچ یہ ہے کہ اگر موصوف کا تعاون نہ ہوتا تو رسائل کی حصول یابی بہت مشکل ہوتی، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کا جذبہ روز افزوں کرے، واقعی ایسے لوگ نایاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اس کارِ خیر میں تعاون پر اپنی شایانِ شان جزا عطا فرمائے۔

خلیفہِ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول کی تصانیف کے حوالہ سے البتہ مجھے اس بات پر حیرانگی ہے کہ موصوف کے مجموعہِ رسائل بنام ''فتاویٰ و رسائل ہزاروی'' میں موجود رسائل ۱۳۲۵ھ تک کے ہیں، جب کہ حضرت کی وفات ۱۳۴۹ھ میں ہوئی ہے یعنی، تقریبا تین دہائیوں پر محیط زمانہ کی تصانیف کی کوئی خبر نہیں، کہاں گئیں! کیا ہوئیں!

اہداف: دراصل یہ (فتاویٰ و رسائلِ ہزاروی) ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ کے مشمولات کی سیریل کی پہلی کڑی ہے (کیوں کہ زیادہ تر رسائل تحفہ میں ہی شائع شدہ ہیں)، مشمولاتِ تحفہ حنفیہ کے حوالہ سے اہداف کچھ یوں ہیں:

سلسلہ ''رسائلِ علمائے اہلِ سنت'' ماہنامہ مذکورہ میں شائع ہونے والے رسائل کا مجموعہ جو کہ چار پانچ مجلدات پر مشتمل ہو گا۔

مقالاتِ علمائے اہلِ سنت: تحفہ میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات کا مجموعہ جو کہ تخمیناً دو جلدوں پر مشتمل ہو گا۔

دیوانِ علمائے اہلِ سنت: تحفہ میں شائع شدہ مختلف علما و شعرا کے حمدیہ، نعتیہ، منقبتیہ اور تواریخِ وصال وغیرہم پر مشتمل ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

میدانِ خطابت و مناظرہ میں: حضرت علامہ ہزاروی علیہ الرحمہ کی میدانِ تقریر و مناظرہ میں بھی گراں قدر خدمات ہیں، آپ مختلف فرقہ ہائے باطلہ کے رد میں ہر دم کمر بستہ رہتے تھے، آریوں اور عیسائیوں سے آپ کے نہایت کامیاب مناظرے ہوئے، آپ کا طرزِ تقریر نہایت محققانہ اور عالمانہ ہوتا تھا، آپ کی زندگی کے تقریباً ۳۰ سال محلہ جالمی بمبئی میں خطابت و افتاء کے فرائض انجام دینے میں گزرے۔

اولاد امجاد: آپ کے دو صاجزادے ہیں: بڑے صاجزادے قاضی عبد القادر ریٹائرڈ سکول ماسٹر اور چھوٹے قاضی فضل رسول میونسپل کمیٹی ہری پور میں ہیڈ کلرک ہیں۔

حیات جاویدانی: شبِ قدر کی رات دو اور تین جنوری کی درمیانی رات ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء میں ۶۵ یا ۷۰ برس کی عمر میں کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) میں آپ کا وصال ہوا اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

آپ کے وصال پر ہفتہ وار اخبار "الفقیہ" امرتسر نے اپنی اشاعت ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء کے ص ۱۱ پر حاجی محمد عبد العزیز خانہ سکنہ سرائے صالحہ ضلع ہزارہ کا مراسلہ "افسوس ناک انتقال" کے عنوان سے ان الفاظ میں شائع کیا:

"نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج مؤرخہ ۱۳ و ۱۴ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۳ و ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کی درمیانی شب کو ۳ بجے جناب حضرت مولانا ابا الفضل اولانا جناب مولوی قاضی محمد عمر الدین صاحب حنفی سنی قادری عالم اجل و باعمل و اکمل سکنہ کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ عمر رسیدہ ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ فرما کر دار البقا کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صاحبِ ممدوح کا وجود مبارک نہ صرف ضلع ہزارہ کے لئے، بلکہ تمام ہندوستان کے لئے نہایت موزوں و پُر اثر تھا؛ کیوں کہ خاص بمبئی میں جناب حاجی محمد صدیق جعفر صاحب جالمی محلہ پوسٹ نمبر ۹ کے ہمرکاب رہ کر مخلصانہ زندگی بسر کی ہے۔ آپ کی

تصنیفات دینی ضروریات کی تکمیل کی قابل قدر و یادگار زمانہ ہیں۔ آپ نے اپنی عمر کا آخری حصہ گوشہ نشینی میں گذارا ہے۔ اللہ پاک صاحبِ ممدوح کو غریق رحمت فرما کر جنت الفردوس میں جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"(۵۱)

نوٹ: مولانا شاہ محمود احمد قادری زید مجدہ نے تذکرہ علمائے اہلِ سنت ص ۱۸۵ میں لکھا ہے کہ آپ کا بمبئی میں وصال ہوا جو درست نہیں ہے۔

حواشی و مصادر:

(۱)...(اکمل التاریخ: حصہ دوم، ص 261، از لسان الحسان حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی، ترتیب جدید: شہید بغداد مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں)

(۲)...(شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ: ص 13،، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں)

(۳)...(اخبار "الفقیہ" امرتسر: ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء، ص ۱۱ بحوالہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت: جلد ۳۴، شمارہ ۷-۸، ماہ جولائی اگست ۱۹۹۴ء مطابق محرم صفر ۱۴۱۵ھ، مقالہ نگار: عابد حسین شاہ پیرزادہ، ص 106-107)

(۴)...(تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت: ص 270، مرتبین: محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری، ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی)

(۵)...(اکمل التاریخ: حصہ دوم، ص 261)

(۶)...(تذکرہ علماء اہلسنت: ص 181)

(۷)... سنتِ مصافحہ (ترجمہِ رسالہ: مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة): ص 7، مصنّف: تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی، ترجمہ و تخریج: مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں

(۸)...(مولانا حشمت علی لکھنوی: ایک تحقیقی مطالعہ، ص 30، ناشر: دانشکدہ، 1-اے، بلاک ہمدرد کالونی، پل پہلادپور، نئی دہلی)

(۹)...(فتاوی رضویہ: جلد 9، (اہلاک الوہابیین علٰی توہین قبور المسلمین) ص 441، ناشر: رضا

فانڈیشن۔لاہور)

(۱۰)...(تحفہ حنفیہ: جلد ٦، ربیع الآخر، ۱۳۲۰ھ، ناشر: مطبع حنفیہ پٹنہ بخشی محلہ)

(۱۱)...(فتاوی رضویہ: جلد 9، (اہلاک الوہابیین علٰی توہین قبور المسلمین) ص 477، ناشر: رضا فانڈیشن۔لاہور)

(۱۲)...(فتاوی رضویہ: جلد 9، (اہلاک الوہابیین علٰی توہین قبور المسلمین) ص 478، ناشر: رضا فانڈیشن۔لاہور)

(۱۳)...(اکمل التاریخ: حصہ دوم، ص 261)

(۱۴)...(تذکرہ علمائے اہل سنت: ص 185، از مولانا محمود احمد قادری، ناشر: سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد

(۱۵)...دیکھئے: مجموعۂ رسائل ہزاروی

(۱۶)...(تقاریظ امام احمد رضا: ص 21-22، تحقیق: محقق رضویات سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: اکبر بک سیلر۔لاہور)

(۱۷)...(ماہنامہ اعلی حضرت: جلد ۳۴، شمارہ ۷-۸، ماہ جولائی اگست ۱۹۹۴ء مطابق محرم صفر ۱۴۱۵ھ، مقالہ نگار: عابد حسین شاہ پیرزادہ، ص 106-107)

(۱۸)...(خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا: جلد دوم، ص 71 تا 75، ترتیب، تحقیق، تحشیہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، ناشر: برکات رضا فانڈیشن۔ بمبئی

(۱۹)...(فتاوی رضویہ: جلد ۷، ص 253-254 / خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا: جلد دوم، ص 75)

(۲۰)...ماہنامہ تحفہ حنفیہ کی لازوال خدمات ہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑھتا ہے کہ اب تک اس کے تعارف و خدمات کے حوالہ سے کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہو سکا ہے۔ایک مضمون بنام "تحفہ حنفیہ تعارف و جائزہ (ڈاکٹر امجد رضا خان)" نظر سے گزرا ہے، لیکن یہ مضمون بہت ناقص ہے، اس میں ماہنامہ مذکورہ کے اصول و ضوابط، شرائط وغیرہ -جو کہ کسی بھی ماہنامہ کی بنیاد ہوتی ہیں- کا کہیں کوئی ذکر تک نہیں جب کہ یہ اصول وضوابط تحفہ کے سرورق پر ہی لکھے ہوئے ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر آئندہ کسی مضمون میں کیا جائے گا۔ان شاء اللہ تعالی

(۲۱)...(ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، پرچہ ۶، جلد ۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، 17-12-1/28)

(۲۲)...(ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، پرچہ ۶، جلد ۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، 2/30)

(۲۳)...(ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، پرچہ ۶، جلد ۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، 2/30)

(۲۴)...(ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، پرچہ ۶، جلد ۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، 8/36)

(۲۵)...ہدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود، ص2؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مطبوعہ: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ

(۲۶)...ایضاً: ص13

(۲۷)...ایضاً: ملاحظہ ہو ٹائٹل رسالہ ہذا

(۲۸)...ایضاً: ص15 تا 20

(۲۹)...ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' جلد ۶، پرچہ ۴، ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ، ص1

(۳۰)...ایضاً: ص1

(۳۱)...ایضاً: ص9

(۳۲)...ایضاً: ص9 تا 12

(۳۳)...اظہارِ صدق وہدیٰ: ص2؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ، سن ندارد۔ تصحیح و اہتمام: ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

(۳۴)...ایضاً: ص2

(۳۵)...ایضاً: ص5

(۳۶)...ایضاً: ص6

(۳۷)...ایضاً: ص6

(۳۸)...ایضاً: ص8-9

(۳۹)...ایضاً: ص9

(۴۰)...ایضاً: ص13

(۴۱)...ایضاً: ص14 تا16

(۴۲)...ملاحظہ کیجئے: توضیح الاحکام (1325ھ)؛ مصنف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ

(۴۳)...دیکھئے: اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین، مطبوعہ: مطبع اہلِ سنت وجماعت۔ بریلی

(۴۴)...تقاریظ امام احمد رضا: ص 21-22، تحقیق: محقق رضویات سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: اکبر بک سیلر۔ لاہور

(۴۵)...اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین، مطبوعہ: مطبع اہلِ سنت وجماعت۔ بریلی

(۴۶)...الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ؛ مصنف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مطبوعہ: مطبع مجتبائی بمبئی

(۴۷)...امام احمد رضا اور علمائے مکہ مکرمہ: ص ۲۲

(۴۸)...تذکرہ اکابر اہل سنت از شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۲۹۰، ناشر: نوری کتب خانہ۔ لاہور

(۴۹)...(تحفۂ حنفیہ، جلد ۶، پرچہ ۴، ربیع الاخریٰ ۱۳۲۰ھ، ص ۱۳ تا ۱۶)

(۵۰)...(مثلاً: تذکرہ اکابر اہل سنت از شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ص ۲۹۰، ناشر: نوری کتب خانہ۔ لاہور = حضرت شرف ہی کی دوسری تصنیف "خلفائے اعلیٰ حضرت" ص 97، مرتبہ: محمد عبد الستار طاہر مسعودی، ناشر: مکتبہ شمس وقمر۔ لاہور اور "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" ص 270، مرتبین: محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری، ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی)

(۵۱)...(ماہنامہ اعلیٰ حضرت: جلد ۳۴، شمارہ ۷-۸، ماہ جولائی اگست ۱۹۹۴ء مطابق محرم صفر ۱۴۱۵ھ، مقالہ نگار: عابد حسین شاہ پیرزادہ، ص 106-107)

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

للہ الحمد والمنۃ دریں زمان فرحت اقتران ایں رسالہ فیض مقالہ در جوازِ جہرِ کلمۂ طیبہ مع الجنازہ

اعنی

الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ

۱۳۱۵ھ

از تصنیفِ رصیف

مجمع الفضائل منبع الفواضل وحید الاقران والاماثل حامیٔ دین متین جناب مولانا

مولوی محمد عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی ادام اللہ فیضہ الصوری

والمعنوی

حسبِ فرمائش صاحبانِ ہمم اجلہ جماعتِ اہلِ سنّت میمنان کولسہ محلہ بمبئی

در مطبع مجتبائی واقع بمبئی طبع کردید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مفتیانِ شرع متین کہ ہمارے اس ملک سندھ [1] میں اور نیز بمبئی میں قدیم الایام سے یہ مروّج ہے کہ جنازہ کے آگے آگے کلمہ طیّبہ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» کا ذکر کرتے ہوئے چند آدمی میّت کو قبرستان تک لے جاتے ہیں اور قبرستان پہنچ کر اُس کا ثواب اُس میّت کو بخشش دیتے ہیں اور جب واپس لوٹتے ہیں تو اسی طرح کلمہ طیّبہ پڑھتے آتے ہیں اور اُس کا ثواب میّت کے مکان پر پہنچ پر اُس کو بخشش دیتے ہیں۔ آیا اس کلمہ کا ذکر میّت کے آگے اور واپسی کے وقت جہراً پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور میّت کو اُس سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اسے کفر و شرک یا حرامِ قطعی کہے اور مسلمانوں کو اُس کے باعث گمراہ جانے، وہ خاطی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب و من اللہ تعالیٰ الهدایة الی الحق والصواب

ذکر شریف مذکور السّوال جائز ہے۔ بچند دلائلِ شرعیہ:۔

دلیلِ اوّل :

ذکر، اللہ جلّ شانہٗ کا ہر حال و ہر وقت موجبِ نزولِ رحمت و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ [آل عمران:۱۹۱]

[ترجمہ کنز الایمان: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔]

---

(1)۔۔: واضح ہو کہ عرصہ تین سال کا ہوا کہ یہ سوال ملکِ سندھ سے فقیر حقیر کے پاس آیا تھا اور اُنہی دنوں میں اس کا جواب لکھا گیا تھا۔ اب چونکہ پھر بمبئی میں بھی اُسی کے قریب قریب واقعہ پیش آیا۔ وہی جواب مع زیاداتِ مفیدہ پھر لکھا گیا۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

تفسیرِ "روح البیان" میں اس آیت شریفہ کی تفسیر میں ہے:

نعت ﴿لِّاُولِی الْاَلْبٰبِ﴾ ای یذکرونه دائما علی الحالات کلها قائمین وقاعدین ومضطجعین فان الإنسان لا یخلو عن هذه الهیآت غالبا. انتهی (1)

[یہ آیت یعنی ﴿الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے﴾ اس سے پہلے والی آیت میں موجود لفظِ ﴿لِّاُولِی الْاَلْبٰبِ﴾ کی صفت ہے یعنی، وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام حالتوں میں یاد کرتے ہیں۔ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے؛ اس لئے کہ عام طور پر انسان ان تین حالتوں میں رہتا ہے۔]

اور تفسیرِ "ابو سعود" میں اس کی تفسیر یوں کی ہے:

والمرادُ تعمیمُ الذکرِ للأوقات کما مر وتخصیصُ الأحوالِ المذکورةِ بالذکر لیس لتخصیص الذکرِ بها بل لأنها الأحوالُ المعهودةُ التي لا یخلو عنها الإنسانُ غالباً. انتهی (2)

[یعنی، اس آیتِ کریمہ میں تمام اوقات میں ذکر کی تعمیم مراد ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ احوالِ مذکورہ یعنی، قیام، قعود اور پہلوں کے بل لیٹنے کی تخصیص اس لئے نہیں کہ ان ہی احوال کے ساتھ ذکر خاص ہے، بلکہ ان احوال کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ عام طور پر انسان ان تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔]

اور "تفسیرِ کبیر" میں ہے:

الْمُرَادُ مِنْهُ كَوْنَ الْإِنْسَانِ دَائِمَ الذِّكْرِ لِرَبِّهِ، فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيْسَتْ إِلَّا هَذِهِ الثَّلَاثَةَ، ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكَوْنِهِمْ ذَاكِرِينَ فِيهَا كَانَ ذٰلِكَ دَلِيلًا عَلَى كَوْنِهِمْ مُوَاظِبِينَ عَلَى الذِّكْرِ غَيْرَ فَاتِرِينَ عنه ألبتة. انتهی (3)

---

(1)۔۔: روح البیان: سورہ آل عمران، تحتِ آیت ۱۹۱، 145/2

(2)۔۔: تفسیر أبي السعود/ إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم: سورہ آل عمران تحتِ آیت ۱۹۱، 129/2

(3)۔۔: مفاتیح الغیب/التفسیر الکبیر: سورہ آل عمران، تحتِ آیت ۱۹۱، 459/9

[یعنی، مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ربّ کا دائمی ذکر کرنے والا ہو؛ کیوں کہ احوال یہ تین ہی ہیں۔ پھر جب بیان کیا کہ ان تمام میں وہ ذکر کرنے والے ہیں تو یہ دلیل ہو گا کہ وہ ذکر پر ہمیشگی کرنے والے ہوں اور اس کو چھوڑنے والے نہیں۔]

حاصل اس آیہ شریفہ کا مع تفسیر یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ ہر حال میں اپنے مولا کریم کا ذکر کرتا رہے اور اس کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہو، کیا کھڑے ہوتے ہوئے اور کیا لیٹے ہوئے اور کیا چلتے ہوئے، ہر حال میں اسی کا ذکر کرتا رہے اور زبان کو اس کے ذکر میں تر رکھے۔ پس صورتِ مسؤلہ بھی اس میں شامل ہے، اس وقت کون منع کر سکتا ہے اور اس کو کون اس ذکر کے افراد سے نکال سکتا ہے۔

دلیلِ دوم:

ذکر شریف سے مومنین کو سرور و فرحت ہے۔ منکرین، منافقین، اہلِ شرور پر عذاب و نقمت ہے۔ مسلمانوں کے دل اس کے سننے سے آرام پاتے ہیں اور کفّار ناہنجار اس سے رنج اور غیر ذکرِ خدا سے خوش ہوتے ہیں۔

"روح البیان" میں ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ﴾ وآرام می یابد دلهای ایشان ﴿بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ إذا سمعوا ذكر الله احبوه واستأنسوا به ودخل فی الذكر القرآن فالمؤمنون يستأنسون بالقرآن وذكر الله الذي هو الاسم الأعظم ويحبون استماعها والكفار يفرحون بالدنيا ويستبشرون بذكر غير الله..... ﴿اَلَا﴾ بدانيد كه ﴿بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ قلوب المؤمنين ويستقر اليقين فيها فقلوب العوام تطمئن بالتسبيح والثناء. انتهى (1)

[یعنی، ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان و سکون حاصل کرتے ہیں، جب وہ اللہ کا ذکر سنیں تو اسے پسند کرتے ہیں اور اس سے انس حاصل کرتے ہیں۔ ذکر اللہ میں قرآن پاک داخل ہے تو ایمان والے قرآن پاک اور اسمِ اعظم اللہ کے ذکر سے

---

(1)۔۔۔: روح البیان: سورہ الرعد، تحتِ آیت ۲۸، 372/4

انسیت پاتے ہیں اور ان کے سننے کو پسند کرتے ہیں جب کہ کفار دنیا اور غیر اللہ کی یاد سے خوش ہوتے ہیں۔ سُن لو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ایمان والوں کے دل ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں، ان کے دلوں میں یقین راسخ وپختہ ہو جاتا ہے۔ عوام کے دل تسبیح و تہلیل سے مطمئن ہوتے ہیں۔]

اس آیت کریمہ مع تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ جہر ذکر سننے سے مسلمانوں کے دل خوش ہوتے ہیں اور اس سے آرام پاتے ہیں۔ پس صورتِ مسؤلہ میں بھی جب کہ یہ اس ذکر کے افراد سے ہے، میّت اور مسلمانوں کے دل خوش ہوں گے۔ ہاں! اگر جس کا دل اس سے خوش نہ ہو، اس کو چاہئے کہ اپنے کان بند کر لے۔

دلیلِ سوم:

تفسیرِ "روح البیان" میں ہے:

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ بما هو اهله من التهليل والتحميد والتكبير ونحوها... ﴿ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ فى جميع الأوقات ليلا ونهارا صيفا وشتاء وفى عموم الامكنة برا اوبحرا سهلا وجبلا وفى كل الأحوال حضرا وسفرا صحة وسقما سرا وعلانية قياما وقعودا وعلى الجنوب وفى الطاعة بالإخلاص وسؤال القبول والتوفيق وفى المعصية بالامتناع منها وبالتوبة والاستغفار وفى النعمة بالشكر وفى الشدة بالصبر فانه ليس للذكر حد معلوم كسائر الفرائض ولا لتركه عذر مقبول الا ان يكون المرء مغلوبا على عقله... ﴿وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ اى أول النهار وآخره وقد يذكر الطرفان ويفهم منهما الوسط فيكون المراد سبحوه فى جميع الأوقات خصوصا فى الوقتين المذكورين المفضلين على سائر الأوقات لكونهما مشهودين... وافراد التسبيح من بين الاذكار لكونه العمدة فيها من حيث انه من باب التحلية. انتهى مختصراً[1]

[یعنی، اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو اس کے ساتھ جس کا وہ اہل ہے تہلیل، تحمید

---

(1)۔۔: روح البیان: سورہ الاحزاب، تحتِ آیت ۴۱۔۴۲، 7/191۔192

اور تکبیر وغیرہ سے۔ ہر وقت رات میں، دن میں، گرمی میں، سردی میں۔ ہر جگہ خشکی میں، تری میں، میدانوں میں، پہاڑوں میں۔ ہر حال میں حضر میں، سفر میں، صحت میں، بیماری میں۔ خلوت میں، جلوت میں، کھڑے، بیٹھے، لیٹ کر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ فرماں برداری میں، اخلاص کے ساتھ اور قبولیت اور توفیق کا سوال کر کے اللہ کا ذکر کرو۔ معصیت اور نافرمانی سے رک کر توبہ استغفار کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرو۔ نعمت میں شکر کے ساتھ، سختی میں صبر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، اس لئے کہ باقی فرائض کی طرح ذکر کی حد معلوم نہیں اور نہ ہی ذکر نہ کرنے کا عذر مقبول ہے، البتہ اگر انسان مغلوب العقل ہو جائے تو اب ذکر نہ کرنے کا عذر مسموع ہے اور اُس کی تسبیح بیان کرو، صبح و شام یعنی دن کے آغاز و اختتام میں۔ کبھی دو طرفوں کو ذکر کیا جاتا ہے اور اُس سے وسط بھی مراد ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح تمام اوقات میں بیان کرو، خصوصاً صبح و شام؛ کیوں کہ ان اوقات کو بقیہ وقتوں پر فضیلت حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ ان اوقات میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ تمام اذکار میں تسبیح کا ذکر الگ سے اس لئے کیا کہ یہ ان اذکار میں سے عمدہ ذکر ہے، اس اعتبار سے کہ یہ تحلیہ کے باب سے ہے۔]

یعنی، مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر وقت رات دن صبح و شام چلتے پھرتے آہستہ اور پکار کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شریف کرتے رہیں اور کسی وقت اس سے غافل نہ ہوں اور یہ ذکر چاہے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" سے ہو یا "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ" وغیرہ اذکار سے ہو، ہر طرح سے ذکر ہے اور اس سے زبان کو مسلمان بند نہ رکھیں، ہر وقت ذکر کرتے رہیں۔

دلیلِ چہارم:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ: «فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا» قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ، مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ: يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: هَلْ

رَأَوْنِي؟قَالَ: فَيَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا، قَالَ: يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِي؟ قَالَ: «يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ» قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ: يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ المَلاَئِكَةِ: فِيهِمْ فُلاَنٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ: هُمُ الجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ». رواه البخاری [1]

یعنی، اللہ کے فرشتے راستوں میں ذکر شریف کرنے والوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ پس جب ذکر کرنے والوں کو معلوم کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ اپنی حاجت پوری ہوئی۔ یعنی، ذاکرین معلوم ہوئے۔ پس اُن کو اپنے پَروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر پوچھتا ہے اُن سے اللہ تعالیٰ -اور وہ زیادہ جانتا ہے اُن سے-: کیا کہتے تھے میرے بندے؟ فرشتے اللہ تعالیٰ کو جواب دیتے ہیں کہ تیرا ذکر کرتے تھے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُن سے کہتا ہے: کیا مجھ کو اُن بندوں نے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھ کو دیکھتے تو کیسے ہوتے؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر تجھ کو دیکھتے تو تیری عبادت اور تیرا ذکر اس سے بھی زیادہ کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُن سے سوال کرتا ہے: وہ کیا مجھ سے مانگتے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جنت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا جنت اُنھوں نے دیکھی ہے؟ وہ کہتے ہیں: نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اُس کو دیکھتے ؟ تو وہ کہتے ہیں: اگر دیکھتے تو بہت اُس کی طلب میں کوشش کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ کس چیز سے وہ پناہ مانگتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے۔ اللہ تعالیٰ

---

(1)ـــ: صحيح البخاري: كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عز وجل، رقم 6408

فرماتا ہے: کیا اُنھوں نے آگ دوزخ کی دیکھی ہے ؟وہ کہتے ہیں: نہیں یا ربّ! اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر اُس کو دیکھتے؟ تو وہ کہتے ہیں: اگر اُس کو دیکھتے تو بہت اُس سے ڈرتے اور بھاگتے۔ پس اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ البتہ میں نے اُن کو بخش دیا۔ پھر ایک فرشتہ کہتا ہے: فلاں آدمی اُن میں ذاکر نہ تھا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا آدمی کبھی محروم نہیں ہوتا، لہذا وہ بھی بخشا گیا۔ فقط

پس اس سے صورتِ مسؤلہ کا جواز ظاہر ہے کہ ان ذاکرین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ کامل ورحمِ شامل سے بخش دے گا اور اُن کے ہمراہی یعنی، میّت کو بھی ضرور بخش دے گا۔

دلیلِ پنجم:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ؟ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ؟ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذهبِ والوَرِقِ؟ وخيرٍ لكم مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟»قَالُوا: بَلَى قَالَ:«ذِكْرُ اللهِ».[1]

[حضرت ابی الدرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمھیں ایسے بہترین اعمال نہ بتادوں جو ربّ تعالیٰ کے نزدیک بہت ستھرے اور تمہارے درجے بہت بلند کرنے والے اور تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہوں اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھیں شہید کریں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! ارشاد فرمایا: وہ عمل "اللہ کا ذکر" ہے۔]

---

(1)۔۔: موطأ الإمام مالک: کتاب الجمعة، باب فضل الدعاء، رقم 524=مسند الإمام أحمد بن حنبل ؛تتمة مسند الأنصار، رقم 21702،33/36=سنن الترمذي: أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، 6 - باب منه، رقم 3377=سنن ابن ماجه: كتاب الأدب، باب فضل الذكر ،رقم 3790

یعنی، سب عبادتوں سے ذکر بڑھ کر عبادت ہے، یہاں تک کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی۔ پس صورتِ مسؤلہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس سے بھی میّت کو ضرور فائدہ ہو گا۔

دلیلِ ششم:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: «إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا» قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الْجِنّ؟ قَالَ: «حلق الذكر». رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ(1)

یعنی، حضور اعلیٰ و اقدس صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب باغاتِ جنت سے گزر کرو تو اُس سے نفع و فائدہ اُٹھاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ کہاں ہیں باغ جنت کے؟ حضور پُر نور صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ذکر کے حلقے۔

پس صورتِ مسؤلہ میں بھی چند آدمی مل کر ذکر کرتے ہوئے میّت کو لے جاتے ہیں، یہ بھی حلقہ میں شامل ہے۔

دلیلِ ہفتم:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ كَانَ يَقُولُ: «لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰہِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰہِ» قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰہِ؟ قَالَ: «وَلَا أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِہِ حَتَّى يَنْقَطِعَ». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ.(2)

[حضرت عبداللہ ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھما سے روایت ہے، وہ نبی کریم صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَسَلَّم سے راوی کہ حضور فرماتے تھے کہ ہر چیز کی صیقل ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات نہیں دیتی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہ اللہ کی راہ میں جہاد؟ ارشاد فرمایا: بلکہ نہ یہ کہ

---

(1)۔۔:سنن الترمذي: أبواب الدعوات، 83-باب، رقم 3510

(2)۔۔:الدعوات الكبير: باب ما جاء في فضل الدعاء والذكر، رقم 19، 80/1

غازی اپنی تلوار سے کفار کو مارے، حتی کہ تلوار ٹوٹ جائے۔]

یعنی، دلوں کی صفائی کے واسطے ذکرِ الٰہی سے کوئی شے بڑھ کر نہیں اور اسی طرح عذاب کے دفع کرنے میں بھی ذکر سب چیزوں سے بڑھ کر دافع ہے۔ پس صورتِ مسؤلہ کا ذکر بھی بے شک عذاب سے میّت کو نجات اور خلاصی دے گا۔

دلیلِ ہشتم:

امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمّدیہ" میں بعد ذکر اقوالِ مختلفہ کراہتِ تنزیہی و تحریمی کے اپنی تحقیقِ انیق سے فرماتے ہیں:

لكن بعض المشائخ جوّزوا الذكر الجهري ورفع الصوت بالتعظيم و بغير التغيير بادخال حرف فى خلاله قدام الجنازة وخلفها لتلقين الميّت والأموات والأحياء وتنبيه الغفلة والظلمة وإزالة صداء القلوب وقساوتها بحب الدنيا ورياستها. إنتهى(1)

[یعنی، بعض مشائخ نے ذکر بالجہر اور تعظیم کے ساتھ آواز کو بلند کرنے اور دورانِ ذکر کسی حرف کو داخل کر کے بغیر تبدیلی کے جنازہ کے آگے اور پیچھے پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ اس سے میت، مُردوں اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں اور ظالموں کو تنبیہ ہو اور دنیا اور اس کی ریاست کی محبت کی وجہ سے دلوں میں پیدا ہونے والے زنگ اور اس کی سختی ختم ہو۔]

یعنی، بعض مشائخ کرام نے ذکرِ جہر کو جنازہ کے آگے اور پیچھے جائز فرمایا ہے کہ اس سے میّت اور مُردوں اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے اس ذکر شریف سے غفلت دور ہو۔

دلیلِ نہم:

---

(1)۔۔۔:الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية والسيرة الاحمدية:القسم الثاني، المبحث الاول، النوع الحادى والستون مطلب: حق المسلم على المسلم ست 397/4

"لواقح الانوار القدسية فی بيان العهود المحمّدية" میں قطبِ ربّانی امام شعرانی شافعی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

وكان سيّدی علی الخواص رضی الله عنه، يقول: إذاعلم من الماشين مع الجنازة أنهم لا يتركون اللغو فی الجنازة ويشتغلون بأحوال الدنيا، فينبغی أن يأمرهم بقول لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، فان ذٰلک أفضل من تركه، ولا ينبغی لفقيه أن ينكر ذٰلک إلا بنص أو إجماع، فإن مع المسلمين الإذن العام من الشارع بقول لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ كل وقت شاءوا، ويا للعجب من عمی قلب من ينكر مثل هذا. الخ[1]

یعنی، امام شعرانی کے شیخ حضرت علی خواص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہو کہ جنازہ کے ہمراہ لوگ طرح طرح کی بے ہودہ باتوں میں مشغول ہیں تو مشائخ اور علما کو چاہئے کہ ان کو «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ» بولنے کا حکم کریں اور کسی فقیہ کو لائق نہیں کہ وہ اس کا انکار کرے، مگر ساتھ نص یا اجماع کے؛ کیوں کہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ» بولنے کا مسلمانوں کو اذنِ عام ہے شارع عَلَیْہِ السَّلَامُ سے ہر وقت جب چاہیں اور بڑا تعجّب ہے اُس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔

دلیلِ دہم:

کتاب "عهود المشائخ" میں امام شعرانی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

قال: ولا نمكن أحدا من إخواننا ينكر شيئا ابتدعه المسلمون على جهة القربة إلى الله تعالٰی ورأوه حسنا كما مر تقريره مرارا فی هذه العهود لاسيما ما كان متعلقا بالله تعالٰی ورسوله عليه السلام كقول الناس أمام الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله أو قراءة القرأن أمامها ونحو ذلک، فمن حرم ذالک فهو قاصر عن فهم الشريعة، لأنه ما كل مالم يكن على عهد رسول الله صلى الله تعالٰی عليه وسلم يكون

---

(1)۔۔۔:الحديقة الندية شرح الطريقة المحمّدية والسيرة الاحمدية: القسم الثاني، المبحث الاول، النوع الحادی والستون، مطلب: حق المسلم على المسلم ست، 398/4

مذموما وقد رجح النووی رحمه الله تعالٰی أن الکلام خلاف أولی فقط. واعلم أنه لو فتح هذا الباب لردت أقوال المجتهدین فی جمیع ما استحبوا من المحاسن ولا قائل به وقد فتح رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم العلماء أمته هذا الباب وأباح لهم أن یسنوا کل شيء استحسنو ویلحقوه بشریعة رسول الله صلی الله علیه وسلم، بقوله علیه الصلاة والسلام:

من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من یعمل بها.

وکلمة لا اله الا الله محمد رسول الله أکبر حسنات، فکیف یمنع منها؟ وتأمل أحوال غالب الخلق الاٰن فی الجنازة تجدهم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع له، بل رأیت منهم من یضحک وإذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذالک لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدمنا ذکر الله عزوجل، بل کل حدیث لغو اولٰی من حدیث انباء الدنیا في الجنازة، فلو صاح کل من فی الجنازة بلا اله الا الله فلا اعتراض ولم یأتِنا فِی ذالک شئ عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فلو کان ذکر الله فی الجنازة منهیا عنه لبلغنا ولو فی حدیث کما بلغنا فی قراءة القراٰن فی الرکوع، فافهم! وشئ سکت عنه الشارع أوائل الإسلام لا یمنع منه أواخر الزمان.

وبالجملة فلا یجتري علی أمر الناس بترک قول لا اله الا الله الا أن یجد فی ذلک حدیثا یمنع من ذلک. انتهی (1)

یعنی، امام شعرانی کے شیخ حضرتِ علی خواص فرماتے ہیں کہ نہ قدرت دیں کسی کو ہمارے بھائیوں سے کہ وہ انکار کرے اس چیز کا جس کو مسلمانوں نے نیک سمجھ کر نکالا ہو خصوصاً وہ چیز جو اللہ ورسول سے متعلق ہو جیسا کہ کہنا لوگوں کا آگے جنازہ کے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ» یا کوئی شخص قرآن شریف اس کے آگے پڑھے۔ اور جو اس

(1)۔۔۔:الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة والسیرة الاحمدیة:القسم الثاني المبحث الاول، النوع الحادی والستون مطلب: حق المسلم علی المسلم ست 4/397-399

کو منع کرتا ہے وہ شریعت سمجھنے سے عاجز ہے، اس واسطے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو چیز حضور پُر نورُ[صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] کے زمانہ میں نہ ہو وہ بری ہو اور اُس کا کرنا ناجائز ہو۔ اگر ایسا ہو تو بہت سے اقوال مجتہدین کے رد ہو جائیں گے؛ کیوں کہ انہوں نے بہت سی چیزیں جو حضرت[صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] کے زمانہ میں نہ تھیں؛ اس کو مستحسن جانا ہے؛ بلکہ حضور سرورِ عالم[صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم] نے اپنی امت کے علما کو اچھی چیزیں نکالنے کی اجازت فرمائی ہے، اپنے فرمانِ عالی شان سے کہ:

جس شخص نے کوئی طریقہ اچھا نکالا تو اس کو اس کے نکالنے اور اس پر لوگوں کے عمل کرنے کا اجر ملے گا۔

اور کلمہ «لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ» تو سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے۔ پس اس سے کس طرح منع کیا جائے؟ اور تو اکثر لوگوں کا حال اس زمانہ میں دیکھ کر کہ جنازہ کے ساتھ کیسی دنیاوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور دل ان کے اس سے غافل ہیں، بلکہ بعض کو تو ان میں دیکھا میں نے ہنستے ہوئے جاتے ہیں۔ پس جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس بات پر عمل کر کے کہ یہ کلمہ زمانہ سابق میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا، اس کے ناجائز ہونے کا حکم دینا درست نہیں، بلکہ اس کے جواز ہی کو مقدم کرنا چاہئے اور اس کے جواز ہی کا حکم دینا چاہئے، بلکہ ہر حدیث وباتِ لغو، بہتر ہے باتوں اہلِ دنیا سے۔ پس اگر تمام لوگ چلا اُٹھیں ہم راہ جنازہ کے «لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ» کہتے ہوئے تو کوئی ان پر اعتراض نہیں ہے اور ہم کو اس بارہ میں حضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کوئی چیز موجبِ منع نہیں آئی۔ پس اگر ذکر، اللہ تعالی کا منع ہوتا تو ہم کو ضرور کوئی حدیث پہنچتی اس کی ممانعت میں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رکھ!

اور جس چیز سے شارع نے اوائلِ اسلام میں سکوت کیا ہو، اس کو اواخرِ اسلام منع نہ کرنا چاہئے۔

حاصلِ کلام یہ کہ نہیں جرأت کرنا چاہئے اوپر بند کرانے «لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ» کے آگے جنازہ کے، مگر اُس وقت کہ پائے کوئی حدیث منع کرنے والی اس

سے اور منع میں کوئی حدیث اصلاً وارد نہیں۔ فقط

اس عبارتِ علامہ امام شعرانی سے صاف ظاہر ہے کہ پڑھنا کلمہ شریف کا آگے جنازہ کے امر مستحسن ہے۔ جو منع کرے اس سے وہ فہمِ شریعت سے قاصر ہے اس کی ممنوعیت میں کچھ حضور سرورِ عالم [صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم] سے وارد نہیں اصلاً۔

اعتراض:

اب رہا یہ خدشہ کہ بعض فقہانے جنازہ کے ساتھ رفعِ صوت مطلقاً یعنی، آواز بلند کرنے کو خواہ بذکر اللہ ہو یا بغیر ذکر اللہ مکروہ لکھا ہے اور امر جائز جب مقرون بالکراہت ہو تو اس کو ترک کر دینا چاہئے۔

جواب:

اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ یہ کراہت باعتبار زمانہ سلف کے ہے، اس واسطے کہ اُس زمانہ میں جب کوئی مر جاتا تھا تو وہ لوگ اس کے غم میں ایسے شریک ہوتے تھے کہ خویش و بے گانہ میں تمیز نہ رہتی تھی اور بسبب کثرتِ تفکرِ موت کے ان کو زیادہ بات کرنے پر قدرت نہ ہوتی تھی، بلکہ زبانیں ان کی گونگی ہو جاتی تھیں ہر کلام سے، قرآن ہو یا اور کچھ ذکر تو بلند کرنا آواز کا مطلقاً، چوں کہ اُن کے اس حال کے منافی اور خلل اندازِ تفکرِ موت تھا، مکروہ جانا گیا اور اس زمانہ کا ایسا حال نہیں ہے کما ہو مشاہد۔

اور امام شعرانی اپنے زمانہ کی شہادت دیتے ہیں کہ لوگ جنازہ کے ساتھ غافل ہنستے کھیلتے جاتے ہیں جیسا کہ سابقاً نقل کیا گیا ہے تو باعتبار اس ہمارے زمانہ کے یہ کراہت منتفی ہے۔

لأن الأحكام تدور مع عللها

[کیوں کہ احکام کا دار و مدار ان کی علتوں کے ساتھ ہے۔]

اور ذکر بالجہر بلا کراہت جائز، بلکہ اولیٰ و متضمن فوائدِ کثیرہ ہے جیسا کہ علامہ شیخ عبد الغنی نابلسی سے نقل کیا گیا۔

ہاں! اگر اس زمانہ میں بھی جنازہ کے ساتھ والوں کا حال بھی مثل زمانہ سلف کے ہو تو ان کے واسطے بھی ذکر و قراءت وغیرہ برفعِ صوت مکروہ ہے۔

قطب ربّانی امام شعرانی رَحْمَةُاللهِ تَعَالٰی عَلَیْه "عھود المشائخ" میں لکھتے ہیں:

وإنما لم یکن الکلام والقراءة أو الذکر أمام الجنازة في عھد السلف، لأنھم کانوا إذا مات لھم میت اشترکوا کلھم في حزن علیه حتی کان لا یعرف قرابة المیت من غیرہ فکانوا لا یقتدرون علی النطق الکثیر لما ھم علیه من ذکر الموت بل خرست ألسنتھم عن کل کلام ولو قرآناً وذکراً فإذا وجدنا جماعة بھذہ الصفة فلک یا أخي علینا أن لا نأمرھم بقراءة ولا ذکر. الخ[1]

[یعنی، سلف کے زمانے میں جنازے کے آگے بات چیت، ذکر و اذکار اور قرآن پاک کی تلاوت اس لئے نہیں ہوتی تھی کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو تمام لوگ اس پر غم میں اس طرح شریک ہوتے کہ اپنے اور بیگانے میں تمیز نہ رہتی تھی۔ موت کے تفکر کی کثرت کے سبب سے انہیں زیادہ بات کرنے پر قدرت نہ ہوتی تھی، بلکہ ان کی زبانیں ہر طرح کے کلام سے گونگی ہو جاتی تھیں چاہے قرآن ہو یا ذکر۔ جب ہم نے سلف کی جماعت کو اس پر پایا تو اے بھائی! ان نفوسِ قدسیہ کو ہم قراءت اور ذکر و اذکار کا حکم نہیں دے سکتے۔]

اور علامہ شیخ عثمان [بن سلیمان السویفی] البجیرمی "شرح اقناع" کے "حاشیہ" کی دوسری جلد میں فرماتے ہیں:

(وکرہ لغط في الجنازة) قوله: لغط أي رفع الصوت ولو بقرآن أو ذکر أو صلاة علی النبي صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم. انتھی

قال: وھذا باعتبار ما کان في الصدر الأول وإلا فالآن لا بأس بذالک، لأنه شعار المیت، لأن ترکه مزر به، ولو قیل بوجوبه لم یبعد کما نقله المدابغي رحمه الله. انتھی[2]

[جنازہ میں لغط میں مکروہ ہے یعنی آواز کو بلند کرنا چاہے وہ قرآن یا ذکر کی صورت

(1)۔۔۔:عھود المشائخ:

(2)۔۔۔:حاشیة البجیرمي علی الخطیب المسماة تحفة الحبیب علی شرح الخطیب المعروف الاقناع فی حل الفاظ ابی الشجاع: کتاب الصلاة فصل فی صلاة الجنازة 559/2

میں ہو یا نبی پاک صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم پر درود کے ساتھ ہو۔

فرماتے ہیں: کراہت کا یہ حکم زمانۂ سلف میں تھا، اب اس میں حرج نہیں؛ کیوں کہ اب ذکر شعارِ میت ہے، اس لئے کہ اس کے نہ کرنے سے میت کی تحقیر ہوتی ہے۔ اگر اس زمانہ میں اس کے وجوب کا قول کیا جائے تو بعید نہیں جیسا کہ علامہ مدابغی نے نقل کیا ہے۔]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کراہت زمانۂ سلف میں تھی اور اس زمانہ میں تو ذکر، قراءتِ قرآن مجید اور درود شریف وغیرہ بلند آواز سے جنازہ کے ساتھ پڑھنا جائز بلا کراہت ہے؛ کیوں کہ یہ شعارِ میت ہو گیا ہے اس زمانہ میں، لہٰذا اس کے ترک سے میت کی حقارت ہوتی ہے چنانچہ اسی باعث بعض علما اس کے وجوب کے قائل ہو گئے ہیں جیسا کہ علامہ شیخ مدابغی نے اس کو نقل کیا ہے اور نظائر اس کے کلامِ فقہا میں بہت ہیں۔

زمانۂ متقدمین میں اشیا کا مکروہ ہونا، زمانۂ متاخرین میں مکروہ ہونے کو مستلزم نہیں

ازاں جملہ یہ ہے کہ لکھنا سورتوں کے ناموں کا و عددِ آیات کا زمانہ سلف میں نہ تھا اور اب باوجود بدعت ہونے کے مستحسن جانا ہے بنظر فائدۂ خاص و عام۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

لَا بَأْسَ بِكِتَابَةِ أَسَامِي السُّوَرِ وَعَدَدِ الْآيِ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ إِحْدَاثًا فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ، وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَاثًا وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ، وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ. الخ[1]

[سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اگرچہ یہ محدث (نئی چیز) ہے، مگر بدعتِ حسنہ ہے اور کتنی ہی نئی چیزیں بدعتِ حسنہ کے قبیل سے ہیں اور کتنی ہی (نئی) چیزوں (کا حکم) زمان و مکان کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔]

---

(1)۔۔۔الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شيء من القرآن، 323/5

ازاں جملہ تجصیص قبور و کتابت علی القبور ہے کہ نہی اس میں وارد ہے اور فقہا نے مکروہ لکھا ہے، باوجود اس کے اس زمانہ میں بنظر بعض فوائد مستحسن جانا ہے۔ جیسا شامی میں ہے:

نَعَمْ فِي "الْإِمْدَادِ" عَنْ "الْكُبْرَى": وَالْيَوْمَ اعْتَادُوا التَّسْنِيمَ بِاللَّبِنِ صِيَانَةً لِلْقَبْرِ عَنْ النَّبْشِ، وَرَأَوْا ذَلِكَ حَسَنًا. وَقَالَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ». انتهى (1)

[یعنی، "امداد" میں "کبریٰ" سے منقول ہے: آج کے زمانہ میں لوگوں کی عادت ہے کہ قبروں کو اینٹوں سے کوہان نما بناتے ہیں، تاکہ قبر محفوظ رہے۔ اس کو وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ نبی پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔]

اور "درمختار" میں جنائز "سراجیہ" سے منقول ہے:

لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إنْ اُحْتِيجَ إلَيْهَا حَتَّى لَا يَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا يُمْتَهَنَ. (2)

[اگر کتابت علی القبر کی حاجت ہو، تاکہ نشانات باقی رہیں اور قبر کی بے حرمتی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔]

اور علامہ شامی نے اس کے ماتحت لکھا ہے:

(قَوْلُهُ لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إلَخْ) لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْهَا وَإِنْ صَحَّ فَقَدْ وُجِدَ الْإِجْمَاعُ الْعَمَلِيُّ بِهَا، فَقَدْ أَخْرَجَ الْحَاكِمُ النَّهْيَ عَنْهَا مِنْ طُرُقٍ، ثُمَّ قَالَ: هَذِهِ الْأَسَانِيدُ صَحِيحَةٌ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلَيْهَا، فَإِنَّ أَئِمَّةَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ الْمَشْرِقِ إلَى الْمَغْرِبِ مَكْتُوبٌ عَلَى قُبُورِهِمْ، وَهُوَ عَمَلٌ أَخَذَ بِهِ الْخَلَفُ عَنْ السَّلَفِ. انتهى (3)

(1)۔۔: رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، 237/2

(2)۔۔: الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصلاة، باب: صلاة الجنازة، 123/1

(3)۔۔: رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، 138-237/2

[کتابت علی القبر میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ کتابت کی ممانعت اگر صحیح بھی ہو تو کتابت پر اجماعِ عملی موجود ہے۔ امام حاکم نے کتابت سے نہی کی احادیث کو متعدد طرق سے بیان کیا ہے۔ پھر فرمایا: یہ اسانید صحیح ہیں، مگر ان پر عمل نہیں۔ شرق تا غرب ائمہ مسلمین کی قبور پر کتابت موجود ہے اور یہ عمل خلف نے سلف سے لیا ہے۔]

اس پر سے خیال کرنا چاہئے کہ جب امر مکروہ منہی عنہ بنہی صریح وارد حدیث صحیح باستحسان و عمل مسلمین مستحسن ہو گیا تو پھر ذکر کلمہ شریف جنازہ کے ساتھ جس میں کوئی نہی وارد نہیں، بلکہ اذنِ عام ثابت ہے کیوں بنظرِ فوائدِ مذکورہ باستحسانِ مسلمین مستحسن نہ ہو؟ اور استحسان اس کا بتصریح امام شعرانی ثابت ہے۔ چناں چہ "عہود المشائخ" میں لکھتے ہیں:

فممّا أحدثه المسلمون واستحسنوه قولهم أمام الجنازة لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ أو وسيلتنا إلى الله يوم العرض على الله لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ونحو ذالک فمثل هذا لا يجب إنكاره في هذا الزمان؛ لأنهم إن لم يشتغلوا بذالک اشتغلوا بحديث الدنيا وذالک لأن قلبهم فارغ من ذكر الموت، بل رأيت بعضهم يضحک أمام الجنازة ويمزح. انتهى (1)

[یعنی، مسلمانوں نے جو نئے کام نکالے اور انہیں مستحسن جانا ہے، ان میں سے ایک جنازہ کے آگے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ" اور "وسیلتنا إلى الله يوم العرض على الله لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ" وغیرہ کا ذکر ہے۔ ان جیسے امور سے اس زمانہ میں انکار ضروری نہیں، اس لئے کہ لوگ اگر ذکر میں مشغول نہ ہوں تو دنیا کی باتوں میں مشغول ہو جائیں گے؛ کیوں کہ ان کے دل موت کی یاد سے غافل ہیں، بلکہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ تو جنازہ کے سامنے ہنسی مزاح کرتے ہیں۔]

اور از اں جملہ رفع صوت عند القتال ہے، اس کو بھی مکروہ لکھا ہے اور پھر بنظر بعض فوائد مستحسن جانا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الغنی نابلسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ

(1)۔۔۔:عہود المشائخ

محمدیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

كان أصحاب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يكرهون رفع الصوت عند ثلاثة: القتال وفي الجنازة والذكر.[1]

[اصحابِ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تین مقامات پر آواز بلند کرنا ناپسند کرتے تھے: لڑائی کے وقت، جنازہ اور ذکر میں۔]

پھر بعد اس کے لکھتے ہیں:

وفي "جامع الشروح" وفي الحديث: «لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، فَإِنْ لَقِيتُمُوهُمْ فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا، فَإِنْ أَجْلَبُوا، أَوْ صَيَّحُوا فَعَلَيْكُمْ بِالصَّمْتِ». وكانت الصحابة رضي الله عنهم لأجل ذالك يكرهون الصوت عند القتال إنتهى. ولو رفع الغزاة أصواتهم بالتكبير ونحوه لإرهاب الأعداء وتشجيع القلوب كان حسنا ولا كراهة فيه. إنتهى[2]

[یعنی، "جامع الشروح" میں ہے: حدیثِ پاک میں ہے: دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو، اگر تمہارا دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اور اگر تم سامنے آؤ اور وہ چیخ وپکار کریں تو تم خاموشی اختیار کرو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انتہی

اور اگر مجاہدین دشمنوں کو بھگانے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے تکبیر وغیرہ ذکر سے اپنی آوازوں کو بلند کریں تو یہ اچھا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔]

اور ازاں جملہ تکبیرِ عید الفطر و نفل نماز پڑھنا ہے قبل نمازِ عید کے اور بعد نمازِ عید کے، عید گاہ میں، اس کو بھی مکروہ لکھا ہے۔ باوجود اس کے عوام کو رخصت دی گئی

---

(1)۔۔: الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية والسيرة الاحمدية: القسم الثاني، المبحث الاول، النوع الحادى والستون، مطلب: حق المسلم على المسلم ست، 397/4

(2)۔۔: الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية والسيرة الاحمدية: القسم الثاني، المبحث الاول، النوع الحادى والستون، مطلب: حق المسلم على المسلم ست، 399/4

ہے۔ چنانچہ ”در مختار“ میں لکھا ہے:

(وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبلَهَا مُطْلَقًا)... (وَكَذَا) لَا يَتَنَفَّلُ (بَعْدَهَا فِي مُصَلَّاهَا) فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ. انتهى مختصراً[1]

[یعنی، عید کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تکبیر نہ کہے اور نہ ہی نمازِ عید سے پہلے مطلقاً نفل ادا کرے... یوں ہی نمازِ عید کے بعد عید گاہ میں نفل نہ پڑھے؛ کیوں کہ یہ تمام علما کے نزدیک مکروہ ہے۔]

پھر بعد اس کے اُسی ”در مختار“ میں لکھا ہے:

وَهَذَا لِلْخَوَاصِ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ أَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ "بَحْرٌ". انتهى[2]

[یعنی، یہ حکم خواص کے لئے ہے۔ بہر حال عوام تو انہیں تکبیر کہنے اور یوں ہی نفل ادا کرنے سے بالکل نہ روکا جائے، اس لئے کہ نیک کاموں میں پہلے ہی ان کی رغبت کم ہے۔]

اور ”شامی“ میں اُس کے ماتحت لکھا ہے:

(قَوْلُهُ: أَصْلًا) أَيْ لَا سِرًّا وَلَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيرِ وَلَا قَبْلَ الصَّلَاةِ بِمَسْجِدٍ أَوْ بَيْتٍ أَوْ بَعْدَهَا بِمَسْجِدٍ فِي التَّنَفُّلِ.[3]

[یعنی، "أَصْلًا" سے مراد یہ ہے کہ عوام کو سری اور جہری کسی بھی تکبیر سے نہ روکا جائے اور نہ ہی نفل ادا کرنے سے نماز سے پہلے مسجد میں یا گھر میں اور نہ ہی نماز کے بعد مسجد میں نفل پڑھنے سے روکا جائے۔]

اور علامہ شامی نے ”فتح القدیر“ سے درباب منع تکبیر نقل کیا ہے:

بِأَنَّهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ، إِذْ لَا يُمْنَعُ مِنْ ذِكْرِ اللهِ تَعَالَى فِي وَقْتٍ مِنَ الْأَوْقَاتِ، بَلْ مِنْ

---

(1)۔۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار: کتاب الصلاۃ، باب العیدین، 112/1

(2)۔۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار: کتاب الصلاۃ، باب العیدین، 112/1

(3)۔۔۔:رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاۃ ، باب العیدین 171/2

إيقَاعِهِ عَلَى وَجْهِ الْبِدْعَةِ وَهُوَ الْجَهْرُ. انتهى[1]

[یعنی، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کسی بھی وقت منع نہ کیا جائے، بلکہ اگر ذکر بطریق بدعت یعنی بآوازِ بلند کیا جائے تو اس سے بھی نہ روکا جائے۔]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عوام کو تکبیر و تنفّل سے باوجود مکروہ ہونے کے منع نہ کرنا چاہئے اور ذکر اللہ سے کسی وقت میں اوقات سے اگرچہ بطریق بدعت ہو، منع نہ کیا جائے تو پھر جنازہ کے ساتھ کلمہ شریف سے کہ افضل الذکر ہے اور اس میں کوئی نہی شارع سے وارد نہیں، کیوں منع کیا جائے؟

فائدہ:

یہ بدعت ہونا جہر بالتکبیر کا بنابر قولِ امام ابن ہمام رَحِمَہ اللہ کے ہے، والّا عندا لتحقیق حق حقیق یہی ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ مطلقاً سرّاً ہو یا جہراً، تکبیر ہو یا غیر تکبیر ہر وقت مشروع و مندوب ہے، ہر گز بدعت نہیں۔ جیسا کہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم رَحِمَہ اللہ نے "ارکان اربعہ" میں بعد ذکر اختلافِ علما رَحِمَھم اللہ بغایتِ توضیح و تنقیح تحریر فرمایا ہے:

قال فی "فتح القدير":إن الخلاف إنما هو فی الجهر بالتكبير و أما نفس التكبير فمندوب إليه قطعاً فی كل وقت هذا و الحق أن الجهر بالتكبير و سائر الأذكار مشروع و مندوب إليه قطعاً كالإخفاء به، لكن الكلام فی أنه هل لهذا الوقت بخصوصه شرع التكبير أم لا؟

وهذا يصلح للخلاف سواء كان بالجهر أو الإخفاء. فالحق ما يفيد "البحر الرائق" أن ليس عنده فی وقت الذهاب ذكر مخصوص به من التكبير وعندهما فيه ذكر مخصوص به وأما نفس التكبير فذكر الله تعالىٰ مشروع و مندوب فی كل وقت جهراً أو إخفاءً. قال الفقيه أبو جعفر: لا يمنع من التكبير فی هذا اليوم للعامة؛ لأن فيهم تهاوناً عن الذكر فليذكروا إن شاؤا. و هذا أيضاً يرشدك إلى أن لا

---

(1)۔۔ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاۃ ،باب العیدین،170/2

كراهة في الذكر وإلا لما حكم لعدم المنع؛ لأن التهاون عن المكروه ضروري، فافهم! انتهى. (1)

[یعنی، "فتح القدیر" میں ہے کہ جہر بالتکبیر میں اختلاف ہے، رہا نفسِ تکبیر کا مسئلہ تو وہ ہر وقت قطعی طور پر مندوب و مستحب ہے۔ حق یہ ہے کہ جہر بالتکبیر اور باقی تمام اذکار مشروع و مندوب ہیں قطعی طور پر جیسا کہ تکبیر بالاخفاء مندوب و مشروع ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ اس وقت (عید الفطر) کے لئے مخصوص تکبیر مشروع ہے یا نہیں؟

یہ بات اختلاف کی صلاحیت رکھتی ہے چاہے تکبیر بالجہر ہو یا تکبیر بالاخفاء۔ حق وہ ہے جو صاحبِ "بحر الرائق" نے بیان کیا ہے کہ: امام صاحب کے نزدیک نمازِ عید الفطر کو جاتے ہوئے کوئی مخصوص تکبیر مشروع نہیں۔ صاحبین کے نزدیک اس وقت مخصوص ذکر مشروع ہے، رہا نفسِ تکبیر کا مسئلہ تو وہ اللہ کا ذکر ہے، ہر وقت مشروع و مندوب ہے، جہراً ہو یا سراً۔ فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں: اس دن عوام کو تکبیر سے منع نہ کیا جائے؛ کیوں کہ وہ ذکر میں سستی کرتے ہیں، لہذا اگر وہ چاہیں تو اللہ کا ذکر کریں۔ یہاں فقیہ ابو جعفر کی رائے بھی آپ کی راہ نمائی کرتی ہے کہ ذکر بالجہر میں کوئی کراہت نہیں ، ورنہ اس سے منع نہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا؛ کیوں کہ مکروہ شے سے سستی و تہاون ضروری ہے۔ اس مسئلہ کو خوب سمجھ!!!]

اور ازاں جملہ دعا ہے وقت ختمِ قرآن شریف کے ماہِ رمضان مبارک میں، اس کو مکروہ کہا ہے اور اس کے ساتھ ہی لکھا ہے:

اس پر فتویٰ نہ دیا جائے۔ چنانچہ "عالم گیری" میں ہے:

الدُّعَاءُ عِندَ خَتمِ القُرآنِ فِي شَهرِ رَمَضَانَ مَكرُوهٌ، لٰكِنَّ هٰذَا شَيءٌ لَا يُفتٰى بِهِ، كَذَافِي "خِزَانَةِ الفَتَاوٰى". انتهى (2)

---

(1)۔۔۔: رسائل الارکان: الرسالة الاولى في الصلاة فصل في العيدين ص 119

(2)۔۔۔: الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح ورفع الصوت عند قراءة القرآن، 318/5

[یعنی، ختمِ قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے، لیکن یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر فتویٰ نہ دیا جائے گا جیسا کہ "خزانۃ الفتاویٰ" میں ہے۔]

ظاہراً وجہ اس کی یہی ہے کہ دعا از قبیلِ عبادت ہے اور عبادت سے منع کرنا نہ چاہئے تو پھر اسی طرح کلمہ شریف بھی از قبیلِ عبادت ہے، اس سے بھی جنازہ کے ساتھ باآوازِ بلند پڑھنے سے بر تقدیرِ تسلیم اطلاق کراہت منع [نہ] کرنا چاہئے۔

ثانیاً: یہ ہے کہ بر قولِ راجح یہ کراہت تنزیہی ہے جس کا حاصل خلافِ اولیٰ ہے جیسا کہ امام شعرانی کی عبارت "عہود المشائخ" میں سابقاً مذکور ہوا:

وقد رجح [1] النووي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى أن الكلام خلاف الأولى، فقط. [2]

یعنی، امام شعرانی نے فرمایا کہ امام نووی نے ترجیح دی اس کو کہ کلام مطلقاً ذکر ہو یا غیر ذکر، خلافِ اولیٰ ہے۔

اور یہی حاصل ہے کراہتِ تنزیہی کا۔ پھر جب کلام مطلقاً ساتھ جنازہ کے خلاف اولیٰ ہے تو کلمہ شریف کا پڑھنا ساتھ جنازہ کے مکروہِ تحریمی کس طرح ہو سکتا ہے؟ بلکہ بلحاظِ وجوہِ مذکورہ و استحسانِ مسلمین خلافِ اولیٰ بھی نہیں ہو سکتا، چہ جائے تحریم۔ اور تصریح اس کی اور بعض فقہا نے بھی کی ہے، جیسا کہ شارحِ "طریقہ" نے تتمہ سے نقل کیا ہے:

وهو يكره على معنى أنه تارك الأولى، انتهى.

[یعنی، ذکر بالجہر مکروہ ہے بایں معنی کہ وہ اولیٰ کا تارک ہے۔]

اور مؤیّد اس کا ہے وہ جو علامہ شامی نے "بحر الرائق" سے نقل کیا ہے:

ثَانِيهِمَا الْمَكْرُوهُ تَنْزِيهًا، وَمَرْجِعُهُ إِلَى مَا تَرْكُهُ أَوْلَى، وَكَثِيرًا مَا يُطْلِقُونَهُ كَمَا فِي "شَرْحِ الْمُنْيَةِ"، فَحِينَئِذٍ إِذَا ذَكَرُوا مَكْرُوهًا فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ فِي دَلِيلِهِ، فَإِنْ كَانَ نَهْيًا ظَنِّيًّا يُحْكَمُ بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ إِلَّا لِصَارِفٍ لِلنَّهْيِ عَنِ التَّحْرِيمِ إِلَى النَّدْبِ، فَإِنْ لَمْ

---

(1)۔۔: واضح ہو کہ اس کو امام نابلسی نے بھی "شرح طریقہ محمدیہ" میں نقل کر کے سکوت کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نابلسی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی کلام خلافِ اولیٰ ہے۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

(2)۔۔: عہود المشائخ

يَكُنِ الدَّلِيلُ نَهْيًا، بَلْ كَانَ مُفِيدًا لِلتَّرْكِ الْغَيْرِ الْجَازِمِ فَهِيَ تَنْزِيهِيَّةٌ. (1)

[یعنی، دوسری قسم مکروہِ تنزیہی ہے جس کا مرجع ترکِ اولیٰ ہے۔ فقہاے کرام مکروہِ تنزیہی کا اطلاق ترکِ اولیٰ پر کثرت سے کرتے ہیں جیسا کہ "شرح المنیہ" میں ہے۔ تو جب فقہا لفظِ "مکروہ" کا ذکر کریں تو اس کی دلیل میں دیکھنا ضروری ہے کہ اگر دلیل ظنی ہو تو کراہتِ تحریمی کا حکم لگایا جائے گا، ورنہ نہی کو تحریم سے ندب کی طرف پھیرا جائے گا۔ پھر اگر دلیل نہی نہ ہو، بلکہ غیر جازم ترک کے لئے مفید ہو تو نہی تنزیہی ہے۔]

اور ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی نہی ظنّی وارد نہیں، بلکہ اصلاً نہی وارد نہیں، جیسا کہ کہ سابقاً معلوم ہوا تو پھر یہ مکروہِ تنزیہی بھی نہ ہونا چاہئے، چہ جائے تحریمی۔ ہاں! بعض فقہا نے اس کراہت کو معلّل بہ مشابہت اہلِ کتاب کیا ہے اور بعض نے ببدعت۔

جنازہ کے ساتھ باآوازِ بلند ذکر کو اہلِ کتاب و بدعت کے مشابہ قرار دینا کئی وجوہ سے مخدوش ہے:

یہ دونوں وجہیں مخدوش و مفیدِ مقصود نہیں۔

وجہِ اوّل:

وجہِ اوّل اس واسطے مخدوش ہے کہ مشابہتِ مذکورہ غیر موجود؛ کیوں کہ رفعِ صوت مع الجنائز ان کے یہاں غیر معہود کما ہو معلوم و مشہود۔ اور بر تقدیرِ تسلیم اگر وہ رفعِ صوت بذکر اللہ کرتے ہیں تو امر محمود ہے اور محمود میں مشابہت مذموم نہیں تا مکروہ ہو کما فی "الدرّ"۔ اور اگر بغیر ذکر اللہ کرتے ہیں تو فرق ظاہر اور مشابہت مفقود۔

وجہِ ثانی:

اس واسطے مخدوش ہے کہ ہر بدعت کو کراہتِ تحریم لازم نہیں، بلکہ خلافِ اولیٰ ہونا بھی لازم نہیں، بلکہ بعض بدعات بتصریح علماے شریعت واجبات سے ہیں، چہ جائے

---

(1)۔۔ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاۃ، سنن الوضوء، 132/1

مندوبات۔ اسی واسطے بعض محققین نے فرمایا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ روزِ موت مشابہ ہے، ساتھ روزِ حشر کے، ظہورِ حکمِ الٰہی میں اور اُس روز کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ خَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا﴾[طٰہٰ:۱۰۸]

[اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔]

اس واسطے اُس روز کو یاد کر کے خاموش رہنا افضل ہے۔

حاصلِ کلام:

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کراہتِ تنزیہی راجح ہے، جس کا مرجع خلافِ اولیٰ ہے اور خلافِ اولیٰ منافیٔ جواز نہیں اور کراہتِ تحریمی مرجوح ہے بسبب مرجوحیّت اُس کے دلائل کے اور قولِ مرجوح قابلِ فتویٰ نہیں، جیسا کہ کتبِ فقہیہ میں مصرّح ہے۔

ثالثاً:

یہ کہ مراد کراہت رفعِ صوت عند الجنائز سے بقولِ بعض فقہا نوحہ اور دعا ہے واسطے میّت کے، بعد شروع نمازِ جنازہ کے اور یا مراد افراط فی المدح ہے، مثل عادت جاہلیّت کے؛ کیوں کہ اصل مدح وثنائے میّت مکروہ نہیں ہے تو پھر کلمہ شریف پڑھنا غیر حالتِ صلوۃ میں کیوں کر مکروہ ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ شامی نے "تاتارخانیہ" سے نقل کیا ہے:

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ أَوْ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَمَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ أَوْ الْإِفْرَاطُ فِي مَدْحِهِ كَعَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ مِمَّا هُوَ شَبِيهُ الْمُحَالِ، وَأَمَّا أَصْلُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ فَغَيْرُ مَكْرُوهٍ.[1] انتہی

[یعنی، رفعِ صوت عند الجنائز یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کے نمازِ جنازہ میں شروع ہونے کے بعد میت کے لئے نوحہ اور دعا ہو یا میت کی مدح میں ایسی شے کے ساتھ زیادتی کر دی جائے جو محال کے مشابہ ہو جیسا کہ جاہلیت کی عادت ہے؛ کیوں

(1)۔۔: ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع، 398/6

کہ اصل ثنائے میت مکروہ نہیں۔]

شبہاتِ منکرین:

اور وہ جو بعض منکرین عوام کو شبہ ڈالتے ہیں کہ راستہ میں بآوازِ بلند کلمہ طیّبہ پڑھنا بے ادبی ہے، اس وجہ وجہ سے ناجائز ہے۔ یہ شبہ کئی وجہ سے لغو ہے:

اوّلًا:

یہ کہ سابقاً حدیث شریف مع ترجمہ گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ذکر کرنے والوں کو راستوں میں تلاش کرتے پھرتے ہیں، الیٰ آخر الحدیث۔

اس حدیث سے راستہ میں جہر ذکر کرنا جائز ثابت ہوتا ہے اور یہ منکر کے قول کے معارض ہے۔

ثانیاً:

یہ کہ "کنز العباد" میں ہے:

فی "عمدة الأبرار" ذکر فی "مجموع النوازل" و"الخانیة" و"الحسامیة" و"السراجیة" و"الصغریٰ" و"الملتقط" و"التجنیس والمزید":

أن قراءة القرآن بصوت رفیع فی الحمام یکره وبصوت خفي لا یکره ولا یکره التسبیح والتهلیل وان رفع صوته. قال الجامع عصمه اللہ تعالیٰ: ومعلوم أن الحمام لا یخلو من القاذورات غالباً فإذا کان جواز التسبیح والتهلیل فی الحمام بصوت رفیع من هذه الأشیاء فلأن یجوز فی المساجد والبیوت والزوایا والخلوة فی مکان طاهر. الخ [1]

[یعنی، "عمدۃ الابرار" میں ہے کہ "مجموع النوازل"، "خانیہ"، "حسامیہ"، "سراجیہ"، "صغریٰ"، "ملتقط" اور "التجنیس والمزید" میں مذکور ہے کہ قرآن پاک کی قراءت حمام میں بلند آواز سے مکروہ ہے آہستہ آواز سے مکروہ نہیں، تسبیح و تہلیل مکروہ نہیں، اگرچہ بلند آواز سے ہو۔ یہ بات معلوم ہے کہ اکثر طور پر حمام نجاست سے خالی

(1)۔۔۔: کنز العباد:

نہیں ہوتے، جب حمام میں ان چیزوں کے ہوتے ہوئے بلند آواز سے تسبیح و تہلیل جائز ہے تو مساجد میں، گھروں میں، گوشوں میں، خلوت میں، پاک جگہ میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔]

ان دس کتبِ فتاویٰ سے صاف ظاہر ہے کہ حمام جیسی جاے میں جہاں اکثر پلیدی رہتی ہے، تسبیح اور تہلیل یعنی، "سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ" اور "لَا إِلٰہَ لَا اللّٰہ" بلند آواز سے کہنا جائز ہے تو راستہ تو حمام سے کئی درجہ اچھا ہے، یہاں تو بطریق اولیٰ «لَا إِلٰہَ لَا اللّٰہ» بآوازِ بلند کہنا جائز ہے۔

ثالثاً:

یہ کہ ہمارے فقہاے کرام وائمہ عظام امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد متّفق ہیں کہ عیدِ ضحیٰ کے روز تکبیریں بآوازِ بلند کہتا ہوا نمازی عید گاہ کو جائے۔ "در مختار" میں ہے:

وَيُكَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِي الطَّرِيقِ. الخ[1]

[یعنی، عیدِ الاضحیٰ کے روز بآوازِ بلند تکبیریں کہتا ہوا نمازی عید گاہ کو جائے۔]

اگر جہر ذکر راستہ میں بے ادبی ہوتا تو یہ ائمہ کرام اس کو کیوں جائز فرماتے؟

ذکر بالجہر پر قاعدۂ طب سے اعتراض:

اور یہ کہنا کہ اس ذکر کے سننے سے رات کے وقت آدمیوں کو وہم پیدا ہوتا ہے موت کا اور وہ ڈر جاتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہم مر نہ جائیں، جس سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں اور نیز جو اس وبا میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو اس کے سننے سے وہم پیدا ہوتا ہے اور اس سے اُس کی بیماری زور کرتی ہے، لہذا بقاعدۂ طب یہ ذکر ناجائز ہے۔

جوابات: اوّلاً

اس کا جواب اوّلا یہ کہ سابقاً آیۂ شریفہ ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ مع تفسیر کے گذر چکی ہے کہ مسلمانوں کے دل ذکرِ الٰہی سننے سے خوش

(1)۔۔:الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصلاة، باب العيدين، 113/1

ہوتے ہیں اور اُس کے ساتھ آرام اور اُنسیّت پکڑتے ہیں اور اُس سے اُن کی وحشت دور ہوتی ہے تو بھلا مسلمانوں کو اُس سے کیوں وہم پیدا ہونے لگا؟

ثانیاً:

یہ کہ احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ وبا عذاب ہے اور یہ بھی احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ ذکرِ الٰہی دافعِ، بلکہ ادفع واسطے عذاب کے ہے تو پھر اس سے بیماری مسلمانوں کو کیوں بڑھنے لگی؟ بلکہ وہ ضرور کلمہ شریف سے دفع ہوگی اور وہ بیمار جس کے کان میں اس کلمہ شریف کی آواز آئے گی وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور تندرست ہوگا۔

ثالثاً:

یہ کہ بات توجب ہوتی کہ کسی طب کی کتابِ معتبر میں کسی حکیم حاذق نے کہا ہوتا کہ کلمہ طیّبہ باآوازِ بلند اس وبا کے اسباب میں سے ہے، حالاں کہ ایسا کسی حکیم نے آج تک نہیں لکھا۔ اگر بالفرض کوئی وہمی حکیم ہمارے قرآن شریف و حدیث منیف کے خلاف یہ قاعدہ گھڑتا تو بھی ہم مسلمانوں کو اُس کی اس وہمی بات کو کب ماننا جائز ہے؟

حاصلِ بحث و تحقیق:

الحاصل یہ کلمہ شریف جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے اور اس سے احیاو اموات اور خصوصاً اُس میّت کو کہ جس کے ساتھ ہے، نفع اور فائدہ ہوتا ہے اور ایسے مفید کارآمد امر سے ایسی غفلت و سستی کے وقت عوامِ اہلِ اسلام کو روکنا جائز نہیں اور اُس کی ممنوعیّت میں کوئی وجہِ شرعی موجود نہیں اور اس کو کفر و شرک و حرامِ قطعی کہا اور اُس کے فاعلین کو گمراہ جاننا یہ تشریعِ جدید ہے۔

وصلّی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ و أصحابہ و أولیاء أمّتہ أجمعین.

ھذا ماظھر لی فی الجواب واللہ تعالیٰ أعلم بالصّواب

حرّرہ: العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الھزاروی عفا اللہ تعالی عنہ.

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا محمد عبید اللہ

حامداً لله حمداً لذاکرين الشاکرين و مصلّياً و مسلّماً علیٰ سيّدنا محمد عدد ذکر الذاکرين وعلیٰ اٰله وأصحابه الحامدين الشاکرين الذاکرين لله فی کل اٰن وحين.

مجیب لبیب بفضلہ تعالیٰ مصیب ہے؛ کیوں کہ یہ امر مسلّم الثّبوت ہے کہ ذکرِ الٰہی سے مطلقاً، سرّاً ہو یا جہراً بدون کسی مانعِ شرعی کے منع کرنا ہرگز جائز نہیں اور مانعِ شرعی اس صورتِ مسئول عنہا میں کوئی پایا نہیں جاتا، بجز اس کے کہ بعض فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح بکراہت رفعِ صوت عند الجنازہ کی ہے مگر یہ کراہت بر قولِ راجح تنزیہی ہے، تحریمی کی کوئی وجہ وجیہ معلوم نہیں ہوتی اور مرجع کراہتِ تنزیہی کا خلافِ اولیٰ ہے اور خلافِ اولیٰ منافیِ جواز نہیں۔ پھر بعد ملاحظۂ تحقیقِ محقّقین ائمۂ دین کے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کراہتِ تنزیہی بھی باعتبار زمانۂ سابق کے ہے نہ باعتبار زمانۂ لاحق کے تو پھر اس زمانہ میں خصوصاً بعد انضمام بعض وجوہِ حسنہ منقولۂ مجیب وہ خلافِ اولیٰ بھی خلافِ اولیٰ نہ رہا۔ وبقی ذکر الله تعالیٰ أعلیٰ و أولیٰ، هذا ما خطر فی البال و الله اعلم بحقيقة الحال و اليه المرجع و المآل و صلّی الله تعالی علی خير خلقه سيّدنا محمد و اٰله و أصحابه خير صحب و آل. فقط

حرّره و أملأه: العبد المفتقر الیٰ مولاه محمد عبيد الله جعل الله آخرته خيراً من أولاه

(۲)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

الجواب صحيح و صواب و المجيب مصيب و مثاب

کتبہ: الفقیر عبدالغفور عفی عنہ

(۳)

حضرت علامہ مولانا قاضی شیخ محمد مرگھی

صح الجواب واللہ أعلم بالصواب

کتبہ: خادم الشرع قاضی شیخ محمد مرگھی عفی عنہ ۱۲

(۴)

حضرت علامہ مولانا احمد الجیتیگر

الأمر کماذکر فی الجواب واللہ أعلم بالصواب

کتبہ: العبد الأحقر أحمد الجیتیگر عفا اللہ عنہ وعن والدیہ وعن مشائخہ آمین فقط

(۵)

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمنعم بن الشیخ ابراهیم باعکظہ خطیب مسجد بمبئی

الامر کماذکر

کتبہ: العبد محمد عبدالمنعم بن الشیخ إبراهیم باعکظہ عفی عنہ خطیب مسجد بمبئی

(٦)

حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد

المجیب مصیب ولہ ثواب عظیم

حرّرہ: أحقر العباد حسن بن نور محمد غفر اللہ لهما و لوالديهما و لجميع المسلمين برحمته و هو أرحم الراحمين

(۷)

حضرت علامہ مولانا سیّد یٰسین

فتویٰ ہذا بندے کی نظر سے گذرا در بارۂ جواز ذکرِ جہر کلمۂ طیّبہ پیشِ جنازہ، واقعی بہت خوب براہینِ قاطعہ و دلائلِ ساطعہ سے مرصّع ہے۔ اللہ تعالیٰ مجیب مصیب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حرّرہ: المسکین سیّد یٰسین عفی عنہ

(۸)

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم ابن عبد الکریم التواب

الجواب هو الصواب و إليه المرجع و المآب

حرّرہ: محمد إبراهيم ابن عبد الكريم التواب عفى الله تعالىٰ عنهما

(۹)

حضرت علامہ مولانا سیّد غلام حسین

مبسملاً، محمدلاً، مصلماً

جاننا چاہئے کہ جہر ذکر میں اس قدر کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں کہ قریب حدِّ تواتر کے پہنچ گئی ہیں، چناں چہ پچاس احادیث کے قریب علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ "نتیجة الفکر فی الجھر بالذکر" میں لائے ہیں۔ اسی باعث محقّقین فقہائے حنفیہ و شافعیہ اس کے جواز، بلکہ استحباب کے قائل ہوئے ہیں اور جو آیات و احادیث موہمِ عدمِ جواز تھیں، اُن کے متعدّد جوابات دے کر دونوں میں تطبیق فرمائے ہیں۔ علامہ طحطاوی "مراقی الفلاح" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

جاء في الحديث ما اقتضى طلب الجهر و هناک أحاديث اقتضت طلب الاسرار. و الجمع بينهما أن ذالک يختلف باختلاف الأحوال و الأشخاص كما

جمع بين الأحاديث الدالة على طلب الجهر بالقراءة والدالة على الاسرار، فحيث خيف الرياء أو تاذى المصلين أو النيام فالإخفاء أفضل وعليه يحمل خير الذكر الخفي والجهر أفضل حيث خلا عما ذكر، لأنه أكثر عملاً وتتعدى فائدته للسامعين ويوقظ قلب الذاكر وأما قوله تعالى ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ فالراجح فى تفسيره ان الاعتداء هو التجاوز عن المامور به والاختراع فى مالا أصل له فى الشرع وتفسيره بالجهر بالدعاء مردود. الخ

اور علامہ شامی ”ردّالمحتار“ میں فرماتے ہیں:

وَفِي "حَاشِيَةِ الْحَمَوِيِّ" عَنْ الْإِمَامِ الشَّعْرَانِيِّ: أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلَى اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا إلَّا أَنْ يُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلَى نَائِمٍ أَوْ مُصَلٍّ أَوْ قَارِئٍ، إلَخْ

ان عبارتوں سے اظہر من الشمس ہے کہ ذکرِ جہر قطعاً جائز ہے، حرام یا مکروہِ تحریمی ہر گز نہیں ہے۔ ہاں! البتہ نمازی یا قاری یا نائم کے پاس مستحب اور افضل نہیں ہے، نہ کہ حرام یا مکروہِ تحریمی؛ کیوں کہ جہر ذکر میں نسبت سرّ کے فائدہ بہت ہے۔

پس صورتِ مسئولہ میں بھی یہ ذکرِ جہر مع الجنازہ قطعاً جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ مجیب مصیب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ بہت تحقیق و محنت سے نہایت درجہ کا مدلّل جواب لکھا ہے اور اقوالِ فقہا میں نہایت عمدہ تطبیق دی ہے اور کوئی شبہ و خدشہ باقی نہیں رکھا ہے۔ فقط

کتبہ: احقر الکونین السیّد غلام حسین (فی الحال وارد بمبئی ساکن بلاول بندر) حفظ اللہ عن السوء فی الدارین

(۱۰)

حضرت علامہ مولانا نجف علی خان رام پوری

الجواب صحيح والمجيب نجيح وله أجر عظيم

فی الواقع مجیب لبیب نے غایت خوش اسلوبی اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ

جواب دیا ہے۔ ہر بین السطور میں گویا تحقیق کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ جنازے کے ہمراہ کلمہ طیّبہ پڑھنا بنظر ایصالِ ثواب اموات بے حساب ہے۔ ہاں! بعض فقہانے ذکرِ جہر میں کلام کیا ہے، مگر وہ محمول ہے کراہتِ تنزیہی پر، جیسا کہ مجیب مصیب نے تصریحاً بیان کر دیا، ضرورتِ اعادہ نہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع إلیها.

صحّحه: المفتقر إلی رحمۃ اللہ القوی نجف علی خان رامفوری صانہ اللہ عن الکی والغی

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا میر عبد الرحمن الحنفی الدہلوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً

واضح ہو کہ جس طرح ذکرِ خفی وسرّی یعنی، آہستہ جائز و مشروع ہے، اسی طرح محقّقین کے نزدیک ذکرِ جہر بھی جائز و مشروع ہے۔ "مشکوۃ شریف" میں بروایتِ "صحیح مسلم شریف" لائے ہیں:

وَعَن عبد اللہ بن الزبیر، قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِہٖ یَقُولُ بِصَوْتِہِ الْأَعْلَی: «لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلَی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیرٌ»

شیخ عبد الحق محدّثِ دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ "اشعۃ اللمعات" میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ایں حدیث صریح است در جہر بذکر کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند میخواند اما بعضی میگویند کہ بلند خواندن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم براے تعلیم اصحاب بودی و در مہذب گفتہ کہ افضل اخفا است الی قولہ و حق آنست کہ اوقات مختلف است گاہی ذوق و حضور در اخفا دست دہد و گاہی در جہر شوق

افزاید و جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔ انتہی

اور اسی شرح میں دوسرے مقام میں فرماتے ہیں:

بدانکہ جہر بذکر مطلقا و بعد نماز مشروع است۔الخ

اور "مرقاۃ شرح مشکوۃ" میں ملا علی قاری ایک مقام میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْمُظْهِرُ: هٰذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ الذِّكْرِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ، بَلْ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ إِذَا اجْتَنَبَ الرِّيَاءَ إِظْهَارًا لِلدِّينِ، وَتَعْلِيمًا لِلسَّامِعِينَ، وَإِيقَاظًا لَهُمْ مِنْ رَقْدَةِ الْغَفْلَةِ، وَإِيصَالًا لِبَرَكَةِ الذِّكْرِ إِلَى مِقْدَارِ مَا يَبْلُغُ الصَّوْتُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالشَّجَرِ وَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ، وَطَلَبًا لِاقْتِدَاءِ الْغَيْرِ بِالْخَيْرِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهُ، وَبَعْضُ الْمَشَايِخِ يَخْتَارُ إِخْفَاءَ الذِّكْرِ، لِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنَ الرِّيَاءِ وَهٰذَا مُتَعَلِّقٌ بِالنِّيَّةِ.

علامہ قاری کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جہر ذکر میں بہت فوائد ہیں (جو خفی و سرّی میں نہیں ہیں):

ازاں جملہ دین کی شوکت و دبدبہ ظاہر ہوتا ہے۔

اور ازاں جملہ غافل لوگ اُس کے سننے سے غفلت چھوڑ [کر] ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اور ازاں جملہ جہاں تک اُس ذاکر کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک اُس کی برکت پہنچتی ہے۔

اور ازاں جملہ تمام پتھر درخت وغیرہ اشیاء جن کو اُس کی آواز پہنچتی، اُس کے ذاکر ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

ہر گاہ ذکرِ جہر محقّقین کے نزدیک مطلقاً جائز و مشروع ہوا تو اس زمانہ غفلت و سستی میں ہمراہ جنازہ کے کیوں کر جائز نہ ہو گا! بلکہ جائز ہو گا:

اوّلاً: صورتِ مسئولہ اُس کے افراد میں سے ہے۔

ثانیاً: اس زمانہ کے لوگ جو اکثر غافل موت سے ہمراہ جنازہ کے طرح طرح کی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں، وہ اس ذکر شریف کے ہونے سے باتوں سے باز رہ کر ذکر شریف میں مشغول ہو جاتے ہیں، چناں چہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ثالثاً: اس سے دبدبہ و شوکتِ اسلام ظاہر ہوتی ہے، جس سے مخالفینِ اسلام کے دل ہل جاتے ہیں اور اس کی ہیبت اور دبدبہ سے وہ رُوبرُو کھڑے رہ نہیں سکتے۔ فقیر نے بارہا دیکھا ہے کہ جس وقت ہمراہی جنازہ کے کلمہ بآواز بلند پڑھتے ہوئے جاتے ہیں تو مخالفینِ اسلام اُس کی ہیبت سے مکانوں کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ بالجملہ اس ذکرِ جہر بالجنازہ کے بہت سے فوائدِ دینی ہیں، اس سے روکنا مسلمانوں کو فوائدِ کثیرہ سے محروم کرنا ہے۔ فلله در المجيب المصيب اللبيب حيث أتى بالتحقيق العجيب و حقق المرام بالفهم التام فجزاه إلا الله تعالىٰ عنّى وعن سائر أهل الإسلام بحرمة النبى عليه الصلاة و السلام و على أله الكرام و أصحابه العظام.

حرّره: العبد المستهام مير عبدالرحمن الحنفى الدهلوى صانه الله عن شرّ الحاسدين الليام

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا محمد عمر حنفی قادری دہلوی

لاريب أن الجواب صحيح و المجيب مصيب

ذکر جلی کلمه طیّبه ہمراه جنازه در راه خواندن فی زماننا جائز و خوب است چرا که شارع علیه الصلاة والسلام جائز نموده است۔ فقط

فقیر حقیر محمد عمر حنفی قادری دہلوی حال وارد بندر بمبئی بقلم خود

(۱۳)

حضرت علامہ مولانا ابو البرکات محمد عبد القادر

حَامِداًو مُصَلِّیاًوَ مُسَلِّماً

جواب صحیح ہے۔ واضح ہو کہ فقہاے کرام رحمهم الله بیانِ کراہت رفعِ صوت مع الجنازة بالذکر وغیرہ میں اگرچہ مختلف ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ کراہتِ تنزیہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تحریمی ہے، مگر جہاں تک نظر دلائلِ طرفین پر ڈالی جاتی ہے، تو

یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قول بکراہتِ تحریم بسبب ضعف و مرجوحیت اُس کے دلائل کے ضعیف و مرجوح ہے اور کراہتِ تنزیہ - جس کا مرجع خلافِ اولیٰ ہے - قوی و راجح ہے۔

اقویٰ دلائل قائل کراہتِ تحریم سے یہ ہے کہ ذکر اللہ اگرچہ فی نفسہ محمود ہے، مگر جہر بالذکر کی ممانعت بعض آیاتِ قرآنیہ اور بعض احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور جب جہر بالذکر مطلقاً شرعاً ممنوع ہوا تو پھر مع الجنازہ - کہ وقت صمت و سکوت وخشیت و تفکر موت ہے - بطریقِ اولیٰ ممنوع ہونا چاہئے اور یہ ممنوعیت بطریقِ حرمت ہونا چاہئے مگر چوں کہ دلیلِ حرمت میں بعض شبہات عارض ہو گئے، اس واسطے کراہتِ تحریمی کا اطلاق کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کلیتِ کبریٰ دلیل غیر مسلَّم، اس واسطے کہ محققین ائمہ دین نے ذکرِ جہر کو مطلقاً بدون عروضِ عوارضِ خارجیہ کے مثل ذکرِ سرّ کے ہر وقت مشروع ومندوب لکھا ہے اور مانعین ذکرِ جہر کے جملہ دلائل کے جواب دے کر تضعیف و تردید کر دی ہے۔

چناں چہ مولانا خیر الدین رملی استاد صاحبِ درِّ مختار اپنے " فتاویٰ " میں لکھتے ہیں:

وحلق الذكر والجهر به وإنشاد القصائد قد جاء في الحديث ما اقتضى طلبه نحو:

وإن ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منه، رواه البخارى ومسلم والترمذى والنسائى وابن ماجه واحمد باسناد صحيح.

والذكر في الملاء لا يكون الا عن جهر وكذا حلق الذكر وطواف الملائكة بها وماورد فيها من الأحاديث وهناك أحاديث اقتضت طلب الأسرار.

والجمع بينها بأن ذالک يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال كما جمع بين الأحاديث الطالبة للجهر والطالبة للاسرار بقراة القرأن ولا يعارض ذالک حديث «خير الذكر الخفى»، لأنه حيث خيف الرياء أو تاذى المصلّين والنيام.

وذكر بعض أهل العلم أن الجهر أفضل حيث خلا مما ذكر، لأنه أكثر عملاً لتعدّى فائدته إلى السامعين ويوقظ قلب الذاكرين وقوله تعالٰى:﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ﴾.

أجيب عنها بأنها مكية كآية الاسرار بالقراة بقوله:﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ نزلت لئلاّ يسمعه المشركون فيسبّون القرآن ومن أنزله وقد زال.

پھر اس کے بعد لکھا ہے:

وتفسير الاعتداء بالجهر في قوله تعالیٰ:﴿ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ مردود بان الرّاجح في تفسيره التجاوز عن المامور به. الخ

اس تقریر علاّمہ رملی سے صاف ظاہر ہے کہ ذکر بالجہر اور ذکر بالسِّر دونوں جائز ہیں اور بہ نسبت بعض اوقات اور بعض اشخاص کے جہر افضل ہے اور بعض کے اسرار افضل ہے اور استدلالاتِ مذکورہ مانعین مرجوح وضعیف ومردود۔

" اشعۃ اللمعات "میں شاہ عبد الحق محدّثِ دہلوی رحمہ اللہ شرح اس حدیث میں «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ» الخ میں لکھتے ہیں:

ایں حدیث صریح است در جہر بذکر کہ آں حضرت صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم بآواز بلند میخواند اما بعض میگویند کہ بلند خواندن آں حضرت صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم برای تعلیم اصحاب بود و در مہذب گفتہ افضل اخفا است الی قولہ حق آنست کہ اوقات مختلف است گاہے ذوق وحضور در اخفا است دہد وگاہے در جہر شوق فزاید وجہر بذکر مشروع است بلا شبہ۔انتہیٰ(اشعۃ اللمعات 1/419)

اور دوسرے مقام پر اسی "اشعۃ اللمعات "میں لکھتے ہیں:

بدانکہ جہر بذکر مطلقاً وبعد از نماز مشروع است۔

اور رسالہ "توصیل المرید إلی المراد" میں تحریر فرماتے ہیں:

جہر واعلان بذکر ودعا وتلاوت واجتماع برای آن در مجالس ومساجد جائز ومشروع است دلیل ذکر حدیث «من ذکرنی»۔ الخ

پھر بعد تقریر طویل کے فرماتے ہیں:

پس ناچار است از ذکر دلائل عام که دلالت کنند بر جواز در عامه محال ودلالت کنند بر جواز اجتماع برای ذکر ودعاء بانفرادهما۔ انتہیٰ

اس کے بعد دلائل عمومِ جوازِ ذکرِ جہر وجوازِ اجتماع کو واسطے اُس کے بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، بخوف تطویل تمام عبارت کو نقل نہیں کیا اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ "مرقاۃ" میں شرح میں اس حدیث کے «کَانَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوَتْرِ، قَالَ: "سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوسِ" ثَلَاثًا، وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالثَّالِثَةِ»

"مُظْہِر" سے نقل کرتے ہیں:

هَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ الذِّكْرِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ، بَلْ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ إِذَا اجْتَنَبَ الرِّيَاءَ إِظْهَارًا لِلدِّينِ، وَتَعْلِيمًا لِلسَّامِعِينَ، وَإِيقَاظًا لَهُمْ مِنْ رَقْدَةِ الْغَفْلَةِ، وَإِيصَالًا لِبَرَكَةِ الذِّكْرِ إِلَى مِقْدَارِ مَا يَبْلُغُ الصَّوْتُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالشَّجَرِ وَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ، وَطَلَبًا لِاقْتِدَاءِ الْغَيْرِ بِالْخَيْرِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ...وَبَعْضُ الْمَشَايِخِ يَخْتَارُونَ إِخْفَاءَ الذِّكْرِ، لِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنَ الرِّيَاءِ وَهَذَا مُتَعَلِّقٌ بِالنِّيَّةِ. انتهى

اس کو نقل کر کے ملا علی قاری نے سکوت اختیار کیا ہے۔ باوجودیکہ عادت ان کی اپنی تالیفات میں تردیدِ قولِ مخالف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مجوّزین سے ہیں۔

مولانا بحر العلوم رحمہ اللہ "ارکان اربعہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

والحق أن الجهر بالتكبير وسائر الأذكار مشروع ومندوب إليه قطعاً كالإخفا به، لكن الكلام فی أنه هل لهذا الوقت بخصوصه شرع التكبير أم لا، وهذا يصلح للخلاف سواء كان بالجهر والإخفا؟

فالحق مايفيد "البحر الرائق" "أن ليس عنده فی وقت الذهاب ذكر

مخصوص به من التكبير وعندهما فيه ذكر مخصوص به. أما نفس التكبير فذكر الله تعالیٰ مشروع ومندوب في كل وقت جهراً واخفاءً. قال الفقيه أبو جعفر لا يمنع من التكبير في هذا اليوم للعامة، لأن فيهم تهاوناً عن الذكر فليذكروا إن شاؤا وهذا أيضاً يرشدك أن لا كراهة في الذكر بالجهر وإلا لما حكم بعدم المنع ، لأن التهاون عن المكروه ضروری، فافهم. انتهیٰ

ان عبارات اکابر علماء حنفیہ، حاملانِ شریعتِ محمدیہ، ماہرانِ علوم شرعیہ سے ظاہر ہے کہ ذکر جہر بدون عروضِ عوارضِ مانعہ مثل اخفا کے ہر وقت جائز و مشروع و مندوب ہے اور بعض فوائد جیسے اخفا میں ہیں، جہر میں نہیں۔ ایسے ہی بعض فوائد جہر میں ہیں اخفا میں نہیں۔ ہاں! بہ نسبت بعض اوقات اور بعض اشخاص کے کبھی ذکر جہر افضل ہوتا ہے اور کبھی ذکرِ اخفا افضل ہوتا ہے، تو پھر ذکر مع الجنازۃ جو ایک فرد ہے، مطلق ذکرِ جہر کا، کس طرح بوجہ جہر ہونے کے، حرام یا مکروہ تحریمی ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ فردِ مندوب، مندوب ہونا چاہئے۔ پھر اگر مندوب نہیں تو جائز ہونے میں کچھ کلام نہیں اور امر جائز، بدون عروضِ عارض، ہر گز مکروہ تحریمی نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں! مکروہ تنزیہی بمعنیٰ خلافِ اولیٰ ہو سکتا ہے اور حالتِ جنازہ چوں کہ مقتضی سکوت تفکرِ موت تھی، اس واسطے بعض فقہا نے کہا: رفعِ صوت اگرچہ بالذکر ہو مکروہ ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے، مگر اس زمانہ میں۔ چوں کہ اکثر لوگ ساتھ جنازہ کے مشغول بلہو ولعب واحادیثِ دنیا [ہو] جاتے ہیں۔ بعض محققین علماء نے ذکرِ جہر کو ساتھ اُس کے اولیٰ جانا اور منع اُس سے مناسب نہ سمجھا، بلکہ مانعین کے حق میں فرمایا: قاصر ہیں فہمِ شریعت سے۔

اگر ذکرِ جہر مکروہ تحریمی ہوتا تو ہر گز کوئی عالم رخصت نہ دیتا۔ چنانچہ بحر العلوم رحمہ اللہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ رخصت واجازت دینا عوام کو ذکر بالجہر یعنی تکبیر کی دلیل ہے اس بات کی کہ مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ کیوں کہ منع کرنا اور تہاون، مکروہِ تحریمی سے امر ضروری ہے۔

اب رہا حال اُن بعض دلائل جزئیہ کا، جو در باب کراہتِ تحریمی کتابوں میں ہیں۔ سو آیہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ کے ساتھ استدلال خود علاّمہ خیر

الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ سے اوپر منقول ہوا کہ مردود ہے اور راجح اس کی تفسیر میں جیسا کہ سیوطی کی "نتیجۃ الفکر" سے اور علاّمہ رملی کے قول سے ظاہر ہوتا ہی یہ ہے کہ مراد "اعتداء" سے تجاوز کرنا دعا میں ماموربہ ہے اور اختراع کرنا ایسی دعا کا جس کی کچھ شرع میں اصل نہ ہو جیسا کہ دلالت کرتی ہے اس پر روایتِ ابنِ ابی شیبہ و عبد ابن حمید وابوداؤد وابنِ ماجہ وابنِ حبان وحاکم وبیہقی کی عبد اللہ بن مغفّل سے:

أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَهُ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ عَيْنِ[1] الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلْتُهَا. فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ سَلِ اللهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الدُّعَاءِ وَالطَّهُورِ». انتھیٰ

اس کے سوا اور بعض روایات اُس کی مؤید ہیں بخوفِ طوالت اسی پر اکتفاء کی گئی۔ پھر باوجود اس کے اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ معتدین سے مراد مجاہرین (بلند آواز سے ذکر کرنے والے) ہیں تو اس سے جہر بالدعا کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اور دُعا اگرچہ ذکر ہے مگر ہر ذکر دُعا نہیں اور واسطے دعا کے بعض خصوصیّات ہیں جو دوسرے ذکر میں نہیں، تو پھر جہر بالدعا کی ممانعت سے ذکرِ بالجہر مطلقاً کیوں کر ممنوع ہو جائے گا؟

علاوہ بریں ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ سے جو استدلال بطریق مفہومِ مخالف ہے اور مفہومِ مخالف حنفیہ کے یہاں حجت نہیں۔ کما ھو مصرّح فی کتب الاصول۔

اور آیت ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ سے جو استدلال اوپر کراہتِ ذکرِ جہر پے کیا گیا ہے اُس کا ایک جواب تو علامہ رملی رحمہ اللہ سے گزرا کہ یہ حکم بسبب عذر کے تھا کہ کافر قرآن سن کر قرآن اور منزّلِ قرآن کو برا کہتے تھے اور

---

(1)۔۔: معروف متداول کتبِ احادیث میں یہاں «يَمِيْنَ الْجَنَّةِ» کے الفاظ ہیں، «عَيْنِ الْجَنَّةِ» کے الفاظ ہمیں نہیں مل سکے۔ مرتبین

اب وہ عذر زائل گیا اور یہ حکم باقی نہ رہا۔

دوسرا جواب بحر العلوم رحمہ اللہ نے دیا ہے اور فرمایا:

استدلالِ مانعین اس آیت شریفہ کے ساتھ فاسد ہے۔

چنانچہ "ارکان اربعہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

والإستدلال بقوله تعالیٰ ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ فإنه يدل على منع الجهر بالذكر فلا يعارضه فعل الصحابي؛ لأن الآية قاطعة فاسد؛ لأن الجهر بالذكر مندوب البتة قطعاً كما يدل عليه حديث «من ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ومن ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منهم» والأحاديث في هٰذا المعنى كثيرة لا بعد في أن يكون متواترة المعنى وفي الأية يجوز أن يكون "دون بمعنى عند" والمعنى: أذكر في نفسك بالتضرع والخوف عند الجهر بالقول، والمقصود أنه يجهر مواطاة القلب اللسان في الجهر لا أن يجهر مع ذهول القلب. وللآية تاويلات أخر مذكورة في مواضعها. انتهىٰ

یہ حال تو اقویٰ دلائلِ مانعین کا ہے۔ باقی دوسرے دلائل تو "اَوهَنُ مِن نَسجِ العَنكَبُوت" ہیں۔

ازاں جملہ قولہ تعالیٰ: ﴿إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾

اوّلاً: یہ دَربابِ دُعا ہے اور سابقاً مذکور ہوا کہ دعا کو ایک خصوصیت ہے اخفا کے ساتھ کہ دعاے خفی اقرب إلیٰ الإجابة ہے، تو پھر اس سے استدلال مطلق ذکر جہر کی ممانعت پر صحیح نہیں۔

ثانیاً: اس سے استحباب وافضلیت اخفا کی ثابت ہوتی ہے نہ وجوب اور ترکِ مستحب کسی کے نزدیک مکروہ تحریمی نہیں۔

اور ازاں جملہ حدیث «فَيَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، الحديث» ہے۔ یہ [حدیث] درباب جہرِ مفرط ہے نہ مطلق جہر جیسا کہ لفظ «ارْبَعُوا» اس پر دال ہے۔

شاہ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

یہ منع جہر سے واسطے تیسیر وارفاق کے ہے نہ اس واسطے کہ جہر غیر مشروع ہے۔

اور رسالہ "توصیل المرید الیٰ المراد" میں لکھتے ہیں:

چه سیاق حدیث دلالت دارد بر آن که منع ازان نه از جهت عدم شرعیت است بلکه از جهت طلب تانی وراحت وکفایت اسرار در مقصود وجهر آن حضرت صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم باذکار وادعیّه دربسیاری از مواضع ثابت شده وعمل سلف بدان بثبوت پیوسته ودر صحیح بخاری ست که چون مهاجرین وانصار در بامداد سردحفر خندق میمنو دند وتعب جوع میکشیدند پیغمبر خدا صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم بمشاهده این حال بقصد تسلیه وتسکین ایشان میفرمودند: **اللهم لاعيش إلا عيش الآخرة فاغفر الأنصار والمهاجره** وایشان درجواب میفرموند: **نحن الذين بايعوا محمداً مابقينا ابداً**۔انتهیٰ

ازان جملہ نفس کا شدید المیل ہونا طرف ریا وسُمعہ کے ... الخ

یہ حجتِ عقلی بھی مفید اولویتِ اخفا دعا ہے نہ وجوب اور نہ اولویت اخفا مطلق ذکر -کمالایخفی-۔

ازاں جملہ فرمانا حضرت ابنِ مسعود کا جنازہ کے ساتھ ہنسنے والے کو "لا کلمتک ابداً" ہے۔

اوّلاً: یہ کلام بمقابلہ ضحک ہے، جو داخل لہو ولعب ہے اور بحث ذکر بالجہر میں ہے اس کو مانحن فیہ سے کیا تعلق۔ ضحک جنازہ کے ساتھ اگر مکروہ تحریمی ہو تو ذکر اللہ بھی مکروہ تحریمی ہو جائے گا -وھو کماتری-۔

ثانیاً: بفرضِ محال اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ کلام دال ہے اُس پر کراہتِ تحریمی ذکرِ جہر کے مطلقاً تو بھی صلاحیت معارضہ احادیث متواتر المعنی کی نہیں رکھتا۔

ازاں جملہ روایتِ بیہقی ہے:

«کان أصحاب رسول الله صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم یکرھون رفع الصوت

عند ثلاث: عند القتال و عند الجنازہ و عند الذکر»

اس روایت میں تنصیص اوپر کراہتِ تحریمی ذکر کے نہیں ہے، احتمال ہے کہ کراہتِ تنزیہی ہو اور یہی احتمال راجح ہے؛ کیوں کہ بتحقیق اکابر علماے حنفیہ سابقاً معلوم ہوا کہ جہر بالذکر اور اخفا بالذکر ہر دو برابر مشروع و مندوب ہیں۔

اور احادیث دَرباب ذکرِ جہر متواتر المعنیٰ ہیں۔ ہاں! بعض اوقات بعض اشخاص کی نسبت یہ اولیٰ اور بعض اوقات بہ نسبت زمانہ صحابہ کے بہ ہمراہی جنازہ سکوت اولیٰ تھا۔ کمامرّ سابقاً۔ اس واسطے رفعِ صوت مطلقاً مکروہ یعنی خلاف اولیٰ جانتے تھے اور یہ موافق ہے روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی۔ وہ یہ ہے:

أنهم يستحبون خفض الصوت عند الجنازة.

اور تطبيق بين الروايتين عند المعارضة أولىٰ من ترك أحدهما.

هٰذا ما كان عندي في هٰذا الباب

والله أعلم بالصواب

حرَّرَہ: الرَّاجی رحمة ربِّ البَرِیَّات محمد عبد القادر ابو البرکات، بدل اللہ سیاتہ حسنات و حفظہ عن الشرور والاٰفات

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا سیّد مرتضیٰ میاں ترمذی منگلوری

امام مسجد مولوی عبد الحلیم عفی عنہ

ما كتب في هذا الكتاب من عبارة الكتب فهو صحيح لا شك فيه

کتبہ: سید مرتضی میاں بن مولوی سید سلطان میاں ترمذی المنگلوری

امام مسجد مولوی عبد الحلیم عفی عنہ

(۱۵)

حضرت علامہ مولانا شرف الدین

الجواب صحيح والمنكر فضيح

حرّرہ: شرف الدین عفی عنہ وعن والدیہ واستاذیہ

(۱۶)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرزاق نقشبندی

حَامِداً وَ مُصَلِّیاً وَ مُسَلِّماً

واضح ہو کہ ذکر بالجہر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا میّت کے آگے برعایتِ حال اس زمانہ کے ناجائز نہیں ہے۔ ہاں! کراہت رفعِ صوت عندَ الجنازہ جو براویتِ بیہقی ثابت ہے وہ کراہتِ تحریمی نہیں، بلکہ تنزیہی ہے اور ہر چند ارتکاب مکروہ تنزیہی کا ترکِ اولیٰ ہے، لیکن بعض مشائخ نے مثل امام شعرانی وغیرہ کے برعایتِ تغیرِ احوالِ زمانہ ایسے ذکر کو عدمِ ذکر و کلامِ دنیوی وغیرہ پر ترجیح دی ہے۔

بقلم: نیاز مند درگاہِ صمدی محمد عبد الرزاق نقشبندی عفی عنہ۔

(۱۷)

حضرت مولانا محمد اسماعیل حنفی قادری نقشبندی شاذلی

الحمدللہ و کفٰی و سلام علی عبادہ اللذین اصطفیٰ

تحقیق انیق، مجیب شفیق حق حقیق است ،اللہ جل شانہ وعمٔ نوالہ ایشا نرا جزای خیر عطا فرماید حالاً ومألاً۔

بیشک درین زمانہ پر فتن اظہارحق کردن وبرمصلحت زمانہ نظر نمودن وامورات حسنہ وخیر را رواج دادن کار ہمچو مولف علام ست۔ **شکر اللہ سعیہم ورفع فی العالم الأسنی معالمہم.**

حاصل المرام آنکہ مدار بنای مسلمانی برین کلمہ شریف است وارسال رسل وانزال کتب وبعثت انبیا علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام برای ہمین کلمہ حمیدہ وخواندہ کلمہ طیبہ بالجہر مع الجنازۃ قاری وسامع را مفید بودن شرعاً ثابت است وبعض از کبریٰ علمائے کرام ومحققین عظام قایل سنیتش ہم شدہ اند

وسعی بلیغ جناب مفتی مجیب درین باب بمالا مزید علیه است ولله الحمد والمنه وبنعمته تتم الصالحات درینجا نقل عبارت تفسیر روح البیان که مولفش جامع ظاهر وباطن وعالم باعمل، حنفی مذهب،صوفی مشرب ،کامل ومکمل مستند مفید مدعا است وهو هٰذا:

وقد ذكر الخرائطی فی "کتاب الشبور "قال: سنة فی الأنصار اذا حملوا المیت أن یقروا معه سورة البقرة. یقول الفقیر: فیه دلیل علی سنیة الذکر عند حمل الجنازة ؛لأن الذکر من القرأن ولذا کان علی الذاکر أن ینوی التلاوة والذکر معاً حتیٰ یثاب بثواب التلاوة فحیث سن القرأن سن الذکر الماخوذ منه. انتهیٰ (ص39ج6) تحت آیت﴿وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾

کتبه: العبدالرَّاجی الکرم والعنایات والشفاعات من الحضرت المحمدیه محمداسماعیل الحنفی القادری النقشبندی الشاذلی، کان اللّٰه له وتولاه ویقر عینیه بمشاهدة مولاه

❁❁❁❁❁❁

تحریر علمائے کرام بدایوں

مع مہر مطہّر

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، مجمع المکارم والمفاخر، مرجع الاکابر والاصاغر، بحر ذاخر، سحاب ماطر، امام الباطن والظاہر

جناب مولانا مولوی شاہ محمد عبد القادر

عَمَّت بَرَ کَاتُهُم عَلٰی کُلِّ غَائِبٍ وَّ حَاضِرٍ

(۱۸)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد المقتدر مطیع الرسول عفی عنہ

از مدرسہ قادریہ بدایون

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

نحمده و نصلىِّ علىٰ رسوله الكريم

و نسئل التوفيق و العصمة من الله فلا حول و لا قوة إلا به و هو العلى العظيم

فی الواقع جواز ذکرِ جہر تہلیل و تسبیح کا بغرض صحیح بغیر عروض و لزوم کسی امر ممنوع و مذموم کے ازروئے تحقیق محققین کے تطبیق آیات و احادیث و آثار و اقوالِ فقہا سے بخوبی ثابت ہے اور روایاتِ ممانعت کو محققین نے مقید کر دیا ہے ساتھ خلافِ مصلحت یا لزوم مضرت کے۔ کما حقّقه شاه ولی الله الدهلوی فی "القول الجميل" و العلی القاری فی "المرقاة" و غيرهما فی غيرهما۔

اور عید الفطر میں جو راہِ عید گاہ میں تکبیر جہر کا اختلاف ہے اور اسی طرح تکبیر تشریق کے عددِ ایام میں جو اختلاف ہے، وہ بھی محققین کے نزدیک اس کے مسنون و افضل ہونے میں ہے، اس سے حرمت و ممانعت جہر مذکور کا مطلقاً محقق ہونا عند المحققین ثابت نہیں۔

قال فی "غنية المستملی" فی بحث الإختلاف فی جهر تكبير طريق المصلی يوم الفطر و الذی ينبغی أن يكون الخلاف فی استحباب الجهر و عدمه لا فی الكراهة و عدمها، فعندهما يستحب الجهر و عنده الإخفاء أفضل، و ذلك لان الجهر قد نقل عن كثير من السلف كابن عمر و علی و أبی أمامة و النخعی و ابن جبير و عمر بن عبد العزيز و ابن أبی ليلىٰ و أبان بن عثمان و حماد و مالك و أحمد و أبی ثور و مثله عن الشافعی ذكره ابن المنذر فی الأشراق قال الفقيه أبو جعفر و الذی عندی أنه لا ينبغی أن يمنع العامة عن ذلك لقلة رغبتهم فی الخيرات و به ناخذ. الخ

قال فی "الحموی حاشية الأشباه": و الاختلاف فی عدد تكبير التشريق لا يدل علىٰ أن الجهر بدعة لأن الخلاف بناءً علىٰ كونه سنةً زائدةً علىٰ أصل الفعل.

و فی "تفسير الثعالبی": لا يحب المعتدين أی الجهر بالدعا من الاعتداء فيدل علىٰ كراهة.

وفی أجوبة الإمام الزاهد الخوارزمی أنه بدعة لانجیز ولانمنع .ثم قال جوزه یحب الذاکرین اللّٰہ تعالیٰ کثیراً وفیه ذکر الشیخ عبدالوهاب الشعرانی فی کتابه المسمی ببیان ذکر الذاکر المذکور و شاکر المشکور ما نصه:وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر اللّٰہ تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر إلا أن یشوش جهرهم بالذکر علیٰ نائم أو مصلی أو قاری کما هو مقرر فی کتب الفقه. انتهیٰ

اور استدلال کراہت ذکر جہر عید الفطر پر جو بعض علمائے کرام کے اقوال ہیں، آیۃ کریمہ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ الآیۃ وغیرہا سے واقع ہوا ہے۔ محققین نے اُس کے جوابات مفصّلہ فی مواقعہا تحریر فرمادئے ہیں۔

منها ماأفاد ملک العلماء بحر العلوم فی "الأرکان الاربعة":

والإستدلال بقوله تعالیٰ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ فإنه یدل علی منع الجهر بالذکر فلا یعارضه فعل الصحابی؛ لأن الآیة قاطعة فاسد، لأن الجهر بالذکر مندوب البتة قطعاً کمایدل علیه حدیث «من ذکر نی فی نفسه ذکرته فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم» والأحادیث فی هٰذا المعنی کثیرة لابعد فی أن یکون متواترة المعنی وفی الأیة یجوز أن یکون "دون بمعنی عند" والمعنیٰ: أذکر فی نفسک بالتضرع والخوف عند الجهر بالقول، والمقصود أنه یجهر مواطاة القلب اللسان فی الجهر لا أن یجهر مع ذهول القلب. وللآیة تاویلات أخر مذکورة فی مواضعها. انتهیٰ.

قال فی "فتح القدیر": أن الخلاف إنما هو فی الجهر بالتکبیر وأمانفس التکبیر فمندوب إلیه قطعاً فی کل وقت هذا والحق أن الجهر بالتکبیر وسائر الأذکار مشروع ومندوب إلیه قطعاً کالإخفاء وأمانفس التکبیر فذکر اللّٰہ مشروع ومندوب فی کل وقت جهراً أو إخفاء فیه. قال الفقیه أبو جعفر: لایمنع من

التکبیر فی هذا الیوم للعامة، لأن فیهم تهاوناً عن الذکر فلیذکروا ان شاؤا وهذا أیضاً یرشدک إلیٰ أن لا کراهة فی الذکر بالجهر وإلا لما حکم بعدم المنع لأن التهاون عن المکروه ضروری. انتهیٰ. وفی هذا غنی عن سرد العبارات الآخر.

اور تہلیل و تسبیح وکلمہ طیبہ کا واسطے میت کے نافع و مفید و موجب نجات و برکات ہونا تو احادیث و آثار سے اس طرح ثابت ہے کہ محتاجِ استدلال نہیں۔

بالجملہ اس امر مروج مسلمین صالحین کو جو جامع خیر ومانع شر ہے جس کا سوال میں ذکر ہے اور علاّمہ مجیب نے بحوالہ امام ہمام نابلسی وغیرہ کی بکمالِ تحقیق اُس کو ثابت کیا ہے، حرام اجماعی ٹھہرانا اور فاعلین و مجوزین کو گمراہ بتانا محض فساد و عناد ہے۔

واللہ یهدی إلیٰ الرشاد ومنه الهدایه وعلیه التکلان والاعتماد ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم۔

کتبہ: محمد عبد المقتدر مطیع الرسول عفی عنہ از مدرسہ قادریہ بدایوں

(۱۹)

تاج الفحول حضرت علامہ مولانا عبد القادر حنفی قادری بدایونی

المجیب مصیب.

حررہ: الفقیر عبد القادر القادری عفی عنہ

(۲۰)

حضرت علامہ مولانا محمد فضل المجید فاروقی بدایونی

هذا هو القول الفصل علیه یعتمد و یعول.

محمد فضل المجید فاروقی بدایونی عفی عنہ

(۲۱)

حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد صدیقی بدایونی

در المجیب المصیب الیٰ بتحقیق عجیب.

محمد فضل احمد الصدیقی البدایونی

(۲۲)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد القیوم قادری بدایونی

بهذایو خذو به یفتی فإنه الحق التحقیق الذی بالاتباع أحری

کتبہ: محمد عبد القیوم القادری البدایونی عفی عنہ

(۲۳)

تحریر منیر، فاضل کبیر، کامل نحریر، امام العلماء المحقّقین، مقدام الفضلاء المدقّقین، عالم عظیم الشان جناب مولانا مولوی محمد احمد رضاخان صاحب بریلوی

دام فیضهم الصوری والمعنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللهم لک الحمد

فی الواقع لوگوں کو ذکرِ مذکور سے منع نہ کیا جائے گا۔ مسئلہ جہر مختلف فیہا ہے اور اطلاقات قرآن عظیم وارشادات احادیث کثیرہ مثل حدیث قدسی:

«وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ».

رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة عن أبی هریرة وأحمد عن أنس بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر والبزار فی المسند باسناد جید والبیهقی فی الشعب کلهم عن ابن عباس والطبرانی فیه بسند حسن عن معاذ بن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم ولفظ هٰذا:

«لایذکرنی فی ملاءالاذکرته فی الرفیق الاعلیٰ».

وحدیث: «إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا» قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الْجِنِّ؟ قَالَ: «حلق الذکر».

أخرجه أحمد والترمذی وحسنه والبیهقی فی الشعب عن أنس وابن شاهین فی الترغیب فی الذکر عنه وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنهما

وحدیث: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ سَرَايَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ تَحِلُّ وَتَقِفُ عَلَى مَجَالِسِ الذِّكْرِ فِي الْأَرْضِ فَارْتَعُوا فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ»، قَالُوا: وَأَيْنَ رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: «مَجَالِسُ الذِّكْرِ»، الحدیث.

رواه ابن أبی دنیا وأبو یعلیٰ والبزار والطبرانی فی الأوسط والحکیم والحاکم والبیهقی فی الشعب وابن شاهین وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما صحح الحاکم سنده وهو حدیث حسن.

وحدیث: «لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَتَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ، فِيمَنْ عِنْدَهُ».

أخرجه أحمد ومسلم والترمذی وابن ماجة وابن حبان وأبو نعیم فی الحلیة کلهم عن أبی هریرة وعن أبی سعید الخدری جمیعاً رضی اللہ تعالیٰ عنهما.

وحدیث: «أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللَّهِ حَتَّى يَقُولُوا: مَجْنُونٌ».

رواه أحمد وأبویعلیٰ وابن حبان والحاکم والبیهقی فی الشعب عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ بسند صحیح.

وحدیث: «أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ حَتَّى يَقُولَ الْمُنَافِقُونَ: إِنَّكُمْ مُرَاءُونَ»

أخرجه سعید بن منصور فی سننه وأحمد فی کتاب الزهد الکبیر والبیهقی فی الشعب عن أبی الجوزاء أوس بن عبد اللہ الربعی مرسلاً ووصله الطبرانی فی الکبیر وابن شاهین فی ترغیب الذکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما بلفظ:

«اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ إِنَّكُمْ تُرَاءُونَ».

وحديث: «غَنِيمَةُ مَجَالِسِ أهل الذِّكْرِ الْجَنَّةُ».

رواه أحمد والطبراني في الكبير عن عبدالله بن عمرو ابن العاص رضي الله تعالىٰ عنهما بسند حسن.

وحديث: يَقُولُ الرَّبُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: سَيَعْلَمُ أَهْلُ الْجَمْعِ مَنْ أَهْلُ الْكَرَمِ، قِيلَ: وَمَنْ أَهْلُ الْكَرَمِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «أَهْلُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ فِي الْمَسَاجِدِ».

أخرجه أحمد وأبو يعلىٰ وسعيد وابن حبان وابن شاهين والبيهقي عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه.

وحديث: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: «مَا أَجْلَسَكُمْ ههنا؟» قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ تَعَالَى، قَالَ: «أَتَانِي جَبْرَئِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللهَ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ».

رواه مسلم والترمذي والنسائي عن معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنهما هذا مختصر.

وحديث: «يرحم الله ابن رواحة انه يحب المجالس التي يتباهى بها الملائكة».

أخرجه أحمد بسند حسن عن أنس ابن مالک رضي الله تعالىٰ عنه.

وفي الحديث: «قصة فيها التداعي إلى مجالس الذكر واستحسان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذالک».

وحديث: «عن يمين الرحمن وكلتا يديه يمين رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغشى بياض وجوهم نظر الناظرين يغبطهم النبيون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله عزوجل قيل: يارسول الله! من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل يجتمعون على ذكر الله تعالىٰ فينتقون أطائب الكلام كما ينتقى أكل التمر أطائبه».

رواه الطبراني في الكبير بسند لا بأس به عن عمرو بن عبسه ونحوه بسند حسن عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنهما.

وحديث:«كل مجلس يذكر اسم الله فيه تحف به الملائكة حتى إن الملائكةيقولون:زيدوازادكم اللهوالذكريصعدبينهم وهم ناشروأجنحتهم».

أخرجه أبو الشيخ عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه.

وحديث: «مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا يَذْكُرُونَ اللهَ، لَا يُرِيدُونَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَهُ، إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قُومُوا مَغْفُورًا لَكُمْ، قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ».

رواه أحمد بسند حسن وأبو يعلىٰ وسعيد بن منصور والطبرانى فى الأوسط والبزار وابن شاهين والضياء فى المختارة عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه والحسن ابن سفيان والطبرانى فى الكبير والبيهقى فى الشعب عن سهل بن الحنظليته والعسكرى و أبو موسىٰ كلاهما فى الصحابة عن حنظلة العبشمى والبيهقى فى الشعب عن عبدالله بن مغفل رضى الله تعالىٰ عنهم.

وحديث طويل: «مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ سيارة فَضْل».

أخرجه الشيخان وغيرهما عن أبى هريره والبزار عن أنس والطبرانى فى الصغير عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين وغيره ذالك.

جانب جواز وندب ہونے کے علاوہ حق یہی ہے کہ نفس ذکر خدا اور سول جلّ جلالہ وصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فی حد ذاتہ اصلاً متعلق نہی وقبح نہیں۔ نہ وہ ہر گز غیر معقول المعنیٰ، بلکہ ذکر اہم واعظم مقاصد شرع مطہر سے ہے، بلکہ اپنے معنیٰ اعم پر وہی اہم واعظم مقاصد، بلکہ حقیقۃً وہی مراد ومقصود ومرجع ومآل جملہ مقاصد ہے۔ نہی عارض بوجہ عارض راجع بعارض ہوگی، نہ عائد بذکر جیسے محل ریاوسمعہ میں ذکر جہر یا بقید عارض تاعروض عارض مختص بافراد مختصہ بعارض جیسے کنیف وغیرہ موضع نجاسات میں ذکر لسان یا ہنگام اغارت علی المشرکین یا قصد اختفاعن المعاندین ذکر بالاعلان۔ کما بیّن طرفامنه المحقق العلامة خير الملة والدين الرملى فى فتاواه الخيريه لنفع البريه.

أقول:ولا يذهبن عنك أنا لا نقول بالمفهوم فالتمسك بمثل قوله عزوجل: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ لااراه يتم على أصولنا. وأما قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: «خير الذكر الخفى» فالخير لا ينفى الغير، بل هو فى الجواز

کما ترى. وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: «أيها الناس اربعوا علىٰ انفسكم» فى واقعة عين وقد حمل علىٰ بعض ماذكرنا كما بينهم فى الوجيز وغيره وبالجملة فالمسالة ذات شجون تستاهل أن تصير سفر أمجلداً.

پھر جہاں عوارض ظاہرہ نہ ہوں، مجرد عوارض خفیہ قلبیہ کی بنا پر مادہ خاصہ میں حکم لگادینا، اساءت ظن المسلمین ہے، جس کی طرف سبیل نہیں۔ قال تعالیٰ:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾

وقال صلى الله عليه وسلم:

«أفلا شققت عن قلبه»

وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:

«إياكم والظن فان الظن أكذب الحديث»

عجب کہ کراہت مختلف فیہا پر احتساب اور حرمت مجمع علیہا کا ارتکاب۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾

پھر مقاصد شرعیہ پر متطلع مطلع کہ جو امر فی نفسہ شرعاً خیر ومندوب اور کراہت مجاورہ مختلف فیہا یا مشکوک ہو اور تجربۃً اُس کا ترک منجر بمنہیات اجماعیہ ہو تو ہرگز اُس سے منع نصیحت نہیں، بلکہ مقصد شرع سے بعد بعید ہے، ولہذا علمائے کرام فرماتے ہیں:

عوام کو صلاۃ عند الطلوع سے منع نہ کریں۔ "درمختار" میں ہے:

إلا العوام فلا يمنعون من فعلها، لأنهم يتركونها والأداء الجائز عند البعض أولىٰ من الترك كما فى القنية وغيرها.

"ردالمحتار" میں ہے:

وعزاه صاحب المصفى إلى الإمام حميد الدين عن شيخه الإمام المحبوبى وإلى شمس الأئمة الحلوانى وعزاه فى القنية إلى الحلوانى والنسفى. الخ

اور تجارب متطاولہ شاہد کہ عوام اگر مشتغل بذکر الٰہی نہ ہوں، مشتغل بفضول کلام وہزل ولغط ہوتے ہیں کہ جنائز میں اجماعاً مکروہ وممنوع تو ذکر الٰہی سے روکنا ہرگز مصلحت شرعیہ نہیں۔ خصوصاً یہاں تو حکمائے شریعت علمائے امت نے عدم منع کو ابتلا بمکروہ

اجماعی پر بھی موقوف نہ رکھا، بلکہ کہیں صرف ذکر خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فی نفسہ خیریت، کہیں اس کے ساتھ امور خیر کی طرف عوام کی قلت رغبت پر بنائے کار رکھی اور باوصف بیان حکم مسئلہ انہیں منع نہ کرنے کی تصریح کی۔
امام شمس الائمہ کردری "وجیز" میں فتویٰ نقل فرمائے ہیں:

إن الذكر بالجهر في المسجد لا يمنع احترازاً عن الدخول تحت قوله تعالىٰ:﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾.الخ
تبیین الحقائق وفتح القدیر ودرر الحکام وبحر الرائق ومجمع الانہر وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

قال أبو جعفر: لا ينبغي أن يمنع العامة عن ذالك لقلة رغبتهم في الخيرات.

"محیط" پھر "ہندیہ" میں ہے:

قال الفقيه أبو جعفر: سمعت شيخي أبا بكر يقول: سئل إبراهيم عن تكبير أيام التشريق على الأسواق والجهر بها؟ قال: ذالك تكبير الحوكة. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: أنه يجوز. قال الفقيه: إنا لا أمنعهم عن ذالك.

"بحر" و"دُر" میں ہے:

هٰذا كله إنما هو بحسب حال الإنسان وأما العوام فلا يمنعون من تكبير وكذا في التنفل قبلها. اه مختصراً

طحطاوی وشامی میں زیرِ قول "دُر" "هٰذا للخواص" لکھا:

الظاهر أن المراد بهم الذين لا يؤثر عندهم الزجر غلاً ولا كسلاً حتىٰ يفضى بهم إلىٰ الترك أصلاً.

"غنیہ" میں ہے:

قال الفقيه أبو جعفر: والذي عندنا أنه لا ينبغي أن تمنع العامة عن ذالك لقلة رغبتهم في الخيرات وبه ناخذ يعني أنهم إذا منعوا عن الجهر به لا يفعلونه سراً فينقطعون عن الخير بخلاف العالم الذي يعلم أن الاسرار هو الأفضل.

"رحمانیہ" میں "ذخیرہ" سے ہے:

بہ أخذ الفقیہ أبو اللیث.

ان عبارات علماء سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جہر میں کراہت بھی ہے تو نہ اس قدر کہ خوبیِ ذکر کی مقاومت کر سکے، ولہذا جب منع جہر میں ترک ذکر کا مظنہ ہو، خوبیِ ذکر کو ترجیح دیں گے اور کراہت جہر کا لحاظ نہ کریں گے، انصافاً یہ شان صرف کراہتِ تنزیہیہ میں ہو سکتی ہے، جس کا حاصل خلافِ اولیٰ ہے، نہ کہ ممنوع و ناجائز ہونا۔

کیف وقد علم شرعاً و نصوا علیہ أن ترک ذرۃ مما نہی اللہ تعالیٰ عنہ خیر من تطوع الثقلین.

بالجملہ اس سے منع کرنا ہی خلاف مصلحت شرعیہ ہے-فإن إفسادہ أکثر من إصلاحہ-نہ کہ معاذاللہ وہ جبروتی احکام کفر و شرک و ضلال و حرام کہ نجدیت واضحہ و جہالت فاضحہ ہیں۔ مسائل اختلافیہ ائمہ میں حکم بحرمت قطعیہ کا یہی محل نہیں، چہ جائے ضلال و کفر-والعیاذ باللہ تعالی-بفرض باطل اگر ذکر مذکور بالاتفاق مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت و بدتر تھی، یہی دقائق تدلیس و تلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردے میں منکر اشد و انکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

"تحفہ اثنا عشریہ" میں ہے:

ہر کہ باوجود اینہمہ قول جازم نماید بے باک و بے احتیاط سست وہمیں ست شان محتاطین از علمائے راسخین کہ در اجتہادیات مختلف فیہا جزم باحد الطرفین نمی کنند۔

علامہ عبدالغنی نابلسی "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں:

المسئلۃ متی أمکن تخریجہا علی قول من الأقوال فلیست بمنکر یجب إنکارہ والنہی عنہ، وإنما المنکر ما وقع الإجماع علی حرمتہ والنہی عنہ. اہ ملخصاً، واللہ تعالی اعلم

کتبہ: عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ النبی الأمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۲۴)
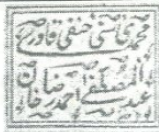
حضرت علامہ مولانا سلطان محمد خان

ما حققہ مولانا مدظلّہ أحقّ بالاتباع

سلطان محمد خان

(۲۵)

تحریر منیر، فاضلِ اجل، عالم الجبل، جناب فیض ماب، مولانا مولوی محمد نذیر احمد خان صاحب دامت فیوضھم

مدرّس اعلیٰ مدرسہ طیبہ احمد آباد و گجرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِداً و مُصَلِّیاً و مُسَلِّماً

اَمَّا بَعْدُ!

بندہ راقم نے رسالہ جناب مولانا مولوی عمر الدین صاحب دیکھا-ماشاء اللہ تعالیٰ-، مولوی صاحب نے بڑی محنت کی ہے اور تحقیق سے لکھا ہے، اگر چہ ہمارے علماء فقہا رفع الصوت بالذکر کی کراہت تحریمیہ و تنزیہیہ کے ہمراہ جنازہ کے قائل ہوئے ہیں، لیکن چوں کہ اختلاف حالات زمانہ سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور بعض امور جو زمانہ سلف صالح میں مکروہات میں سے تھے، اس آخر زمانہ مین مستحسنات میں ہو گئے۔ چناں چہ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی " شرح سفر السعادۃ "ص272 میں فرماتے ہیں:

آنچه مصنف ذکر کرده حق است واحادیث صحیحه درین باب وارد واصل سنت در زمان نبوت وخلفاء راشدین وصحابه ہمیں بود لیکن بعد ازاں ایں تکلفات در مقابر پیدا شد ومفاخرت و مباہات بدان راه یافته ودر آخر زمان بجہت اقتضاء نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر وترویج مشاہد ومقابر مشائخ وعظماء دیده چیز ہا افزودند تا از انجا ابہت وشوکت اہل اسلام وارباب صلاح پیدا آید خصوصاًدر دیار ہندوستان که اعداء دین از ہنود وکفار بسیار اند وترویج واعلائ شان این مقامات باعث رعب وانقیاد شان است وبسا اعمال وافعال واوضاع در زمانه سلف از مکروہات بوده در آخر زمان از مستحسنات گشته۔انتہیٰ

اس بیان شیخ موصوف سے واضح ہے کہ بعض ایسی چیزیں جو زمانہ سلف میں مکروہات سے تھیں، وہ آخر زمانہ مستحسنات سے بسبب عروض عوارض کے ہو گئے ہیں، چوں کہ لوگوں نے مقابر میں تکلفات کرنا شروع کئے اور اس پر فخر وبڑائیاں کرنے لگے، اگر بزرگانِ دین مشائخ کرام واولیاء عظام کی مقابر کی تعمیر وترویج نہ کی جائے تو عوام لوگوں کی نظروں میں اُن کی شوکت وبزرگی نہ رہے گی، جس سے ان کے اعتقاد میں فرق آئے گا۔اس عارض کے واسطے مقابرِ اولیاء کی تعمیر وترویج بالعرض مستحسن ہو گئی اور یہ عارض زمانہ صحابہ میں نہ تھا تو اس تعمیر وترویج مقابر کا استحسان بھی نہ تھا، اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں کہ بنابر عارض کے اُن کا جواز واستحسان ہے اور وہ عوارض زمانہ سلف میں نہ تھے تو اُن کا جواز واستحسان نہ تھا۔

پس ایسے ہی جہر بالذکر ہمراہ جنازہ کو بھی جاننا چاہئے کہ جب لوگوں عوام کا یہ حال ہو کہ ہمراہ جنازہ کے دنیا کی باتوں اور غفلت وہنسی وٹھٹوں وقصوں کہانیوں میں مشغول ہوں اور ذکر بالجہر کے سبب سے وہ ایسے امور ناجائز سے باز رہتے ہوں یا ہنود ونصاریٰ و مجوس کی نظروں میں اس ذکر جہر سے اہلِ اسلام کی شوکت معلوم ہو تو یہ ذکر جہر بھی اس عارض کی سبب سے اس زمانہ میں درست وجائز ہے اور ہمارے فقہاو علماء جو بعض مکروہ

تحریمہ اور بعض تنزیہیہ فرماتے ہیں تو قطع نظر ایسے عارض کے فرماتے ، ایسے عارض کا تحقق اُن کے زمانہ میں بھی ہوتا تو بھی مکروہ نہ فرماتے۔ جیسے اجرت علی التعلیم کا مسئلہ ہے کہ جس ضرورت ووجہ کی سبب سے اجرت علی التعلیم ونحوہا اس زمانہ میں درست ہے وہ ضرورت ووجہ زمانہ ہمارے ائمہ میں نہ تھی ، اب بعد کو متحقق ہوئے۔ اگر وہ ہمارے ائمہ کے زمانہ میں بھی متحقق ہوتے تو وہ بھی اس اجرت علی التعلیم کے مجوز ہوتے۔ پس جواز اجرت علی التعلیم مذہب حکماء ہمارے امام کا ہے۔ چناں چہ شامی جلد ثانی صفحہ 590 میں ہے:

قَالَ: الِاسْتِئْجَارَ عَلَى الطَّاعَاتِ كَالتَّعْلِيمِ وَنَحْوِهِ لَمْ يَقُلْ بِجَوَازِهِ الْإِمَامُ وَلَا صَاحِبَاهُ. وَأَفْتَى بِهِ الْمَشَايِخُ لِلضَّرُورَةِ الَّتِي لَوْ كَانَتْ فِي زَمَانِ الْإِمَامِ لَقَالَ بِهِ، فَيَكُونُ ذَلِكَ مَذْهَبَهُ حُكْمًا.

پس ایسے ہی جہت ذکر جہر ہمراہ جنازہ ایسی ضرورت ووجہ کی سبب سے ہو کہ وہ ضرورت ووجہ ہمارے مشائخ کے زمانہ میں نہ تھی اور اب ہے اور یہی ضرورت ووجہ ہمارے مشائخ مذہب کے زمانہ میں بھی ہوتے تو وہ بھی اس کو بالعرض جائز فرماتے تھے تو یہی ذکر جہر بھی ہمارے مشائخ کا مذہب حکماً ہوا۔

پس یہی ذکر جہر ہمارے زمانہ کا جس میں ایسے ضرورت ووجہ پائی جائے ، ہمارے ائمہ ومشائخ مذہب کے فرمانے کے مخالف نہیں ہے ، بلکہ حکماً موافق ہے۔ ایسے ہی اگر اس ذکر جہر کے عادت عامہ ہونے کا ثبوت ہوجائے تب بھی بدلیل « مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ » یہی اس زمانہ میں مستحسن ہے اور مکروہ تحریمہ فرمانا مشائخ کا زمانہ سابق اُس کو مضر نہیں ؛ کیوں کہ تعامل الناس ملحق بالاجماع ہے ، جس سے نص مخصوص وقیاس متروک ہوجاتا ہے ، بعض وجوہ دوسری بھی اس کے جواز کی نکل سکتی ہیں ، لیکن اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

حررہ: المفتقر الی ربہ القدیر محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان عفی عنہ

(۲۶)

حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم

الجواب صحیح
کتبہ: عبد الرحیم عفی عنہ

۞۞۞۞۞۞

تواریخ وصال

حضرت اعلیٰ واقدس، رئیس الفضلاء، رأس العرفاء، مولانا مولوی محمد عبید اللہ صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ

مدرّس اعلیٰ جامع مسجد بمبئی

از: تصنیف

بلیغ فاضل، ادیب کامل، تاج الفقہاء والمحدّثین جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خان حفظہ اللہ الرحمٰن عن شرور الزمان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　أحمده وأصلى على السيّد الحليم

۱۳۱۵ھ

توريخ الحين

۱۳۱۵ھ

مؤارخة وفاة الحميد فى الكونين

۱۳۱۵ھ

غزير الطيب والجاه

۱۳۱۵ھ

مولانا الفاضل الحميد عبيد اللّٰه غفرله

۱۳۱۵ھ

وبرّد بديم فضله منزله

۱۳۱۵ھ

وكرّمه بجنة أضيافه نزله

۱۳۱۵ھ

ونوّر بأعلىٰ نوره مُدخله

۱۳۱۵ھ

عُبَیْدُاللّٰہِ قَدْ سَبَقَا ۱۳۱۵ھ بِشَرْقٍ مجدُہ الفَلَقَا
جَزَاہُ قَدِیْرُہٗ بِلِقَا ۱۳۱۵ھ کَمَا رَتَجَ الْھُدیٰ بَلَقَا
حَمَادِ لَہٗ بِاَیْدِ یَدٍ ۱۳۱۵ھ بِھَا بابُ الھویٰ غَلَقَا
عُبَیْدُاللّٰہِ فی عُمرِہ ۱۳۱۵ھ بِہٖ صُبْحُ الْھُدیٰ شَرَقَا
عُبَیْدُاللّٰہِ فی مِصْرِہ ۱۳۱۵ھ بِہٖ حَنَکُ الْھویٰ شَرَقَا
عُبَیْدُاللّٰہِ فی رَیٍّ ۱۳۱۵ھ بِحُسْنِ تُقًی وَزَیْنِ نُقًی
عُبَیْدُاللّٰہِ عِنْدَ اللّٰہِ ۱۳۱۵ھ فی الْفِرْدَوْسِ فی الرُّفَقَا
تَفَاءَلْنَا وَ اَوْجَبَ مَنْ ۱۳۱۵ھ اَنَارَ بِدُرِہٖ اُفُقَا

وَطَیِّبُہٗ بِرِیْعِ رِضًا ۱۳۱۵ھ

کَمَا مُدُہُ الرِّضَا عَبِقَا ۱۳۱۵ھ

۞

تاریخ آخر

أَتَرَحَتْ سَنَةً غَرَّاءَ ضَرَّتُهَا
أَمْ فَرَحَتْ بِدْعَةً ضَرَّاءَ غِرَّتُهَا
أَمْ قَامَتِ السَّاعَةُ الدَّهْمَاءُ نُفِخَتْ
قَبْلَ الْقِيَامَةِ فِی النَّاقُوْرِ نَفُخَتُهَا
مَاذَا اعْترىٰ يَبْتَدِئُ إِذَا ترىٰ طَرَءًا
تَبَدَّلَتْ بِالْأَسىٰ وَ الْحُزْنِ فَرْحَتُهَا
عَهْدِی بِهَا فِی دِيَارِ الْهِنْدِ غَانِيَةً
تُحْلٰى وَ تُجْلٰى فَتَجْلُوْ الْعَيْنَ جَلْوَتُهَا

نَعَمْ أَحَدَّتْ وَمَا حُدَّتْ فَقَدْ فَقَدَتْ
بَعْلاً بِهِ كَانَ جَدْوَتُهَا وَجَوْدَتُهَا
لِعَاشِرٍ مِنْ جُمَادٰى خَمْسَة جَمَدَتْ
عَيْنٌ لِفَيْض وَ غَيْنٌ فَاضَ عَبْرَتُهَا
يَوْمَ الْخَمِيْسِ خَمِيْسُ الدِّيْنِ قَدْ خُمِسَا
سِيْقَتْ لِسَاقِ سِيَاقِ الْحَيْنِ سَاقَتُهَا
يَوْمَ الْكَوَاكِبِ وَ الْأَرْجَاءِ قَائِمَةٌ
كأنما أُغشيت بالليل ضحوتُها
ليتَ المنية إذْ جَاءَتْ لِرُكْنِ هدىً
اِسْتَبْدَلَتْ منه جَمْعاً فيه مُنَيَّتُها
قَدْ كَان هَنِيْئاً عَلَيْنَا أَنْ نُفَادىَ عَا
لِماً بِسَبْعِيْنَ أَوْ مَا فِيْهِ أَوْبَتُهَا
لكنها أَمْرٌ حَتْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ
وَلَا تُعَقَّبُ إِذْ حَانَتْ قَضِيَّتُهَا
اَلْإِنْسُ وَالْجِنُّ وَالْأَمْلَاکُ كُلُّهُم
كَانُوْا فِدَا الْمُصْطَفٰى لَوْ سَاغَ فِدْيَتُهَا
فَالصَّبْرُ مَفْزَعُنَا وَاللّٰهِ مَرْجِعُنَا
وَنَعْمَ عِدْلا الْعُلٰى نِعْمَتْ عَلَاوَتُهَا
أَمَا عَلِمْتَ عُبَيْدَ اللّٰهِ أَنْ ثَلَمَتْ
وَفَاتُک الشَّرْع لَا تَنْسَدُّ ثُلْمَتُهَا
قَدْ كُنْتَ فِي الْمصرِ نَصْرَ الدِّيْنِ فَانْتَشَرَتْ
بِکَ النَّيَاشِرُ ثَمَّهُ ثُمَّ نَدْوَتُهَا

نَاجَدْتُ نَجْدِيَةً يَا نَجْدُ نَجْدَ هَدًى
فَنَجْدُهَا بِکَ مَنْجُوْد وَنَجْدَتُهَا
غَدَتْ بِکَ السُّنَّةُ الزَّهْرَاءُ نَاعِمَةً
حَظَّ وَ فَوْز وَ فَيْض مِنْکَ تُحْفَظُهَا
عَادَتْ بِکَ الْفِتْنَةُ الصَّمَّاءَ نَائِمَةً
غَتَط وَغَيَظ وَفَيْظ مِنْکَ حِصَّتُهَا
جَزَاکَ رَبُّکَ فِي الْفِرْدَوْسِ أَجْزِيَةً
تَنْمٰى وَتُنْمٰى وَلَا تُمْنٰى جَزَالَتُهَا
وَلَنْ يَضِيْقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُکَ بِهِ
فَأَنْتَ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْيَا وَضَرَّتُهَا
قَالَ الرِّضَا لَکَ فِي التَّارِيْخ مُبْتَهِلاً
أَتَاکَ مِنْ رَبِّکَ الْحُسْنٰى وَبَهْجَتُهَا
بَنَيْتُ نَظْمِي عَلٰى هاءِ الضَّمِيْرِ کَمَا
رَأٰى جَمَاهِيْرُ هُم وَالتَّاءُ حِلْيَتُهَا
وَفِيْهِ مُتَّسِع کَالْبَاءِ تَلْزَمُ فِي
طَالِبٍ وَصَاحِبٍ وَمَبْنَى الْقَوْلِ لَفْظَتُهَا
هَذَا وَمَا لِلرِّضَا فِي الشِّعْرِ شَرْعُ رِضًا
شَرْعِي الشَّرِيْعَة شِعْرَاهَا وَشِرْعَتُهَا

❁❁❁❁❁❁

وَ مَنۡ یَّتَوَ کَّلۡ عَلَى اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ

الحمدللہ دریں ایام فیض التیام ایں رسالہ فیض مقالہ در تردیدِ اوہامِ سفہا

اعنی

فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء

۱۳۱۸ھ

تالیف لطیف

حامی الاسلام والدین، ماحی شرور الکفرۃ والمبتدعین،

ناصر الشرع المتین، فاضل، کامل مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب

سنی حنفی قادری ہزاروی مدرّس مدرسہ بمبئی دام فیضہ القوی

باہتمام:

احقر انام خاکپائے محمد خادمِ اہلِ سنت محمد عبد الوحید مدعو بہ غلام صدیق

حنفی الفردوسی مدیرِ تحفہ حنفیہ و مہتممِ مدرسہ اہلِ سنت کان اللہ لہ

در مطبع حنفیہ واقع لودی کٹرہ پٹنہ مطبوع گردید

استفتا

مسئلہ مندرجہ ذیل میں فیما بین جوابین، اختلاف علمائے احناف واقع ہوا؛ لہذا بغرض قول فیصل تصدیعہ وہ آنکہ جو قول محقّق ہو، بدلائل کتبِ معتبرہ تحریر فرماکر فیض بخش عام وخاص ہوں۔

مسئلہ: نقشہ کعبہ معظّمہ ونقشہ مقدّسہ [روضہ] رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعظیم کیسی ہے؟ اور بنایا جائے یا نہ؟

اقوال مولانا المولوی عبدالحی الکھنوی:(1)

کتاب "مجموعۃ الفتاوی" جلد سوم، صفحہ ۱۳۵ قولہ:

"و در شریعت محمدیہ تعظیم آن نقشہ واجب نیست اگر کسی اورا چاک نماید ماخوذ نیست۔"الخ(2)

---

(1)۔۔: آپ کا اسم گرامی عبد الحی، کنیت ابو الحسنات ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے: عبد الحی بن عبد الحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابو الرحم بن محمد یعقوب بن عبد العزیز بن محمد سعید بن الشہید قطب الدین الانصاری السھالوی اللکنوی۔ آپ 1264ھ کو پیدا ہوئے، محض سترہ برس میں علوم متعارفہ کی والد بزرگوار مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے تحصیل کرکے فارغ ہوئے، سندِ حدیث کی اجازت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے حاصل تھی، 19 ربیع الاول 1304ھ بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا یعنی، آپ نے صرف اڑتیس/۳۸ برس عمر پائی اور مختلف علوم وفنون پر آپ سے بیسیوں کتب یادگار ہیں جن میں بعض خاصی ضخیم ہیں، اتنی کم عمر میں اتنی کثیر تصانیف دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چند تصانیف یہ ہیں: الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، الفوائد البهية في تراجم الحنفية، الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، ظفر الأماني في مختصر الجرجاني، عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، والتعليق الممجد على موطا محمد، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، وتعليقه ظفر الأنفال، مجموعه رسائل عبد الحی (6 ضخیم مجلدات میں)۔ تفصیلی حالات وتالیفات کے لئے دیکھئے:

☆ الإمام عبد الحی اللكنوی علامة الهند وإمام المحدثين والفقها؛ تالیف: الدكتور ولی الدين الندوی۔

☆ ممتاز علمائے فرنگی محل۔ لکھنو؛ تالیف: مولانا یسین اختر مصباحی، ص 142 تا 166

(2)۔۔: مجموعۃ الفتاویٰ:

[شریعتِ محمدیہ میں اس نقشہ کی تعظیم واجب نہیں ہے، اگر کسی نے پھاڑ دیا، تو اس کی گرفت نہیں ہو گی۔]

کتاب ایضاً، جلد دُوم، صفحہ ۱۲۳:

"بنانا شبیہ روضہ مقدسہ رسول کریم عَلَیْهِ التَّحِیَّةُ وَ التَّسْلِیْم بدعتِ سیئہ ہے اور قرونِ ثلاثہ سے یہ امر ثابت نہیں۔" الخ (بحوالہ: رسالۃ الاسلمی)(1)

اقوال مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی:(2)

اس کا جواز اجماعی، تمام کتبِ مذاہب اس کے جواز کی تصریحات سے مملو و

---

(1)۔۔: مجموعۃ الفتاویٰ: (بحوالہ: رسالۃ الاسلمی)

(2)۔۔: آپ کی ولادت بریلی کے محلہ جَسولی میں ۱۰ شوّال المکرم 1272ھ 1856ء بروزِ ہفتہ بوقتِ ظہر مطابق 14 جون 1856ء کو ہوئی۔

سن پیدائش کے اِعتبار سے آپ کا نام "اَلْمُختار" (۱۲۷۲ھ) ہے۔ صرف تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں تمام مروّجہ علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان سے کر کے سند فراغت حاصل کر لی اور اسی دن ایک سوال کے جواب میں پہلا فتویٰ تحریر فرمایا تھا، اسی دن والد نے علمی کمال اور پختگی کو دیکھ کر فتویٰ نویسی کی خدمت آپ کے سپرد کی، جسے آپ نے 1340ھ مطابق 1921ء اپنی وفات کے وقت تک جاری رکھا۔ آپ کو اسانید کتب کی اجازت مفتی شافعیہ شیخ احمد بن زین دحلان م 1299ھ 1881ء قاضی القضاۃ حرم محترم سے حاصل تھی اور نسبت طریقت حضرت مرشد برحق استاذ العارفین مولانا سید آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل تھی۔ آپ نے مختلف عنوانات پر کم و بیش ایک ہزار کتابیں لکھیں ہیں۔ یوں تو آپ نے 1286ھ سے 1340ھ تک لاکھوں فتوے لکھے، لیکن افسوس کہ سب کو نقل نہ کیا جاسکا، جو نقل کر لئے گئے تھے، ان کا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" رکھا گیا۔ فتاویٰ رضویہ جدید کی 30 جلدیں ہیں جن کے کل صفحات 21656، کل سوالات و جوابات 6847 اور کل رسائل 206 ہیں، ہر فتوے میں دلائل کا سمندر موجزن ہے۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، جد الممتار علی رد المحتار (7 مجلدات)۔ 25 صفر 1340ھ مطابق 1921ء کو جمعہ کے دن 2 بج کر 38 منٹ پر عین اذان کے وقت ادھر موذن نے حی الفلاح کہا اور ادھر امام احمد رضا خان نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار بریلی شریف میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔

تفصیلی حالات و تالیفات کے لئے دیکھئے:

☆ حیاتِ اعلیٰ حضرت از ملک العلماء سید ظفر الدین محدث بہاری علیہ الرحمہ۔

☆ المجمل المعدد لتالیفات المجدد از ملک العلماء سید ظفر الدین محدث بہاری علیہ الرحمہ۔

☆ المصنّفات الرضویہ (تصانیفِ امام احمد رضا)؛ تالیف: علامہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی

☆ سوانح امام احمد رضا از علامہ بدر الدین احمد قادری رضوی۔

مشحون ہیں، نقشہ مزارِ اقدس کا تابعینِ کرام سے ثابت، ہر قرن و طبقے کے علما و صلحا میں رائج، ہمیشہ اکابرِ دین اُس سے تبرک کرتے آئے ہیں اور اُس کی تعظیم و تکریم رکھتے آئے ہیں۔ علمائے دین نے نقشہ کا اعزاز وہی رکھا، جو اصل کا رکھتے ہیں، جسے روضہ اقدس کی زیارت نہ ملے، وہ اس کی زیارت کرے اور شوقِ دل سے بوسہ دے۔ یہ مثال اُسی اصل کے قائم مقام ہے، جسے روضہ مبارک کی زیارت میسر نہ ہوئی، وہ اُس نقشہ پاک کی زیارت کرے، مشتاق اُسے دیکھے اور بوسہ دے اور نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت اور حضور کا شوق اُس کے دل میں بڑھے۔ ملخّص کتب "فتح المتعال" و "فجر منیر" وغیرہ وغیرہ۔ انتہی (1)

فَمَاوَجْهُ التَّوْفِيْقِ وَ دَفْعُ التَّعَارُضِ۔ ۱۲

راقم نیاز: شیخ نور محمد مستری ملازم کارخانہ مل کاٹ محلہ گہی گھر شہر دیوان۔

(1)۔۔: دیکھئے: فتاوی رضویہ: جلد 21، رسالہ: شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ (۱۳۱۵ھ)، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ -لاہور

الجواب ومنه الهداية إلى الحق والصواب

حامداً ومصلياً ومسلماً

[اجمالی جواب]

صورتِ مسئولہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے اقوال حق صریح ہیں، مطابق سلف صالح کے ہیں۔

[تفصیلی جواب]

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو چیز دراصل ذی تعظیم و تکریم ہے، اُس کی مثال و مشابہ کی بھی تعظیم و تکریم (بشرطیکہ اُس کی مثال کی ممانعت میں نصوص نہ وارد ہوئے ہوں، جیسے: تصویر جاندار کی اور نیز اُس مثال کو خاص فجار و فساق نے لہو ولعب کے لیے نہ ایجاد کیا ہو، جیسے: تعزیہ) صحابہ و تابعین و وائمہ دین فقہا و محدثین کرتے چلے آئے ہیں۔

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی "فتاویٰ" میں فرماتے ہیں:

کابس بن ربیعه ہمرگاه داخل شد بر معاویه بن سفیان معاویه بلحاظ آں گونه مشابہت صوری که بآں حضرت صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم داشت از تخت خود بیتابانه برائے تعظیم برخاسته کابس را بر تخت نشانیده خود بادب نشسته بتوقیر تمام رخصت نمود و مداخل مرغاب را به کابس گزاشت در مواہب و غیره مذکور است۔انتہی[1]

[حضرت کابس بن ربیعہ ہمراہیوں کے ساتھ، حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے پاس آئے، تو ان کی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ مشابہتِ صوری کی وجہ سے، حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، ان کی تعظیم کے لیے، عجلت میں، اپنے تخت سے اٹھے اور حضرت کابس کو تخت پر بٹھایا اور خود باادب ہو کر بیٹھ گئے اور تمام تر تعظیم و توقیر کے ساتھ ان کو رخصت کیا اور خود "مرغاب" کے مقام تک ان کو رخصت کرنے

(1)۔۔۔: فتاویٰ عزیزی:

گئے۔]

دیکھو! ایک گونہ قلیل مشابہت حضرت کابس کو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھی، مماثلت نہ تھی، حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ، جو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہزار جان سے شیدائی و فدائی تھے، کیسے بے تاب و بے اختیار ہو کر حضرت کابس کے لیے تعظیماً و تکریماً کھڑے ہو گئے اور اُن کو تخت پر اپنی جائے پر بٹھایا اور آپ اُن کے روبرو کیسے مؤدب ہو کر بیٹھے۔ یہ سچی محبت کا تقاضا تھا کہ جس کو کسی کے ساتھ سچی محبت ہوتی ہے، اُس کے آثار منسوبہ سے اُس کو اصلی محبوب یاد پڑتا ہے اور وہ اُن آثار کو دیکھ کر اصلی محبوب کو یاد کرتا ہے؛ چناں چہ سچی حقیقی محبت حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ أَجْمَعِیْن میں تھی کہ وہ کسی چیز کی حضور کے ساتھ تھوڑی نسبت بھی دیکھتے تھے، تو اُن کو اصل محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم یاد آجاتے تھے، جیسا کہ حضرت کابس کو حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ دیکھتے، تو اُن کو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم یاد آجاتے تھے اور بے اختیار ہو کر رو پڑتے تھے۔

"مواہب لدنیہ" جلد دوم، صفحہ ۱۶۴ میں ہے:

وكان أنس، إذا رآه، بكى. الخ[1]

حضرت انس، حضرت کابس کو دیکھتے، تو رو پڑتے تھے۔

ایسی ہی محبت حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تابعین و تبع تابعین کو تھی۔

علامہ قسطلانی "مواہب" میں فرماتے ہیں:

أنه كان ليحيى هذا موضع خاتم النبوة شامة قدر بيضه الحمامة تشبه خاتم النبوة وكان إذا دخل الحمام ورآه الناس صلوا على النبي -صلى الله عليه وسلم-

---

(1)۔۔:(المواهب اللدنية بالمنح المحمدية: المقصد السابع في وجوب محبته واتباع سنته.. ، الفصل الثالث في ذكر محبة أصحابه...، 688/2)

وازدحموا علیہ یقبلون ظھرہ تبرّکا ولذا وصف بالشبیہ. إنتھی[1]

[حضرت یحیی بن قاسم کے جسم میں مہرِ نبوّت کی جگہ پر کبوتری کے انڈے کے برابر مہرِ نبوّت کی طرح ابھرا ہوا (گوشت کا ٹکڑا) تھا اور جب آپ غسل کے لیے حمام میں تشریف لاتے اور لوگ آپ کو دیکھتے تو حضور صَلَّی اللّٰہ تَعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پڑھتے اور آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم ہو جاتا، وہ تبرکاً آپ کی پشت مبارک کو بوسہ دیتے اور اسی وجہ سے آپ "شبیہ رسول" کے لقب سے مشہور تھے۔]

اور شیخ محقق و محدّثِ ہند حضرت شاہ عبد الحق دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ "مدارج النبوہ" میں فرماتے ہیں:

یکی از اہلبیت کرام را کہ نام او یحی ابن القاسم بن محمد کہ ملقب بود بشبیہ در موضع خاتم نبوۃ شامہ بود مقدار بیضۃ الحمام مشابہ خاتم النبوۃ وبود وی چون می آمد در حمام و میدیدند او را مردم درود می فرستادند برحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واز دحام می نمودند بروے و می بوسیدند پشت او را تبرکا۔ انتھی[2]

[اہلِ بیتِ کرام کے ایک فرد جن کا نام یحیی بن قاسم بن محمد اور شبیہ رسول کے لقب سے مشہور تھے؛ کیوں کہ (اُن کے جسم میں) مہرِ نبوّت کے مقام پر کبوتر کے انڈے کی طرح کا ایک ٹکڑا تھا جو مہرِ نبوت سے مشابہ تھا۔ اُن کا حال یہ تھا کہ جب وہ غسل کے لیے حمام میں تشریف لاتے تو لوگ انہیں دیکھ کر حضور صَلَّی اللّٰہ تَعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود بھیجنے لگتے اور اُن کے پاس لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور تبرّکاً اُن کی پشت مبارک کو بوسہ دیتے۔]

دیکھو! یہ زمانہ اتباع تابعین کا تھا، صرف حضرت یحیی کی پشت مبارک پر ایک گوشت کا ٹکڑا تھا، جو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مہرِ نبوّت کے مشابہ تھا،

---

(1)۔۔:(أیضاً)

(2)۔۔:مدارج النبوۃ: حصہ اوّل، باب نہم، صفحہ ۳۱۱

اُس کو حضور کے ہزاراں ہزار شیدائی و فدائی کیسے دوڑ دوڑ کر تعظیماً و تکریماً چومتے تھے، یہ بھی اُسی سچی محبت کا تقاضا تھا۔ اُسی سچی محبت کا تقاضا ہے کہ کاغذی تمثال و تصویرِ نعل مبارک حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعظیم و تکریم اور اُس کی تحقیق و تفصیل سیکڑوں ائمۂ دین، فقہا و محدّثین نے اپنے کتب و رسائل میں لکھی ہے اور دوسرے ائمہ نے اُن رسائل کی جن میں اس تمثال و تصویر کی تحقیق درج تھی، قراۃً و سماعاً، ادراک سے سندیں حاصل کیں اور اس تمثال کی برکت سے ہزاروں حاجت مندوں کی حاجتیں رواہوئیں، جن کو اُن ائمہ نے نہایت تحقیق و تفصیلِ انیق سے اپنی کتب میں ذکر کیا۔ علامہ قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' میں فرماتے ہیں:

قد ذكر أبو اليمن بن عساكر تمثال نعله الكريمة- عليه أفضل الصلاة والسلام-في جزء مفرد رويته قراءة وسماعا. وكذا أفرده بالتأليف أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن خلف السلمي المشهور بابن الحاج من أهل المرية بالأندلس وكذا غيرهما. ولم أثبتها هنا اتكالا على شهرتها وصعوبة ضبط تسطيرها إلا على حاذق.

ومن بعض ما ذكر من فضلها وجرب من نفعها وبركتها ما ذكره أبو جعفر أحمد بن عبد المجيد وكان شيخا صالحا قال: حذوت هذا المثال لبعض الطلبة فجاءني يوما فقال لي رأيت البارحة من بركة هذا النعل عجبا.

أصاب زوجي وجع شديد كاد يهلكها فجعلت النعل على موضع الوجع وقلت: اللهم أرني بركة صاحب هذا النعل فشفاها الله للحين.

وقال أبو إسحاق: قال أبو القاسم بن محمد: ومما جرب من بركته أن من أمسكه عنده متبركا به كان له أمانا من بغي البغاة وغلبة العداة وحرزا من كل شيطان مارد وعين كل حاسد وإن أمسكته المرأة الحامل بيمينها وقد اشتد

علیہا الطلق تیسر أمرھا بحول اللہ وقوتہ. الخ[1]

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام ابو یمن رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نعل مبارک کی مثال و تصویر کی تفصیل میں ایک جز کا رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس رسالہ کو میں نے اپنے استادوں سے قراءۃً و سماعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند لی ہے اور امام ابو یمن کے سوا امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد، جو مشہور ابن الحاج ہیں [اور اندلس میں اہلِ مریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں] اس کی تفصیل میں ایک کتاب لکھی ہے اور بہت فوائد اور برکات جو اس کے وسیلہ سے لوگوں کو حاصل ہوئے، معتبر سندوں سے ذکر کئے ہیں۔

[نعلین مبارک کی فضیلت اور اس کا نفع و برکت جس کا تجربہ کیا گیا] ایک اُن میں سے یہ ہے کہ [ابو جعفر احمد بن عبد المجید نے ذکر کیا اور وہ ایک نیک شخص تھے، فرماتے ہیں:] ایک طالب علم کو میں نے نعل مبارک کی مثال کاغذ پر لکھ کر دی، ایک روز اُس نے مجھے آکر کہا کہ گزشتہ شب کو میں نے اس مثالِ نعل مبارک کی عجیب برکت دیکھی، میری عورت کو سخت درد پیدا ہوا، میں نے اس مثالِ نعل مبارک کو درد کی جگہ رکھ کر دعا کی کہ الٰہی! اس کے صاحب کی برکت سے اس کا درد اچھا کر۔ میرا یہ دعا کرنا ہی تھا کہ اُسی وقت اللہ تعالٰی نے میری عورت کو تندرست کر دیا۔

اور [ابو اسحاق کہتے ہیں: ابو القاسم بن محمد نے فرمایا:] اُس کی مجرّب برکتوں میں سے یہ ہے کہ اگر اُس کو کوئی اپنے پاس رکھے تو کسی شریر کی شرارت اور دشمن کی خباثت اثر نہ کرے گی اور وہ اُن سے امن میں رہے گا اور اگر کوئی حاملہ عورت اُس کو اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑے اور اُس کو دردزہ ہو تو اس کی برکت سے فوراً اچھی ہو جاتی ہے۔

اور اگر اُن علمائے کرام کے اقوال سے تسلی نہ ہو تو دیکھو! خود مولوی عبد الحی نعل مبارک کی مثال و تصویر کی تعظیم و تکریم اپنی کتاب "غایۃ المقال" میں کس زور و شور

---

(1)۔۔:(المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ :المقصد الثالث الفصل الثالث فیما تدعو ضرورتہ إلیہ صلی اللہ علیہ وسلم من غذائہ وملبسہ ومنکحہ وما یلحق بذلک، النوع الثانی فی لباسہ صلی اللہ علیہ وسلم وفراشہ، 215/2)

سے اگلے اور پچھلے علماو عظماے امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

اعلم!أن علماء هذه الأمة قديماً وحديثاً تعرضوا لمثال النبوي و تصويره وهم كثيرون، فمنهم: الإمام أبوبكر بن العربي، الحافظ أبو الربيع بن سالم الكلاعي و الكاتب أبو عبد الله و أبو عبد الله بن رشيد الفهري و أبو عبد الله محمد بن جابر الوادي، وخطيب الخطباء أبو عبد الله بن مرذوق التلمساني وإبن البراء التونسي وأبو إسحاق إبراهيم بن الحاج الأندلسي المغربي وعنه أخذ إبن عساكر المثال، وإبن أبي الخصال، وابن عبد الله المراكشي و غيرهم من علماء المغرب، ومن علماء المشرق الحافظ أبو القاسم بن عساكر، وله تأليف مستقل فيه وتلميذه البدر، والحافظ زين الدين العراقي وإبنه أبو زرعة، والسراج البلقيني والشيخ يوسف المالكي والحافظ السخاوي، ومعاصراه السيوطي والقسطلاني وغيرهم و المعتمد عليهم في هذا الباب أهل المغرب؛ فإن المعتمد عليه في المشرق في هذ االباب هو ابن عساكر، فإن من جاء بعده صار عيالا عليه، وهو لم يأخذ إلا عن ابن الحاج المغربي وهذا كله فيمن كان من العلماء ممن بعد سنة خمسمائة، و أما قبلها فالمشارقة هم المرجوع إليهم في هذا الباب.(1)

[ترجمہ: جان لیجئے! اس امت کے کثیر علماے سلف وخلف حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نعل مبارک کی مثال و تصویر (کی تعظیم) کو بیان کرتے رہے۔ علماۓ مغرب میں سے امام ابو بکر بن العربی، الحافظ ابو الربیع بن سالم الکلاعی، الکاتب ابو عبد اللہ ، ابو عبد اللہ بن رشید الفہری، ابو عبد اللہ محمد بن جابر الوادی، خطیب الخطباء ابو عبد اللہ بن مرذوق التلمسانی، ابن البراء التونسی، ابو اسحاق ابراہیم بن الحاج اندلسی المغربی (اور ابن

(1)۔۔۔:مجموعۃ رسائل اللکنوی: جلد 1، رسالہ: غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال: الباب الثانی فیما یتعلق بالنعال النبویۃ...، الفصل الثانی ص 233۔234

عساکر نے نعلِ پاک کی شبیہ کو اندلسی سے ہی لیا)، ابن ابی الخصال، ابن عبد اللہ مراکشی وغیرہم اور علمائے مشرق میں سے الحافظ ابوالقاسم بن عساکر (جن کی اس مسئلہ میں ایک مستقل کتاب ہے)، ان کے شاگرد بدر، الحافظ زین الدین عراقی، ان کے صاحبزادے ابو زرعہ، السراج بلقینی، الشیخ یوسف مالکی، الحافظ السخاوی اور ان کے معاصر سیوطی اور قسطلانی وغیرہم ہیں اور اس مسئلہ میں اہلِ مغرب معتمد علیہم ہیں اور اہلِ مشرق میں سے ابن عساکر معتمد علیہ ہیں، چوں کہ ان کے بعد جو بھی آیا اُس نے ان کی اتباع کی ہے اور ابنِ عساکر نے صرف ابن الحاج المغربی سے ہی دلیل لی ہے۔ یہ تمام بحث ان علما کے بارے میں ہے جو پانچ سو سن ہجری کے بعد کے ہیں اور اس سے پہلے اس مسئلہ میں اہلِ مشرق کی طرف رجوع کیا جاتا۔]

اور علامہ مقری کے چند اقوال اُس کی تعظیم و تکریم میں نقل کر کے لکھتے ہیں:

إن شئت مقدار النعل النبوي طولاً و عرضاً والإطلاع على كيفيته و مثاله فارجع إلى "فتح المتعال" فإن المقرىء جزاه الله تعالى ذكر فيه الاختلاف في مثال النعل النبوي على ستة أقوال وبينه بغاية البسط والتفصيل ففي ذكرها غنية. (1)

[ترجمہ: اگر رسولِ کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نعل مبارک کی لمبائی، چوڑائی اور اس کی کیفیت و مثال کو جاننا چاہتا ہے تو "فتح المتعال" کی طرف رجوع کر؛ کیوں کہ امام مقری -اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے- نے اس کتاب میں شبیہ نعلِ نبوی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم کے بارے میں چھ مختلف اقوال بیان فرمائے ہیں اور اس مسئلہ کو انتہائی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، لہٰذا اس مسئلہ پر مزید بحث کرنے کی حاجت نہیں ہے۔]

اور یہاں تک اُس کی تعظیم و تکریم میں زور دیا کہ اُس کو چومنا اور اس کو سر اور

---

(1)۔۔: مجموعۃ رسائل اللکنوی: جلد 1، رسالہ: غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال: الباب الثانی فیما یتعلق بالنعال النبویۃ...، الفصل الثانی ص 236)

آنکھوں پر رکھنا بھی بہت علما سے نقل کیا۔ لکھتے ہیں:

هل يجوز تقبيل النعال النبوية لو وجدت أو مثالها عند فقدها و مسه بالأيدي و وضعه على الرأس و نحو ذالک؟ فالجواب أن المداحين من العلماء و العظماء قد حثوا على هذه الأمور و جوزوا تقبيل النعل النبوي و مثاله قال الحافظ زين الدين العراقي في "الفية السيرة": .... وقال الشيخ فتح الحلبي معاصر المقريء: .... وقال أيضا: .... وقال المقريء: .... وقال الشيخ فتح الله: .... وقال السيد محمد بن موسى الحسيني المالكي معاصر المقريء أيضا: .... وقال محمد بن فرج السبتي: .... الخ[1]

[ترجمہ: کیا موجودگی کی صورت میں نعلِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اور عدمِ موجودگی کی صورت میں شبیہ نعل مبارک کو چومنا، ہاتھوں سے چھونا اور سر پر رکھنا وغیرہ جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مداح علما و عظما نے ان امور کی ترغیب دلائی ہے اور نعلِ مصطفوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اس کی شبیہ کے چومنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے "الفیۃ السیرۃ" میں اسی طرح فرمایا... اور شیخ فتح الحلبی جو معاصرِ علامہ مقری ہیں،... علامہ مقری،... شیخ فتح اللہ،... سید محمد بن موسی الحسینی المالکی معاصرِ مقری... اور محمد بن فرج السبتی نے بھی یہی فرمایا...۔]

اور بعدِ نقل، ان اقوال علامہ زین الدین عراقی استاد حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ علما و عظما کے، لکھتے ہیں:

فهذه الأشعار و غيرها من كلمات المداحين تحث و تحرص على تقبيل النعال و مثالها و مسها بالخد و غير ذالک من الأفعال المشعرة بالتبرک

---

(1)۔۔: مجموعۃ رسائل اللکنوی: جلد 1، رسالہ: غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال: الباب الثانی فیما یتعلق بالنعال النبویۃ...، الفصل الثانی ص 236۔237)

والتعظیم.الخ [1]

یعنی، ان تمام علماو عظما کے اقوال سے مثالِ نعال کا چومنا اور اُس کو منہ پر ملنا تبرک و تعظیم سے ثابت ہوا۔

اور اسی میں بعدِ نقلِ اقوالِ شاذہ بعض مالکیہ کے، جس سے کراہتِ تقبیل مفہوم ہوتی تھی، اُس کے خلاف اور تقبیل کی تائید میں لکھتے ہیں:

وذكره جمهور أئمتنا الحنفية أنه لابأس بتقبيل يد العالم للتبرك والسلطان العادل لابغيرهما إن لم يقصد تعظيم اسلامه، وكذا لابأس بتقبيل الرجل الرجل على وجه البر والمودة، وقال بعضهم: التقبيل على خمسة أوجه: قبلة المودة للولد على الخد، وقبلة الرحمة لوالديه، وقبلة الشفقة لأخيه على الجبهة، وقبلة الشهوة لمرأته أو أمته على الفم، وقبلة التحية للمؤمنين على اليد، وزاد بعضهم: قبلة الديانة للحجر الأسود ونحوه، وقبلة عتبة الكعبة أيضا.

واختلفوا في تقبيل المصحف، فمنهم من قال: إنه بدعة، ومنهم من قال: لابأس به، لماروي عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة، ويقبله، يقول: عهد ربي منشور، وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف ويمسه على وجهه.

وذكر بعض الشافعية أن تقبيل الخبز بدعة مباحة، ومنهم من حسنه وتبعه بعض أصحابنا، فهذه أمور صرحوا بحكم تقبيلها.الخ [2]

یعنی، ہمارے جماہیر ائمہ حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ جائز ہے ہاتھ چومنا عالم اور سلطان عادل کا، بطور تعظیم و تبرک کے اور اُن کے سوا دوسرے کا ہاتھ چومنا جب جائز ہے کہ اُس کے اسلام کی تعظیم کا قصد کرے اور اسی طرح پاؤں چومنا بھی مردِ صالح کا، بطورِ

---

(1)۔۔: مجموعة رسائل اللكنوى: جلد1، رساله: غاية المقال فيما يتعلق بالنعال: الباب الثانى فيما يتعلق بالنعال النبوية...، الفصل الثانى ص 237

(2)۔۔: مجموعة رسائل اللكنوى: جلد1، رساله: غاية المقال فيما يتعلق بالنعال: الباب الثانى فيما يتعلق بالنعال النبوية...، الفصل الثانى ص 239۔240

تبرک کے جائز ہے اور بعض نے کہا کہ چومنا پانچ قسم [کا] ہے:

اول: چھوٹے بچے کا گال چومنا محبت سے

دوسرا: اپنے بچوں کو چومنا رحمت سے

تیسرا: اپنے بھائی کی پیشانی چومنا شفقت سے

چوتھا: عورت یا لونڈی کا منہ چومنا شہوت سے

پانچواں: مسلمانوں کے ہاتھ چومنا تحیّت سے

اور بعض نے ایک تقبیل زائد کی ہے: یعنی، حجرِ اسود اور چوکھٹِ کعبہ معظّمہ کا چومنا بھی دیانت میں داخل ہے۔

قرآن شریف کے چومنے میں اختلاف ہے مگر چومنا راجح ہے کہ حضرت سیّدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہر صبح کو قرآن شریف چومتے تھے۔ اسی طرح سیّدنا امیر المؤمنین عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ قرآن مجید کو چوم کر منہ پر رکھتے تھے۔

اور [بعض شوافع نے ذکر کیا ہے کہ] روٹی کا چومنا بدعت حسنہ ہے، ہمارے بعض ائمہ حنفیہ کے نزدیک [بھی]، یہ تمام وہ امور ہیں، جن کے چومنے کی علما نے صراحت کی ہے۔

اگرچہ انصاف پسند طبائع اسی قدر اقوال و افعالِ صحابہ و اتباع تابعین و دیگر ائمہ کرام و اولیائے عظام تا آں کہ خود مولوی عبد الحی لکھنوی کے اقوال سے بھی روضہ مقدّسہ و کعبہ معظّمہ کے مثال مبارک کی تعظیم و تکریم ثابت ہو گئی اور اُس کی تعظیم و تکریم میں کچھ کلام نہ رہا ہو گا، مگر ہٹ دھرم اشخاص کے واسطے، خاص روضہ مقدّسہ و مزار مبارک کی مثال و نقشہ مبارک کی تعظیم کرنا اور اُس کو چومنا اور اسے دیکھ کر اصل روضہ مقدّسہ کو یاد کرنا اور اپنا شوق بڑھانا بھی چند علمائے کرام سے ثابت کیا جاتا ہے۔

علامہ عبد المجید رَحِمَہُ اللہُ اپنی کتاب "**المرتجی بالقبول خدمة قدم الرسول**" (جس کی تقریظیں علمائے مکہ معظّمہ و مدرّسین و مفتیانِ حرم مکی نے نہایت زور شور سے لکھی ہیں، شیخ علمائے حنفیہ مکہ معظّمہ و رئیس مدرسینِ حرم مکی مولانا شیخ عبد اللہ سراج

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، جو مولوی عبد الحی کے والد ماجد و استاذ ممجد مولانا عبد الحلیم صاحب مرحوم کے استاذ الاستاذ ہیں، اُس کی تقریظ میں فرماتے ہیں:

وبعدُ فقد إطلعتُ على هذا المؤلَّفِ العظيم والمصنِّفِ الجسيم، فوجدتُه في حسنِ الصناعة كالدّر النظيم ولطالب مثالِ نعلِ الرسول الهادي العظيم، فالمتمسّک به متمسّک بالعروة الوثقى والسالک في طريق إستبراکه لا يضلّ ولا يشقى والمعرض عنه يُنتعلُ بنعل النار وفي الدرک الأسفل يُلقى. الخ [1]

یعنی، بعد حمد وصلوۃ کے! پس میں مطلع ہوا اس کتاب بڑی پر، پس پایا میں نے اس کو اچھی بناوٹ میں، اعلیٰ درجہ کا موتی اور واسطے طالبِ مثالِ نعل مبارک کے بہت بڑا ہادی، تمسک کرنے والا بہت بڑی مضبوط چیز سے تمسک کرنے والا ہے اور چلنے والا بیچ راہ تبرک لینے اس مثال نعل مبارک کے، نہ بھولے اور نہ تھکے اور جو اس سے منہ پھرے، وہ آگ کا نعل پہنایا جائے اور دوزخ کے اندھے گڑھے میں ڈالا جائے۔

اسی طرح مولانا شیخ احمد دمیاطی مصری مدرّس حرم مکی و مولانا سید عبد اللہ میر غنی الحنفی مکہ معظّمہ از طرف سلطان روم (نے) بھی اس کی تقریظیں لکھی ہیں۔

قال صاحب "دلائل الخيرات" في شرحه الكبير:

تحت قوله "هذه صفة الروضة المباركة والقبور المقدسة"

وانما ذكرتها أي: صفة الروضة تابعا للشيخ تاج الدين الفاكهاني؛ فانه عقد في كتابه "الفجر المنير" بابا في صفة القبور المقدسة وقال: من فوائد ذلک أن من لم يمكنه زيارة الروضة، فليبرز مثالها وليلثمه مشتاقا؛ لأنه ناب مناب الأصل كما قد ناب مثال نعله الشريفة مناب عينها في المنافع والخواص شهادة التجربة الصحيحة ولذا جعلوا اله من الإكرام والإحترام مايجعلون للمنوب عنه، وقال فيه اشعارا كثيرة، وذكروا له خواصا وبركات وقد جربت. انتهى [2] وبه حصل

---

(1)۔۔: المرتجى بالقبول خدمة قدم الرسول: ص 2

(2)۔۔: مطالع المسرات بجلاد لائل الخيرات: ص 144 بتغير

المدّعا.

یعنی، کہا صاحب "دلائل الخیرات" نے بیچ شرح کبیر کے کہ البتہ میں نے ذکر کیا تصویر روضہ مقدّسہ کی باتباع امام شیخ تاج الدین فاکہانی کے، اس واسطے کہ انھوں اپنی کتاب "فجر منیر" میں ایک باب باندھا ہے، بیچ تصویر قبور مقدّسہ کے اور کہا انھوں نے کہ فائدہ اس تصویر کا یہ ہے کہ جس شخص کو اصل روضہ مقدّسہ کی زیارت میسر نہ ہوئی ہو، اُس کو چاہئے کہ اس نقشہ کی زیارت کرے اور اُس کو شوقِ دل سے بوسہ دے؛ اس واسطے کہ یہ نقشہ مبارک اُس اصل روضہ مقدّسہ کے قائم مقام ہے، جس طرح مثل نعل مبارک اور تصویر اُس کی اصل نعل مبارک کے قائم مقام ہے، منافع اور فوائد میں، ساتھ شہادت تجربہ صحیح کے اور واسطے اسی کے اُس کی تعظیم و تکریم ائمۂ دین فقہا و محدثین نے اس قدر کی کہ جس قدر اصل کی کی اور اس کی مثال اور تصویر میں بہت اشعار انھوں نے کہے اور اُس کے خواص ذکر کئے نہایت تجربہ سے، تمام ہوئی عبارت شرح کی۔ مصنّف کہتے ہیں: ہمارا مدّعا حاصل ہو گیا کہ نقشہ کی تعظیم و تکریم کرنا ائمۂ دین کے کلام سے پوری طرح ثابت ہو گیا۔

اور "مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات" میں ہے:

در ذکر شکل قبور شریفه درینجا فائده آن است که زیارت بکند این مثال را کسیکه قدرت نیافته است بزیارت عین روضۂ مقدسه و مشاہده بکند این شکل مبارک را محب و مشتاق و بوسه زند ان از غایتِ محبت و بیقرائ شوق خود را و اکثر بزرگان برائے این شکل خواص و برکات بسیار ذکر کرده اند و تجربه آورده اند۔ الخ [1]

[اس مقام پر قبور شریفہ کی مثل و شبیہ کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کا اس شبیہ کی زیارت کرنا جو اصل روضۂ مقدسہ کی زیارت کی قدرت نہیں رکھتا اور محب و مشتاق شخص کا اس مبارک صورت کا مشاہدہ کرنا اور بوسہ دینا انتہائے محبت اور ذوق و

(1)۔۔: مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات:

شوق کی بے قراری سے ہے اور اکثر بزرگانِ دین نے اس صورت و شبیہ کے بے شمار خواص وبرکات بیان فرمائے ہیں اور ان کو پر کھا ہے۔]

بنائےعلیہ جس کو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ سچی حقیقی محبت ہے، وہ آپ کے روضہ مقدّسہ کے نقشہ کی تعظیم وتکریم کرے گا۔ اسی طرح جس کو کعبہ معظمہ کے ساتھ محبت ہے، وہ اُس کے نقشہ کی بھی تعظیم کرے گا۔ جس طرح حضرت معاویہ و حضرت انس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا حضرت کابس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور ہزاروں اتباع تابعین حضرت یحیٰی کی تعظیم کرتے اور اُن کی پشت مبارک کو تعظیما چومتے تھے۔

اسی طرح سیکڑوں فقہاو محدثین نے تاآں کہ خود مولوی عبد الحی نے مثال نعل مبارک کی تعظیم وتکریم کی اور اس کا چومنا بہت ائمۂ دین سے نقل کیا۔ پس جس طرح اصل نعل مبارک اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک ذی تعظیم وتکریم ہے، اسی طرح اُس کی مثال مبارک بھی ذی تعظیم وتکریم ہے۔ جیسے اصل کعبہ معظّمہ وروضہ مقدّسہ کی بے ادبی اہلِ سنت کے نزدیک جائز نہیں، ویسے ہی اُس کے مثال ونقشے کی بھی بے ادبی جائز نہیں، پس اُس کو چاک کرنا قصداً بے شک اُس کی تحقیر واہانت ہے، جو جائز نہیں۔ ہاں! البتہ وہابیہ نابکار کے نزدیک نہ کعبہ معظّمہ ذی تعظیم ہے اور نہ روضہ مقدّسہ ذی تعظیم و تکریم ہے کہ اُن کے امام [محمد بن] عبد الوہاب نجدی کے اتباع نے اہلِ مکہ معظّمہ کو جو کعبہ معظّمہ کو اپنی جان پناہ، جان کر اُس کے غلاف کے نیچے بیٹھے تھے، اُن مردودوں نے کعبہ معظّمہ کا کچھ لحاظ نہ کیا، اُن مسلمانوں کو وہاں ہی مطاف میں قتل کر دیا۔

اسی طرح روضہ مقدّسہ حضور سرور عالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام اس فرقہ مردودہ نے "صنم اکبر" رکھا تھا اور اُس مبارک روضہ کے توڑنے کے واسطے مدینہ شریف میں لشکر روانہ کیا تھا۔

اسی طرح "دلائل خیرات" شریف جس میں اُس روضہ مقدّسہ کی تصویر ومثال تھی جلانے کا حکم دیا تھا، اگر اُس کی ذریت ہندی وہابی اور اُن کی تقلید سے مولوی عبد الحی اُس نقشہ مبارک کو بدعتِ سیئہ کہیں اور اُس کو قصداً چاک کرنے کا حکم دیں اور کہیں:

”در شریعت محمدیہ تعظیم آن نقشہ واجب نیست اگر کسی او را چاک نماید ماخوذ نیست۔“

[شریعتِ محمدیہ میں اس نقشہ کی تعظیم واجب نہیں ہے، اگر کسی نے پھاڑ دیا تو اس کی گرفت نہیں ہوگی۔]

اور بھی کہیں:

”شبیہ روضۂ مقدّسہ رسول کریم عَلَیْهِ التَّحِیَّةُ وَالتَّسلِیْمُ بدعتِ سیئہ ہے اور قرونِ ثلاثہ سے یہ امر ثابت نہیں“

اور ”غایۃ المقال“ میں بعد نقل اقوال جمہور حنفیہ مجوّزین تقبیل لکھیں:

ولم أر أحدا منهم نص على تقبيل النعل الشريف و مثاله وما يحذو حذوه فالاحتياط في الإفتاء هو المنع سدا للذرائع وتحرزا عن الزيادة في الشرائع.[1]

[یعنی، مجھے نہیں معلوم کہ علما میں سے کسی ایک نے بھی نعل شریف، اس کی شبیہ یا اس کی مثال بنا کر اس کے چومنے پر کوئی نص بیان فرمائی ہو؛ لہذا افتا میں احتیاط یہی ہے کہ سدأللذرائع کے تحت منع ہو، تا کہ شرائع میں زیادتی سے بچا جاسکے۔]

تو کیا تعجب ہے!

اور یہ بھی واضح رہے کہ مولوی لکھنوی کی تالیفاتِ منسوبہ مشہورہ سے جابجا مخالفت جمہور محقّقین کی ظاہر ہے، بلکہ خود بھی کہیں کچھ لکھا ہے [اور کہیں کچھ] اور حضرت سیّدنا امام اعظم و امام ابویوسف و امام محمد رَضِیَ اللّٰہُ عَنہم کے مسائل محققہ مذہب کا ردّ بھی بزعم خود ادنی توجہ سے کیا گیا ہے اُن کے اقوال کا اختلال اگر دیکھنا منظور ہو تو ”تنبیہ الجھلۃ“، ”تنبیہ الاشرار“ اور ”ارغام الجاھل و جدع الغدار“ وغیرہ کو دیکھئے، جو خاص اسی بحث میں لکھی گئیں۔

پس مولوی لکھنوی کے اقوال کو جو مخالف تحقیقاتِ جماہیر سلف بالخصوص حنفیہ

---

(1)۔۔:مجموعۃ رسائل اللکنوی: جلد 1، رسالہ: غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال: الباب الثانی فیما یتعلق بالنعال النبویۃ...، الفصل الثانی، ص 240

سابقین کے ہیں، فاضل بریلوی کے اقوال کا، جو جماہیر صحابہ و تابعین واتباع تابعین وفقہا و محدثین و اولیائے کاملین کے آثار کے موافق ہیں، معارض جاننا اور پھر دفعِ تعارض چاہنا، عجیب امر ہے۔

هذا ماظهر لي في الجواب بعون الله الملك الوهاب و صلى الله تعالى و سلم على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد و آله و أصحابه و أولياء أمته أجمعين.

قاله بفمه و أمر برقمه:

العبد الفقير محمد عمر الدين السني الحنفي القادري الهزاروي عفا الله تعالى عنه.

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

صح الجواب و اللہ اعلم بالصواب

نمقه: الراجی الی رحمة ربه الشكور عبد الغفور صانه الله عن الآفات و الشرور

(۲)

حضرت علامہ مولانا قاضی اسماعیل الجلمائی الشافعی

الجواب صحیح و معتمد

کتبه: خادم الشرع القاضی اسمعیل الجلمائی الشافعی عفا اللہ تعالی عنه و عن والدیه و عن استاذیه و عن جمیع المؤمنین۔ آمین

بحبل اللہ الجلیل خادم الشرع قاضی اسمعیل

(۳)

حضرت علامہ مولانا مرزا محمد

المجیب المحقق قد اجاد فی الجواب و اصاب فیه الی الحق و الصواب

حرره: الراجي رحمة ربه الصمد مرزا محمد عفا اللہ عنه

(۴)

حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد

المجیب مصیب و له ثواب و اجر عظیم

حرّرہ: احقر العباد حسن بن نور محمد عفی عنه

(۵)

حضرت علامہ مولانا سیّد مرتضی میاں بن سلطان میاں

ما اجاب المجیب فھو مصیب

حرّرہ: سید مرتضی میاں بن سلطان میاں عفی عنه

(۶)

حضرت علامہ مولانا محمد طاہر

الجواب صحیح و المصیب نجیح

کتبه: محمد طاهر عفی عنه و عن والدیه و عن سائر المسلیمن

(۷)

حضرت علامہ مولانا مرید احمد

المجیب یصیب عند اللہ له اجر عظیم

حرّرہ: مرید احمد عفی عنه

(۸)

حضرت علامہ مولانا محمد یعقوب اسمعیل

الجواب صحیح

کتبه: محمد یعقوب اسمعیل عفی عنه

مواہیر علمائے مشاہیر بدایوں شریف

(۹)

مطیع الرسول حضرت علامہ مولانا محمد عبد المقتدر قادری بدایونی

تحقیق حضرت مجیب کی موافق اکابر محقّقین کے ہے کہ تکریم مثالِ نعالِ مقدّسہ جناب سیّد المرسلین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اور نقشہ واقعیہ کعبہ معظّمہ اور روضہ مطہرہ کی علما و اولیائے صالحین سے ماثور ہے، بشرطیکہ مثال واقعی ہو، نہ اختراعی فرضی۔ پس اس کو بدعت ضلالت کہنا غلط ہے اور قیاس اس کا رسومِ مروّجہ اختراعیہ وہمیہ تعزیہ داری پر کرنا، جو جہال روافض کے شعار سے ہے، قیاس مع الفارق ہے۔ باقی تفصیل اس کی فتاویٰ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اور رسائل حضرت جناب مولانا شاہ معین الحق والملۃ والدین فضل الرسول القادری البدایونی قُدِّسَ سِرُّہٗ میں مندرج ہے۔ فقط

حرّرہ: العبد المفتقر محمد عبد المقتدر القادری البدایونی عفا اللّٰہ تعالی عنہ

(۱۰)

تاج الفحول حضرت علامہ مولانا عبد القادر قادری بدایونی

اصاب من اجاب

حرّرہ: عبد القادر البدایونی عفی عنہ

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا عبد القیوم قادری بدایونی

الجواب حق وصواب

حرّرہ: الفقیر عبد القیوم القادری البدایونی عفی عنہ

مواہیر علمائے احمد آباد۔ گجرات

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حامداً مصلیاً و مسلماً

امابعد: مخفی و محتجب نہ رہے کہ نقشہ روضۂ مبارکہ مقدسہ کا، نہ تصویر ذی روح کی ہے اور نہ وہ سببِ لہو و لعب و ارتکاب امورِ ناجائزہ کا ہے جیسا کہ تعزیہ ہے۔ اور نہ کسی نصِ قرآن و حدیث و اجماع کے یہ مخالف ہے اور نہ کسی سنت کی مزاحم ہے اور نہ مخالف عقیدۂ اہلِ سنت و جماعت کے ہے جو اس کو بدعت ضلالت کہا جائے اور نہ یہ بلا فائدہ ہے، بلکہ موجبِ تسکین محبین مہجورین ہے۔ پس اس کے عدمِ جواز کی کوئی وجہ وجیہ معلوم نہیں ہوتی۔ پھر تعامل و تعارف اس پر خواص و عوام کا واقع ہونا مزید بر آں ہے، جو ایک مستقل دلیل جواز کی بھی ہے، پھر کیوں کر کوئی محبِ رسول صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم اس کو ناجائز اور بلا عذر اس کو دریدہ کرنا اور تلف کرنا جائز جان سکتا ہے، ہر گز نہیں! اور قرونِ ثلاثہ کے بعد اس کا احداث اور اس کی تقبیل، بدعتِ سیئہ ہونے کو مستلزم نہیں؛ اس لئے کہ بدعت کا انحصار فقط سیئہ میں نہیں، بدعت مباحہ و حسنہ بھی ہوتی ہے۔ "در مختار" میں ہے:

وَأَمَّا تَقْبِيلُ الْخُبْزِ فَحَرَّرَ الشَّافِعِيَّةُ أَنَّهُ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ وَقِيلَ: حَسَنَةٌ، وَقَالُوا: يُكْرَهُ دَوْسُهُ لَا بَوْسُهُ، ذَكَرَهُ ابْنُ قَاسِمٍ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى شَرْحِ الْمِنْهَاجِ لِابْنِ حَجَرٍ فِي بَحْثِ الْوَلِيمَةِ وَقَوَاعِدُنَا لَا تَأْبَاهُ۔ [1]

اقوالِ علما اس بارہ میں مجیب مصیب نے جو نقل کئے ہیں وہ کافی ہیں، منصفین کے واسطے اسی قدر بہت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

حرّرہ: المفتقر الی ربہ القدیر محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان عفی عنہ

تحریر تاریخ ۷ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

(۱۳)

---

(1)۔۔: الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب الحظر و الاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، 559/1

حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم

الجواب صحیح

کتبہ: عبد الرحیم عفی عنہ

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا عبد الکریم

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب

حرّرہ: عبدالکریم عفی عنہ

مواہیر علمائے دہلی

(۱۵)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید

نقشہ متبرکہ حرمین شریفین کے رکھنے میں کوئی شرعی دلیل ممانعت کی نہیں پائی جاتی، جو کہ مجیب نے اس بارہ میں تحریر کیا ہے، درست ہے۔

فقط محمد عبد الرشید

(۱۶)

حضرت علامہ مولانا محمد عمر

الجواب صحیح

کتبہ: محمد عمر عفا اللہ عنہ

❁❁❁❁

وَ مَنْ يَّتَوَ كَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

الحمدللہ دریں ایام فیض التیام ایں رسالہ فیض مقالہ در تردیدِ اوہامِ سفہا

اعنی

فتوی الثقاة

بجواز

سجدة الشكر بعد الصلاة

تالیف لطیف

حامی الاسلام والدین، ماحی شرور الکفرۃ والمبتدعین،

ناصر الشرع المتین، فاضل، کامل مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب

سنی حنفی قادری ہزاروی مدرّس مدرسہ بمبئی دام فیضہ القوی

باہتمام:

احقر انام خاکپائے محمد خادمِ اہلِ سنت محمد عبد الوحید مدعوبہ غلام صدیق

حنفی الفردوسی مدیرِ تحفہ حنفیہ و مہتممِ مدرسہ اہلِ سنت کان اللہ لہ

در مطبع حنفیہ واقع لودی کٹرہ پٹنہ مطبوع کردید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شہر میں بارش نہ ہونے کے باعث لوگ بہت پریشان ہوئے اور کئی روز تک دعا کرتے رہے، آخر اللہ تعالی نے اُن کی دعا کی قبولیت کو ظاہر فرمایا۔ یعنی، خمیس کے روز سے خوب بارش برسنا شروع ہوئی، دوسرا روز جمعہ کا تھا، جامع مسجد میں امام صاحب کے فرمانے سے تمام مسلمانوں نے جمعہ کے بعد سجدہِ شکر کیا، مگر دو شخصوں نے نہیں کیا اور عام مسلمانوں کے سخت مخالف ہوئے اور اُن کے اس سجدہِ شکر کے باعث مخالفت کرنے لگے۔ پس اس صورت میں عام مسلمان حق پر ہیں یا یہ دو شخص؟ بینوا و توجروا۔

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الجواب و منه الهداية إلى الحق و الصواب

[اجمالی جواب:]

صورتِ مسؤلہ میں عام مسلمان حق پر ہیں اور وہ دو شخص خطا پر۔

[تفصیلی جواب:]

تفصیل اس اجمال کی بقدرِ ضروری یہ ہے کہ صحاح کی متعدد احادیث میں مروی ہے کہ حضور اقدس سرور عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بعض وقت، بعض امور کے ظہور کے وقت سجدہِ شکر کیا کرتے تھے۔

"مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح" صفحہ ۳۲۶ میں ہے:

روى الستة إلا النسائي عن أبي بكر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْه أن النبي صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم كان إذا أتاه أمر يسره أو بشر به خر ساجدا. إنتهى[1]

یعنی، [اصحابِ ستہ سوائے امام نسائی کے، حضرت ابو بکر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْه سے روایت کرتے ہیں کہ] جب حضوراقدس صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم کسی خوشی کے امر کو ملاحظہ فرماتے یا آپ کو اُس کی بشارت ہوتی تو آپ سجدہ شکر کرتے۔

"ابوداؤد شریف" میں مروی ہے کہ ایک روز حضور اقدس صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے تین بار دعا فرمائی اور تین ہی بار آپ نے سجدہ شکر کا کیا اور پھر آپ ارشاد فرمایا کہ اوّل مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک ثلث یعنی تیسرے حصہ کی شفاعت کی اجازت دی، پھر میں نے سوال کیا تو دوسرا ثلث بھی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دیا، پھر تیسری بار میں نے سوال کیا تو مجھ کو تیسرا ثلث بھی اللہ تعالیٰ نے دے دیا۔[2] یعنی، تمام امت کی شفاعت کا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اذن دے

---

(1)۔۔:مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة والشكر، فصل سجدة الشكر، 191/1

(2)۔۔: سنن ابوداؤد میں یہ پوری حدیث پاک اس طرح سے ہے:

دیا، اس واسطے ہم نے تین بار سجدۂ شکر کیا۔

"طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح" صفحہ ۳۲۶ میں ہے:

أنه صلى الله عليه وسلم: دعا الله ساعة ثم خر ساجدا فعله ثلاث مرات وقال إني سألت ربي وشفعت لأمتي فأعطاني ثلث أمتي فخررت ساجدا شكرا لربي ثم رفعت رأسي فسألت ربي لأمتي فأعطاني ثلث أمتي فخررت ساجدا شكرا ثم رفعت رأسي فسألت ربي لأمتي فأعطاني الثلث الأخير فخررت ساجدا لربي، رواه ابو داؤد. الخ [1]

[یعنی، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک گھڑی اللہ تعالی سے دعا کرتے رہے۔

عن عامر بن سعد عن أبيه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من مكة نريد المدينة فلما كنا قريبا من عزورا نزل ثم رفع يديه فدعا الله ساعة ثم خر ساجدا فمكث طويلا ثم قام فرفع يديه فدعا الله ساعة ثم خر ساجدا فمكث طويلا ثم قام فرفع يديه ساعة ثم خر ساجدا - ذكره أحمد ثلاثا - قال: « إني سألت ربي وشفعت لأمتي فأعطاني ثلث أمتي فخررت ساجدا شكرا لربي ثم رفعت رأسي فسألت ربي لأمتي فأعطاني ثلث أمتي فخررت سا جدا لربي شكرا ثم رفعت رأسي فسألت ربي لأمتي فأعطاني الثلث الآخر فخررت ساجدا لربي»

(سنن أبي داود: كتاب الجهاد، باب في سُجودِ الشُّكْر، رقم 2775)

یعنی، سیدنا عامر بن سعد اپنے والد ماجد (سیّدنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) سے بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معیت میں مکہ سے روانہ ہوئے، ہمارا ارادہ مدینے جانے کا تھا۔ جب ہم مقام عزورا کے قریب پہنچے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی سواری سے اتر پڑے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ایک گھڑی اللہ تعالی سے دعا کرتے رہے۔ پھر سجدے میں گر گئے اور دیر تک سجدے میں رہے۔ پھر اٹھے، اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ایک گھڑی اللہ سے دعا کرتے رہے، پھر سجدے میں گر گئے اور بڑی دیر تک سجدے میں رہے، پھر اٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور ایک گھڑی تک بلند کیے رکھے، پھر سجدے میں گر گئے۔ احمد بن صالح نے یہ عمل تین بار کا بیان کیا، فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا ہے اور اپنی امت کے لیے شفاعت کی ہے۔ پس اللہ نے مجھے میری امت کا تہائی حصہ دے دیا، تو میں اپنے رب کا شکر کرتے ہوئی سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا، اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا کی تو اس مجھے میری امت کا (مزید) تہائی حصہ عنایت فرما دیا تو میں اپنے رب کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا، اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا تو اس نے مجھے میری امت کا مزید تہائی حصہ بھی دے دیا تو میں اپنے رب کے لیے سجدے میں گر گیا۔]

(1)۔۔۔: حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، سجدة الشكر مكروهة عند أبي حنيفة رحمه الله، 500/1

پھر سجدے میں گر گئے اور یہ عمل تین بار کیا اور فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی امت کے لیے شفاعت کی ہے۔ پس اللہ نے مجھے میری امت کا تہائی حصہ دے دیا، تو میں اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا، اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا کی تو اس نے مجھے میری امت کا مزید تہائی حصہ عنایت فرمادیا تو میں اپنے رب کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا، اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا تو اس نے مجھے میری امت کا مزید تہائی حصہ بھی دے دیا تو میں اپنے رب کے لیے سجدے میں گر گیا۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔]

اسی طرح ایک وقت جبریل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ جب کوئی آپ پر صلاۃ و سلام کرتا ہے تو میں اُس پر صلاۃ و سلام کرتا ہوں تو آپ نے سجدہ شکر کیا۔

"طحطاوی" صفحہ ۳۲۶ میں ہے:

كسجوده حين بشره جبريل عليهما الصلاة والسلام أن الله تعالى يقول: لك من صلى عليك صليت عليه ومن سلم عليك سلمت عليه. انتهى[1]

[یعنی، جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سجدہ کرنا اس وقت جب جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے آپ کو یہ خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ارشاد فرماتا ہے: جو آپ پر درود پاک پڑھتا ہے، میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور جو آپ پر سلام پڑھتا ہے، میں اس پر سلام بھیجتا ہوں۔]

اسی طرح ابو جہل لعین سفاک کا سرِ ناپاک جب حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رُوبرُو لا کر ڈالا گیا تو آپ نے اُس کو دیکھ کر پانچ بار سجدۂ شکر کیا۔

"طحطاوی" میں صفحۂ مذکور میں ہے:

---

(1)۔۔: حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، سجدة الشكر مكروهة عند أبي حنيفة رحمه الله، 500/1

کرأس أبي جهل لعنه الله لما أتی به إلی النبي صلی الله علیه وسلم وألقی بین یدیه سجد لله تعالی خمس سجدات شکرا[1]

[یعنی، جیسا کہ ابو جہل لعین کا سرِ ناپاک جب حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے روبرو لاکر ڈالا گیا تو آپ نے پانچ بار سجدہ شکر کیا۔]

اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد اکابر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن نے بھی بعض مواقع میں سجدۂ شکر کیا ہے۔ چناں چہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کے روز اور حضرت سیّدنا فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یرموک کی فتح کے روز اور حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے "ذی العذبہ" کے قتل ہونے کے روز سجدۂ شکر کیا ہے۔

"طحطاوی" کے صفحۂ مذکورہ میں ہے:

کسجود أبي بکر لفتح الیمامة وقتل مسیلمة وسجود عمر عند فتح الیرموک وهو واد بناحیة الشأم وسجود علی عند رؤیة ذي العذبة قتیلا.[2]

[جیسا کہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فتح یمامہ اور مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کے روز، حضرت سیّدنا فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یرموک –یرموک شام کے نواحی علاقے میں ایک وادی ہے– کی فتح کے روز اور حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ذی العذبہ کے قتل ہونے کے روز سجدہ شکر کیا ہے۔]

چوں کہ حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہ کرام خصوصا خلفائے راشدین رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن سے بعض اوقات، بعض امور کے باعث سجدۂ شکر ثابت ہے، اس لئے ہمارے حنفی مذہب میں یہ سجدۂ شکر جائز، بلکہ مستحب ہے، نہ واجب نہ مکروہ، فتوی اسی پر ہے۔

---

(1)۔۔۔:حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح: فصل: کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، سجدة الشکر مکروهة عند أبي حنیفة رحمه الله، 500/1

(2)۔۔۔:حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح: فصل: کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، سجدة الشکر مکروهة عند أبي حنیفة رحمه الله، 500/1

"صغیری شرح منیہ" صفحہ ۳۰۵ میں ہے:

والفتوی علی أن سجدة الشکر جائزة بل مستحبة لاواجبة ولامکروهة.إنتهی[1]

[فتوی اسی پر ہے کہ سجدہِ شکر جائز، بلکہ مستحب ہے، واجب نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے۔]

اور "کبیری شرح منیہ" صفحہ ۶۲۶ میں ہے:

[قال أبو حنفية: لاتجب سجدة الشکر لأن النعم کثیرة لایمکن أن یسجد لکل نعمة فیؤدی إلی تکلیف ما لا یطاق ، ومحمد یقول: سجدة الشکر جائزة]

قال صاحب "الحجة": عندي أن قول ابي حنیفة محمول علی الإیجاب وقول محمد محمول علی الجواز والإستحباب فیعمل بهما لا یجب لکل نعمة سجدة کما قال أبو حنیفة، ولکن یجوز أن یسجد سجدة الشکر في وقت بشر بنعمة أو ذکر نعمة فشکرها بالسجدة وأنه غیر خارج عن حد الإسحباب وقد وردت فیه روایات کثیرة عن النبي صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فلا یمنع العباد عن سجدة الشکر لمافیه من الخضوع والتعبد وعلیه الفتوی. إنتهی[2]

[امام اعظم عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے ارشاد فرمایا: سجدہ شکر واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ نعمتیں کثیر ہیں، ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے کہ یہ تکلیفِ مالایطاق کی طرف لے جانے والا امر ہے اور امام محمد عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے ارشاد فرمایا: سجدہ شکر جائز ہے۔

صاحب "الحجہ" فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام ابو حنیفہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا قول وجوب اور امام محمد عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا قول جواز واستحباب پر محمول ہے اور ان دونوں اقوال پر اس طرح عمل کیا جا سکتا ہے کہ ہر نعمت پر سجدہِ شکر واجب نہیں ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے فرمایا، لیکن یہ جائز ہے کہ جس وقت، کسی شخص کو، کسی نعمت کی

---

(1)۔۔: صغیری شرح منیہ: فصل فی مسائل شتی ص 305

(2)۔۔: کبیری شرح منیہ: فصل فی مسائل شتی ص 617

بشارت ملی ہو یا اس کا بیان ہوا ہو تو وہ اس کے شکرانے میں سجدۂ شکر ادا کرے اور وہ حدِّ استحباب سے خارج نہیں ہے اور اس بارے میں حضور عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ سے بہت سی روایات مروی ہیں، لہٰذا لوگوں کو سجدۂ شکر کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ اس میں خضوع وانکساری اور عبادت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔]

"در مختار" جلد اوّل مطبوع مطبع مصر مع الشامی صفحہ ۸۱۶ میں ہے:

وسجدة الشكر مستحبة به يفتى.[1] انتهى

[سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔]

اور "شامی حاشیہ در مختار" کی جلد اوّل صفحہ ۸۱۷ میں ہے:

والأظهر أنها مستحبة كما نص عليه محمد، لأنها قد جاء فيها غير ما حديث وفعلها أبو بكر وعمر وعلي فلا يصح الجواب عن فعله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم - بالنسخ، كذا في "الحلية".[2] الخ

[اظہر یہ ہے کہ سجدۂ شکر مستحب ہے جیسا کہ امام محمد عَلَیْهِ الرَّحْمَه نے اس پر نص فرمائی ہے؛ کیوں کہ اس کے بارے میں ایک آدھ حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ ہاں! حضرت ابو بکر صدیق، حضرتِ عمر اور حضرتِ علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُم نے یہ عمل کیا ہے؛ لہٰذا حضور صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم کے فعل کے متعلق یہ کہنا کہ منسوخ ہے، صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ "حلیہ" میں ہے۔]

اور "طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح" کے صفحہ ۳۲۶ میں ہے:

في "فروق الأشباه "قال: سجدة الشكر جائزة عند الإمام لا واجبة وهو معنى ما روى أنها ليست بمشروعة ،وفي القاعدة الأولى من" الأشباه":

---

(1)۔۔۔:الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصلاة، باب: صلاة المريض، 105/1

(2)۔۔۔:رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، 119/2

والمعتمدأن الخلاف في سنيتها، لا في الجواز.[1] الخ

[''فروق الاشباہ'' میں ہے کہ سجدہِ شکر امام ابو حنیفہ عَلَیہِ الرَّحمَہ کے نزدیک جائز ہے، واجب نہیں ہے اور یہی معنی ہے اس روایت کا کہ سجدہِ شکر مشروع نہیں ہے اور'' اشباہ'' کے پہلے قاعدے میں ہے: معتمد اور صحیح یہ ہے کہ اختلاف سجدہِ شکر کی سنیت میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔]

اور ''فتاویٰ عالم گیری'' جلد اوّل صفحہ ۱۲۷ مصری پر ہے:

قال في "الحجة": ولا يمنع العباد من سجدة الشكر لما فيها من الخضوع والتعبد وعليه الفتوى، كذا في "التتارخانية".[2] الخ

[صاحب'' الحجہ ''فرماتے ہیں: لوگوں کو سجدہِ شکر کرنے سے منع نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اس میں خشوع و خضوع اور بندگی ہے اور اسی پر فتوی ہے، ''تاتارخانیہ ''میں اسی طرح ہے۔]

ان روایات سے اظہر من الشمس ہے کہ سجدہ شکر کا مطلقاً مستحب ہے بعد نماز کے ہو یا اور وقت، ہر وقت مستحب ہے، اس میں کسی طرح کا خلاف ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ہاں! جن اوقات میں سجدہ کرنا جائز نہیں یا جن وقتوں میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، اُن اوقات میں سجدۂ شکر نہ کرے، ان کے سوا اور کسی وقت مکروہ نہیں، قبل نماز کے ہو یا بعد نماز کے، ہر وقت مستحب ہے۔

[اعتراض:]

اگر کوئی معترض کہے کہ یہ جو روایت " وسجدة الشكر مستحبة به يفتى[3]

---

(1)۔۔:حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، سجدة الشكر مكروهة عند أبي حنيفة رحمه الله، 500/1

(2)۔۔:الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، 136/1

(3)۔۔:الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصلاة، باب: صلاة المريض، 105/1

[کہ سجدہِ شکر کرنا مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔]"تم نے "در مختار" سے نقل کی ہے، اُسی کے بعد بلا فصل موجود ہے:

لكنها تكره بعد الصلاة، لان الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.[1] إنتهى

[لیکن نماز کے بعد سجدہِ شکر کرنا مکروہ ہے کہ جہلا اسے سنت یا واجب اعتقاد کریں گے اور ہر وہ مباح عمل جو سنت یا واجب سمجھنے تک لے جانے والا ہو، وہ مکروہ ہے۔]

جس سے صاف ظاہر ہے کہ سجدہ شکر بعد نماز کے مکروہ ہے اور صورتِ مسؤلہ میں بھی بعد نمازِ جمعہ سجدہ شکر ہوا ہے، یہ بھی مکروہ ہونا چاہئے؟

[جواب:]

اس کا جواب یہ ہے، اس عبارتِ اخیرہ "در مختار" سے مراد سجدہ بغیر سبب ہے کہ یہ مباح ہے، اگر اُس کو بعدِ نماز ادا کیا جائے تو بسبب اعتقاد جہال کے، اُس کو سنت یا واجب کردہ ہو گا، نہ سجدہ شکر جو کسی سبب سے ہوتا ہے کہ یہ مستحب ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" جلد اوّل صفحہ ۱۲۷ میں ہے:

وأما إذا سجد بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه ومايفعل عقيب الصلوات مكروه، لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه هكذافي "الزاهدي".[2] الخ

[بہر حال جب کسی نے بغیر سبب کے سجدہ کیا تو یہ قربت نہیں ہے اور نہ ہی مکروہ ہے اور وہ سجدہ جو نمازوں کے بعد کیا جاتا ہے، وہ مکروہ ہے کہ جہلا اسے سنت یا واجب اعتقاد کریں گے اور اور ہر وہ مباح عمل جو سنت یا واجب سمجھنے تک لے جانے والا ہو، وہ مکروہ ہے، "زاہدی" میں اسی طرح ہے۔]

---

(1)۔۔:الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار: كتاب الصلاة،باب: صلاة المريض،105/1

(2)۔۔:الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة وفيه اثنان وعشرون بابا،الباب الرابع عشر في صلاة المريض،136/1

جس سے صراحۃً ظاہر ہے کہ سجدہ بغیر سبب کے مباح ہے مکروہ نہیں، اگر یہ بعد نماز کے ادا کیا جائے تو مکروہ ہوگا کہ جہال سنت یا واجب اعتقاد کریں گے، بخلاف سجدہ شکر کے کہ یہ خود صاحبِ "در مختار" کے نزدیک قربت و مستحب ہے، یہ کس طرح بعد نماز کے مکروہ ہو سکتا ہے؟

چناں چہ عبارت منقولہ "عالم گیری" کے بعد "صغیری شرح منیہ" میں ہے:

والفتوی علی أن سجدة الشکر جائزة بل مستحبة لا واجبة ولا مکروهة.[1]

[فتویٰ اسی پر ہے کہ سجدۂ شکر جائز، بلکہ مستحب ہے، واجب نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے۔]

جس سے صاف ظاہر ہے کہ سجدۂ شکر مطلقاً مستحب ہے، بعد نماز کے ہو یا اور وقت، ہر وقت مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

اگر معترض کی اس سے بھی تسلی نہ ہو تو اور سنئے:

"کبیری شرح منیہ" میں ہے:

فقد علم... مما صرح به الزاهدي کراهة السجود بعد الصلاة لغیر سبب.[2] الخ

یعنی، زاہدی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ سجدہ بغیر سبب کے، بعد نماز مکروہ ہے۔ نہ سجدۂ شکر جو سبب سے ہوتا ہے کہ یہ قربت و مستحسن ہے۔

اور "شامی حاشیہ در مختار" جلد اوّل صفحہ ۸۱۷ میں ہے:

قال في شرح "المنیة" آخر الکتاب عن "شرح القدوري" للزاهدي: أما بغیر سبب فلیس بقربة ولا مکروه وما یفعل عقیب الصلاة فمکروه، لأن الجهال یعتقدونها سنة أو واجبة وکل مباح یؤدي إلیه فمکروه. انتهی

وحاصله أن ما لیس لها سبب لا تکره ما لم یؤد فعلها إلی اعتقاد الجهلة

---

(1)۔۔: صغیری شرح منیہ: فصل فی مسائل شتی ص 305

(2)۔۔: کبیری شرح منیہ: فصل فی مسائل شتی ص 617

سنيتها كالتي يفعلها بعض الناس بعد الصلاة. [1]

یعنی، حاصل اس روایتِ اخیرہ "در مختار" منقولہ زاہدی کا یہ ہے کہ بغیر سبب کے سجدہ مباح ہے، مکروہ نہیں ہے، لیکن اگر یہ مباح سجدہ بعد نماز کے کیا جائے تو مکروہ ہے کہ اس کو جہال سنت یا واجب اعتقاد کریں گے اور سجدہ شکر تو مستحب و سنت زائدہ ہے ، یہ کسی وقت مکروہ نہیں۔

اگر اس پر بھی معترض کو تسلی نہ ہو تو اُسی "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

ويكره أن يسجد شكرا بعد الصلاة في الوقت الذي يكره فيه النفل ولا يكره في غيره كذا في "القنية". [2] الخ

[یعنی، نماز کے بعد جن اوقات میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے، ان میں سجدہ شکر کرنا بھی مکروہ ہے اور ان کے علاوہ اوقات میں مکروہ نہیں، ایسا ہی "قنیہ" میں ہے۔]

اس میں تو صاف موجود ہے کہ سجدۂ شکر بعد نماز کے مکروہ نہیں ہے، ہاں! جس وقت نوافل مکروہ ہیں، اُس وقت یہ بھی بعد نماز کے مکروہ ہے، نہ اور وقت۔

اگر معترض عنود کو اب بھی تسلی نہ ہو اور خواہ مخواہ "در مختار" کی عبارت ہی سند بناتا ہو تو آنکھ کھول کر دیکھے کہ یہاں ہمارے فقہائے کرام رَحِمَهُمُ اللهِ تَعَالٰی کی بحث میں دو سجدے ہیں:

ایک سجدۂ شکر جو کسی سبب سے ہوتا ہے، یہ ہر وقت مستحب ہے نماز کے بعد ہو یا قبل۔

دوسرا سجدہ بغیر سبب کے ، یہ بعد نماز کے مکروہ ہے بدلیلِ مذکورۂ "در مختار" اور دوسرے وقت مباح غیر مکروہ صاحب "در مختار" نے دو سجدوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ چناں چہ علامہ طحطاوی نے "حاشیہ در مختار" میں عبارت مستندہ معترض پر جلد اوّل صفحہ ۳۲۹ میں اعتراض کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

---

(1)۔۔: رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، 120/2

(2)۔۔: الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، 136/1

(قوله: لكنها) أي سجدة الشكر الخ هذا لايظهر إلا في الإعتياد و المداومة و سجدة الشكر ليس كذالک.[1]

یعنی، صاحب "در مختار" کی یہ دلیل نہیں ظاہر ہوتی مگر عادت اور ہیشگی کی حالت میں اور یہ سجدہ شکر میں موجود نہیں۔

یعنی، وہ ہمیشہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ جب کبھی کوئی نعمت ظاہر ہو یا کوئی تکلیف دور ہو، اس وقت ہوا کرتا ہے، اس سے عوام کا اعتقاد نہیں بدلتا تو پھر یہ دلیل سجدہ شکر میں جاری بھی نہیں ہوتی۔ اور بھی "طحطاوی" میں ہے:

و الذي أفاده في "شرح الملتقى": أن هذه مسئلة أخرى و هو اولى.[2] الخ

یعنی، خود صاحب "در مختار" نے "شرح ملتقی" میں جو افادہ فرمایا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دوسرا مسئلہ ہے یعنی، بغیر سبب کے سجدہ کا مسئلہ ہے، جس کو یہاں صاحب "در مختار" نے سجدہ شکر کے ساتھ ملا دیا ہے اور یہ افادہ اولی و بہتر ہے۔

[حاصلِ بحث و تحقیق:]

پس تحقیق سے کنصف النہار ظاہر و ہُوَیدا ہو گیا کہ سجدہ شکر کسی وقت حنفی مذہب میں مکروہ نہیں، قبل نماز ہو یا بعد نماز، ہر وقت جائز، بلکہ مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے اور یہی صحیح ہے، اس کا کرنے والا ماجور و مثاب ہے۔ ہاں جن وقتوں میں سجدہ کرنا منع ہے (کہ وہ طلوع آفتاب و غروب آفتاب و استوائے آفتاب کے وقت ہیں) یا جن وقتوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے (وہ بعد نماز عصر، قبل مغرب و بعد صبح (سوائے سنت) قبل طلوع ہیں) ان وقتوں میں نہ کرے، باقی کسی وقت مکروہ نہیں، بلکہ جائز و مستحب ہے. بناءً علیہ صورتِ مسؤلہ میں عام مسلمان صواب (حق) پر ہیں اور وہ دو شخص خطا پر ہیں۔

هذا ما ظهر لي في الجواب بعون الله الملک الوهاب و الله أعلم بالصواب

---

(1)۔۔: حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: كتاب الصلاة باب سجود التلاوة 329/1

(2)۔۔: حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: كتاب الصلاة باب سجود التلاوة 329/1

وإليه المرجع والمآب.

قاله بفمه وأمر برقمه:

العبد الفقير محمد عمر الدين السني الحنفي القادري الهزاروي عفا الله تعالى عنه.

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

من أجاب فقد اصاب و الله أعلم بالصواب.

نمقه: الراجي إلى رحمة ربّه الشكور عبد الغفور صانه الله عن الآفات والشرور.

(۲)

حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد

المجیب مصیب وله ثواب عظیم ومن أنكر فقد أخطأ طريق الحق و الصواب.

حرّره: أحقر العباد حسن بن نور محمد عفي عنهما و عن سائر المؤمنين والمؤمنات برحمة وهو أرحم الراحمين آمين آمين آمين.

(۳)

حضرت علامہ مولانا نجف علی خان رام پوری

صورتِ مسؤلہ مذکورہ بالا میں چوں کہ سجدہ بطورِ دوام اور لزوم نہیں تھا اور نہ اس محل پر خوفِ اعتقادِ وجوب ہے اور نہ بلا سبب ہے، پس کیوں کر اور انکارِ منکر کو گنجائش ہو گی۔ مجیب مصیب نے بہ تحقیق تمام اس وجیز تحریر میں شبہات کو دفع کر دیا ہے اور محلّ عباراتِ فقہا بتلا دیا ہے۔ جزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین

خاکسار: نجف علی خان رام پوری عفا اللہ عنہ

(۴)

تاج الفحول محب الرسول حضرت علامہ مولانا عبد القادر قادری بدایونی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسبِ تحقیقِ محقّقین کے سجدہ شکر واسطے ادائے شکر کسی نعمتِ خاص کے احادیث و آثارِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ پس راجح و مفتی بہ اُس کا جواز ہے اور تحقیق حضرت مجیب مصیب کی موافق محقّقین سابقین کے ہے۔ فقط

افضل علمائے اہلِ سنت (حرّرہ: الفقیر عبد القادر القادری عفی عنہ) تاج الفحول محب الرسول بدایونی

(۵)

حضرت علامہ مولانا عبد القیوم قادری بدایونی

الجواب صحیح و صواب و المجیب مصیب و مثاب مدّظلّہ العالی

حرّرہ: عبد القیوم القادری عفی عنہ

❁❁❁❁

بتشریح تمام یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے کہ بغیر پگڑی کے نماز مکروہ نہیں ہوتی، اس امر کی تصدیق میں اکثر علمائے محققین کے عبارات ومواہیر درج ہیں

إزالة الملامة عن الإمامة بغير العمامة

عمامہ کے بغیر امامت کا حکم

تصنیف

جناب مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی مقیم بمبئی زید مجدہم السامی

[م۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال :

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین کہ کُرتا، پاجامہ، ٹوپی سے بغیر پگڑی کے امامت کرانا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

[اجمالی جواب :]

الجواب و منہ الھدایۃ الی الحق و الصواب

صورتِ مسؤلہ میں نماز پڑھنا یا امامت کرانا ٹوپی سے، بغیر پگڑی کے، جائز بلا کراہت ہے۔

[تفصیلی جواب :]

تفصیل اس اجمال کی بقدرِ ضرورت یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زائد کپڑے موجود ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپ کر نماز پڑھی ہے اور اسی طرح آپ نے صرف ایک کپڑے سے امامت بھی کرائی ہے۔

[دلائل از کتبِ احادیث :]

ہمارے امامِ اعظم سیّد المجتہدین سیّدنا ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے روایت فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ.(1)

یعنی، حضورِ اقدس سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپ کر نماز ادا فرمائی۔

اور امام ابو جعفر طحاوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حضرت اُمِّ ہانی بن ابی طالب رَضِیَ

(1)۔۔۔مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي: كِتَابُ الصَّلَاةِ، رقم 5

اللہ تعالٰی عَنہا سے روایت کرتے ہیں، ایک طویل حدیث میں:

«قالت: فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فَسَكَبَتْ لَهُ غِسْلًا فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُخَالِفًا بَيْنَ طَرَفَيْهِ رَكَعَاتٍ» (1)

یعنی، [حضرت امّ ہانی رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنہا کو حکم فرمایا، انہوں نے آپ کے لئے غسل کا پانی ڈالا،] حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعد غسل کے ایک کپڑے سے، بہت رکعتیں ادا فرمائیں [اور اس کپڑے کی اطراف کو ایک دوسری جانب کے خلاف باندھنے والے تھے۔]

اور بھی حضرت عبد اللہ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنہما سے روایت کرتے ہیں:

«قال: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي بُرْدٍ لَهُ حَضْرَمِيٍّ، مُتَوَشِّحًا بِهِ، مَا عَلَيْهِ غَيْرُهُ» (2)

یعنی، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف ایک حضرمی چادر سے نماز ادا فرمائی، آپ پر کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا۔

اور بھی حضرت ابی سعید رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنہ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَآهُ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُتَوَشِّحًا بِهِ» (3)

یعنی، ابو سعید رَضِیَ اللہُ عَنہ خدمتِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور سیّد عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ تعالٰی وَسَلَّم ایک کپڑے سے نماز ادا فرما رہے ہیں۔

اور بھی حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنہ سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ

---

(1)۔۔: شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2234)

(2)۔۔: شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2238)

(3)۔۔: شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2240)

فَلْيَتَعَطَّفْ بِهِ»[1]

یعنی، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم سے کوئی ایک کپڑے سے نماز پڑھے تو اُس سے سب بدن ڈھانپ لیا کرے۔

اور بھی حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُخَالِفًا بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ، وَثَوْبُهُ عَلَى الْمِشْجَبِ»[2]

یعنی، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک کپڑے سے نماز ادا فرمائی تھی اور آپ کا دوسرا کپڑا، کپڑے رکھنے کی لکڑیوں پر پڑا تھا۔

[حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ اس کپڑے کے دونوں اطراف کو مخالف کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے اور اس وقت آپ کے کپڑے کھونٹے (کپڑے رکھنے کی لکڑیوں) پر تھے۔]

اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ»[3]

یعنی، حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت امّ المؤمنین امِّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا کے مکان میں ایک کپڑے سے نماز ادا فرمائی اور دونوں طرف اُس کے، آپ کے مونڈھوں شریف پر تھے۔

اور دوسری روایت اُن سے اس طرح کی ہے:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُلْتَحِفًا بِهِ، مُخَالِفًا

---

(1)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2242)

(2)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2243)

(3)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2245)

بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْهِ»[1]

[یعنی، حضرت عمر بن ابی سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کے دونوں کنارے ان کے مخالف کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔]

اور حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ [على عاتقيه]»[2]

[یعنی، جب تم میں سے کوئی ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے دونوں کنارے ان کے مخالف کندھوں پر ڈال لیا کرے۔]

اور طلق کے باپ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ، عَنِ الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمْ يَقُلْ لَهُ شَيْئًا، فَلَمَّا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ قَارَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ، فَصَلَّى فِيهِمَا»[3]

یعنی، طلق کے باپ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ دربارِ مقدّس نبوی میں حاضر ہوئے کہ ایک شخص نے حضور اقدس سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا، حضور اقدس سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو کچھ جواب نہ دیا؛ یہاں تک کہ جماعت کے واسطے اقامت ہوئی، آپ نے تہبند شریف اور چادر مبارک کو ملا کر، دونوں کو ایک کپڑے کی صورت کر کے، اُس سے تمام مقدّس بدن کو ڈھانپ کر، امامت کرائی۔

امام ابو داوٗد عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے "سنن شریف" میں اس حدیث کو قدرے زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے:

---

(1)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2246)

(2)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2249)

(3)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2229)

[عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيهِ] قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ مَا تَرَى فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، قَالَ: فَأَطْلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِزَارَهُ وَطَارَقَ بِهِ رِدَاءَهُ، فَاشْتَمَلَ بِهِمَا، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى بِنَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَنْ قَضَى الصَّلَاةَ، قَالَ: «أَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟» (1)

[یعنی، قیس بن طلق سے روایت ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت طلق بن علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک آدمی آکر عرض گزار ہوا کہ یانبی اللہ !ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے تہبند اور چادر کو ایک دوسرے پر منطبق کرکے دونوں کو اپنے اوپر لپیٹ لیا، پھر نبی کریم صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کو دو کپڑے میسر ہیں؟]

اور حضرت عمار بن یاسر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال: قَالَ أُبَيٌّ: «أَمَّنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُتَوَشِّحًا بِهِ» (2)

یعنی حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک وقت حضور سرورعالم صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے امامت کرائی، ایک کپڑے سے اور آپ کا بدن شریف تمام، اُس سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام رَضِیَ اللهُ عَنہُم نے بھی زائد کپڑے ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑے سے امامت کرائی اور تنہا بھی نماز ادا فرمائی ہے۔

ہمارے امام اعظم سیّد الفقہاوالمحدثین سیّدنا ابو حنیفہ رَحمَةُ اللهِ عَلَيْه حضرت جابر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنہ سے روایت فرماتے ہیں:

«أَنَّهُ أَمَّهُمْ فِي قَمِيصٍ وَاحِدٍ، وَعِنْدَهُ فَضْلُ ثِيَابٍ، يُعَرِّفُنَا سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى

---

(1)۔۔۔:سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب جماع أبواب ما يصلّى فيه، رقم 629)

(2)۔۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2239)

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ»[1]

یعنی، ایک وقت حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اور کپڑے ہوتے ہوئے ایک قمیص سے امامت کرائی؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حضور اقدس سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بھی ایک کپڑے سے نماز پڑھائی ہے۔

اور "صحیح بخاری" شریف میں امام بخاری عَلَیْہِ الرَّحْمَہ حضرت سیّدنا ابو جعفر امام محمد باقر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ وَأَبُوهُ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ فَسَأَلُوهُ عَنِ الغُسْلِ، فَقَالَ: «يَكْفِيكَ صَاعٌ»، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا يَكْفِينِي، فَقَالَ جَابِرٌ: «كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا، وَخَيْرٌ مِنْكَ» ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ.[2]

[یعنی، ابو جعفر سے روایت ہے کہ وہ اور ان کے والد ماجد حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے پاس تھے اور ان کے پاس اور بھی لوگ تھے، انھوں نے ان سے غسل کے متعلق پوچھا: فرمایا کہ تمہارے لئے ایک صاع پانی کافی ہے، ایک شخص نے کہا کہ میرے لئے تو کافی نہیں ہے، حضرت جابر نے فرمایا کہ اتنا پانی ان کے لئے کافی ہوتا تھا جن کے تم سے زیادہ بال تھے اور تم سے بہتر تھے، پھر ایک کپڑے میں ہماری امامت فرمائی۔]

علامہ کرمانی "شرح بخاری" میں لکھتے ہیں:

قوله: (ثم أمنا) أما مقول جابر وهو عطف على كان يكفي فالإمام رسول الله صَلَّى الله عليه وسلّم، وأما مقول أبي جعفر فهو عطف على فقال جابر فالامام جابر رضي الله عنه.[3]

یعنی، اس حدیث شریف میں دو احتمال ہیں: اگر (أمنا) حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ

---

(1)۔۔: مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي: كِتَابُ الصَّلَاةِ، رقم 3)

(2)۔۔: صحيح البخاري: كِتَابُ الغُسْلِ، بَابُ الغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ، رقم 252)

(3)۔۔: الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري: كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه، (116/3

کا، فرمودہ ہو تو صرف ایک کپڑے سے حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امامت کرائی ہے اور اگر حضرت امام محمد باقر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا، فرمودہ ہو تو امامت حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے کرائی ہے۔

اگرچہ امام عینی نے "شرح بخاری" میں دوسرے احتمال کو اختیار فرمایا ہے، مگر اوّل احتمال کو ردّ نہیں کیا، بلکہ ردّ کرنے والے کو دندان شکن جواب دیا ہے۔ بہر حال ہمارا مطلب دونوں احتمال سے حاصل ہے۔

اور عبد الرزاق نے مسعود بن حراش سے روایت کی ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ «أَمَّهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ»(1)

یعنی، حضرت سیّدنا فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے ایک وقت صرف ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپ کر امامت کرائی۔

اور امام ابو جعفر طحاوی حنفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ: «أَمَّنَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ، فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ، وَخَلْفَهُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»(2)

[قیس بن ابی حازم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت خالد بن ولید نے یرموک کے دن نماز پڑھائی، آپ نے ایک ہی کپڑا پہنا ہوا تھا اور اس کی دونوں اطراف مخالف سمت میں باندھ رکھی تھیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے اصحابِ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تھے۔]

یعنی، حضرت سیف اللہ خالد ابن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کو یرموک کی لڑائی کے روز ایک کپڑے سے امامت کرائی۔

اور ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے حضرت اسما بنت ابی بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھما سے

---

(1)۔۔:المصنف: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يَكْفِي الرَّجُلَ مِنَ الثِّيَابِ، رقم 1382)
(2)۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2259)

روایت کی ہے:

قالت: رَأَيْتُ أَبِي، يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ فقلت يا أبتي أ تصلى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَثِيَابک مَوْضُوعَةٌ، فَقَالَ: «يَا بُنَيَّةُ، أَنَّ آخِرَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفِي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ» (1)

یعنی، حضرت اسما [رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْها] فرماتی ہیں کہ میں نے، میرے والد ماجد حضرت صدیق اکبر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه کو صرف ایک کپڑے سے نماز ادا فرماتے دیکھ کر عرض کی: اے باباجان! آپ ایک کپڑے سے نماز ادا فرماتے ہیں اور آپ کے پاس زائد کپڑے موجود ہیں؟ تو آپ نے مجھ کو ارشاد فرمایا: اے میری بچی! آخری نماز جو حضور اقدس سیّد عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے میرے پیچھے ادا فرمائی تھی، وہ ایک ہی کپڑے سے تھی۔

اور مسدّد نے محمد بن الحنفیہ سے روایت کی ہے:

أَنَّ عليا كان لا يرى بَأْسا أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ فِي الثَوْبِ الوَاحِدِ و كان يُصَلِّي فِي الثَوْبِ الوَاحِدِ، قد خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ. (2)

یعنی، حضرت سیّدنا امیر المؤمنین علی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه ایک کپڑے سے نماز جائز جانتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی ایک کپڑے سے ادا فرماتے تھے۔

اور امام ابو جعفر طحاوی حنفی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه عمرو بن الحارث سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَّ، أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ يُصَلِّي مُلْتَحِفًا بِثَوْبِهِ، وَثِيَابُهُ قَرِيبَةٌ مِنْهُ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيْنَا فَقَالَ: «إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِكَيْمَا تَرَوْا، وَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِکَ». (3)

---

(1)۔۔۔:المصنف: كِتَابُ الصَّلَوات، باب فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 3195)=مسند أبي يعلى: مُسْنَدُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رقم 51)

(2)۔۔۔:اس کی تخریج نہیں مل سکی۔

(3)۔۔۔:شرح معاني الآثار: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 2241)

[ابو الزبیر مکی کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی خدمت میں گیا، جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ایک کپڑا لپیٹا ہوا تھا اور ان کے کپڑے ان کے قریب پڑے تھے، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ میں نے تمہاری خاطر کیا؛ تا کہ تم دیکھ لو، بے شک میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔]

یعنی، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے پاس زاہد کپڑے موجود تھے، مگر پھر بھی ایک کپڑے سے نماز ادا فرمائی؛ تا کہ حاضرین کو جتا دیں کہ حضور اقدس سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی اس طرح نماز ادا فرمائی ہے۔

اور امام ابن خزیمہ حضرت ابی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے روایت کرتے ہیں:

كُنَّا نُصَلِّي فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَنَا ثَوْبَانُ.[1]

یعنی، حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وقت میں ہمارے پاس زائد کپڑے ہوتے ہوئے، پر بھی ہم کبھی کبھی ایک کپڑے سے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

[جمہور کا مسلک:]

امام عینی حنفی رَحِمَہُ اللّٰہُ آٹھویں حدیث کی شرح میں "شرح صحیح بخاری" شریف میں فرماتے ہیں:

ذَهب جُمْهُور أهل الْعلم من الصَّحَابَة وَالتَّابِعينَ إِلَى أَن الصَّلَاة فِي ثوب وَاحِد تجوز وَالَّذين ذَهَبُوا إِلَى ذَلِك جمَاعَة من الصَّحَابَة وهم ابن عَبَّاس وَأَبُو هُرَيْرَة وَأَبُو سعيد الْخُدرِيّ وَعلي بن أبي طَالب وَمُعَاوِيَة بن أبي سُفْيَان وَأنس بن مَالك وخَالِد بن الْوَلِيد وَجَابِر بن عبد الله وعمار بن يَاسر وَأبي بن كَعْب وَعَائِشَة وَأَسْمَاء وَأم هَانِيء رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُم وَمن التَّابِعين الْحسن الْبَصْرِيّ وَمُحَمّد بن سِيرِين وَالشعْبِيّ وَسَعِيد بن الْمسيب وَأَبُو سَلمَة بن عبد الرَّحْمَن وَمُحَمّد بن الْحَنَفِيَّة

(1)۔۔۔: صحيح ابن خزيمة: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، رقم 760)

وَعَطَاء بن أبي رَبَاح وَعِكْرِمَة وَأبو حنيفة رَضِي الله تَعَالَى عَنهم وَمن الْفُقَهَاء أَبُو يُوسُف وَمُحَمّد وَمَالك وَالشَّافِعِيّ وَأحمد فِي رِوَايَة وَإِسْحَاق بن رَاهَوَيْه وَآخرُونَ كَثِيرُونَ. انتهى[1]

[جمہور اہلِ علم یعنی، صحابہ و تابعین میں سے حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت انس بن مالک، حضرت خالد بن ولید، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت اسما اور حضرت ام ہانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنہم اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت شعبی، حضرت سعید بن مسیب، حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت عکرمہ اور حضرت امام ابو حنیفہ اور فقہا میں سے حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد، حضرت اسحاق بن راہویہ اور بہت سے دیگر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے۔]

جب حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعض اوقات زائد کپڑے موجود ہوتے ہوئے بھی ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپ کر نماز ادا فرمائی اور امامت بھی کرائی، اسی طرح صحابہِ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنہم خصوصاً حضرت امیر المؤمنین سیّدنا فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنہ و حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنہ اور حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ عَنہ نے زائد کپڑے ہوتے ہوئے ایک کپڑے سے نماز پڑھی اور پڑھائی ہے اور نیز جمہور صحابہ و تابعین و فقہا و محدّثین خصوصاً ہمارے امام اعظم حضرت سیّدنا ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ کے نزدیک اسی طرح سے ایک کپڑے سے نماز جائز ہے تو کرتا، پاجامہ، ٹوپی سر پر ہوتے ہوئے صرف پگڑی کے نہ ہونے سے نماز پڑھنا یا امامت

---

(1)۔۔۔عمدة القاري شرح صحيح البخاري: كِتَابُ الصَّلاةِ، باب الصَّلاةِ فِي الثوب الواحد به، رقم 91-90/356،4)

کرانا کس طرح مکروہ ہو سکتا ہے؟

[دلائل از کتبِ فقہ:]

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَفِي "الْخُلَاصَةِ" وَغَيْرِهَا لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ جَمِيعَ بَدَنِهِ وَيَؤُمَّ كَذٰلِكَ. الخ[1]

[یعنی "خلاصہ" وغیرہا میں ہے کہ ایک کپڑے سے تمام بدن ڈھانپ کر نماز پڑھنے، پڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔]

اور یہ بھی واضح رہے کہ اس طرح سے ایک کپڑے سے حضور اقدس سرورِ عالم صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم و صحابہ کرام کا نماز پڑھنا یا امامت کرانا بعض اوقات صرف جواز بلا کراہت کے لئے تھا، ورنہ اکثر اوقات زائد کپڑوں سے نماز ادا کرنا اور امامت کرانا ثابت ہے اور یہی افضل و بہتر ہے۔

حضرت جابر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه کی پہلی حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری "شرح مسند امام اعظم" رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه میں لکھتے ہیں:

وهذا كله دليل لبيان الجواز وإلا فالأفضل أن يصلى في ثوبين لما تقدم. الخ[2]

[یعنی، یہ تمام احادیث و دلائل بیانِ جواز کے لئے ہیں، ورنہ افضل یہ ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھی جائے، جیسا کہ گزر چکا۔]

بے شک تین کپڑوں، کرتا، پاجامہ یا تہبند کے ساتھ پگڑی یا ٹوپی وغیرہ سے سر کو ڈھانپ کر نماز پڑھنا یا امامت کرانا مستحب و افضل ہے اور ہمارے فقہائے کرام احناف، کتبِ مذہب میں اس پر واضح تصریح فرماتے ہیں۔

"منیہ" اور اس کی شرح "کبیری" میں ہے:

---

(1)۔۔:البحر الرائق شرح كنز الدقائق: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا، 26/2)

(2)۔۔:شرح مسند أبي حنيفة: ذكر إسناده عن أبي الزبير محمد بن سالم المكي، 164/1)

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص وإزار وعمامة. أما لو صلى في ثوب واحد متوشحا به جميع بدنه...جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الزائد. الخ[1]

[یعنی، مستحب یہ ہے کہ بندہ تین کپڑوں، قمیص، ازار اور عمامہ میں نماز پڑھے، لیکن اگر کسی شخص نے ایک ہی کپڑے سے تمام بدن ڈھانپ کر نماز پڑھی تو اس کی نماز بلا کراہت جائز ہے۔]

اور علامہ ابن امیر حاج "حلبہ شرح منیہ" میں لکھتے ہیں:

وفي "التحفة" و "البدائع": وأما المستحب فهو أن يصلي في ثلاثة أثواب: قميص وإزار وعمامة، كذا ذكره الفقيه أبو جعفر الهندواني في "غريب الرواية" عن أصحابنا، ومشى عليه في "الحاوي القدسي".

وقال محمد رحمه الله تعالى: إن المستحب للرجل أن يصلي في ثوبين: إزار ورداء؛ لأن به يحصل ستر العورة والزينة جميعا.

قلت: وهو موافق لما قدمناه عن ابي حنيفة رحمه الله من أنه أخلاق الكرام. ثم يمكن أن يكون المراد بالنسبة إلى ماعدا الرأس للعلم باستحباب ستره بعمامة ونحوها (أي: القلنسوة)[2] وجريان العادة غالباً بذالک كما قدمنا مثله في "التوشيح": ويجوز أن يكون هو ايضاً الحامل على عدم التعرض لستر الرأس. الخ[3]

["تحفہ" اور "بدائع الصنائع" میں ہے: تین کپڑوں قمیص، ازار اور عمامہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ فقیہ ابو جعفر الہندوانی نے "غریب الرّوایہ" میں ہمارے

---

(1)۔۔: غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی معروف بہ کبیری، فصل فی مایکرہ فعلہ فی الصلاۃ ومالا یکرہ، ص 349)

(2)۔۔: یہ بریکٹ کا اضافہ حضرت ہزاروی کی طرف سے ہے۔

(3)۔۔: حلبۃ المجلی وبغیۃ المهتدی فی شرح منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی: فصل فیما یکرہ فعلہ فی الصلاۃ ومالا یکرہ، 2/246۔247

اصحاب سے روایت کیا ہے اور "الحاوی القدسی" میں قاضی جمال الدین احمد بن محمد غزنوی حنفی نے اس کو اختیار کیا ہے۔

اور امام محمد فرماتے ہیں: مرد کے لئے دو کپڑوں ازار اور چادر میں نماز پڑھنا مستحب ہے، تاکہ ستر عورت اور زینت دونوں حاصل ہو جائیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول امام اعظم سے مروی بیان کردہ قول کے موافق ہے یعنی، یہ اچھے اخلاق میں سے ہے۔

پھر سر کے علاوہ کی طرف اسناد سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سر کو عمامے یا اس کی مثل یعنی، ٹوپی وغیرہ سے ڈھانپنے کے استحباب کا علم ہو جائے۔ لوگوں میں اس عادت کا عام رواج ہے، جیسا کہ ہم نے اس طرح کی بحث توشیح کے بیان میں کر چکے ہیں۔ اور سر کے علاوہ کی طرف نسبت کرنے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ سر کو ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔]

اور بھی علامہ مذکور اس میں دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

ثم يتخلص أن المستحب من اللبس في حالة السعة للرجل إزار و رداء و عمامة أو نحوها أو قميص و إزار و عمامة أو نحوها....وأن الجائز منه من غير كراهة للرجل التوشح بالثوب الواحد مع تغطية الرأس ببعضه، إن لم يكن مستورا بعمامة أو نحوها. الخ[1]

[خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرد کے لیے وسعت کی حالت میں ازار، چادر اور عمامہ یا اس کی مثل کوئی شے، یا قمیص، ازار اور عمامہ یا اس کی مثل کوئی چیز پہننا مستحب ہے۔ اور مرد کے لیے ایک ہی کپڑے سے بدن کو لپیٹنا اور سر کو ڈھانپنا، اگرچہ سر عمامے یا اس کی مثل کسی چیز سے چھپا ہوا نہ ہو، بغیر کراہت کے جائز ہے۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

---

(1)۔۔: حلبة المجلي و بغية المهتدي في شرح منية المصلي و غنية المبتدي: فصل فيما يكره فعله في الصلاة و ما لا يكره 248/2

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص وإزا ن وعمامة. أما لو صلى في ثوب واحد متوشحا به تجوز صلاته من غير كراهة.[1]

[یعنی، مستحب یہ ہے کہ بندہ تین کپڑوں، قمیص، ازار اور عمامہ میں نماز پڑھے، لیکن اگر کسی شخص نے ایک ہی کپڑے سے تمام بدن ڈھانپ کر نماز پڑھی تو اس کی نماز بلا کراہت جائز ہے۔]

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ قَمِيصٍ وَإِزَارٍ وَعِمَامَةٍ أَمَّا لَوْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ جَمِيعَ بَدَنِهِ كَإِزَارِ الْمَيِّتِ تَجُوزُ صَلَاتُهُ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ .... وَفَسَّرَ فِي " الذَّخِيرَةِ "التَّوْشِيحَ أَنْ يَكُونَ الثَّوْبُ طَوِيلًا يَتَوَشَّحُ بِهِ فَيَجْعَلُ بَعْضَهُ عَلَى رَأْسِهِ وَبَعْضَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَعَلَى كُلِّ مَوْضِعٍ مِنْ بَدَنِهِ. الخ[2]

[اور مرد کے لیے تین کپڑوں قمیص، ازار اور عمامے میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور اگر کسی نے میت کے ازار کی طرح ایک ہی کپڑے سے اپنے بدن کو لپیٹ کر نماز پڑھی تو اس کی نماز بغیر کراہت کے جائز ہے۔۔۔۔ ذخیرہ میں توشیح کی یہ تفسیر کی ہے کہ اتنا لمبا کپڑا ہو کہ آدمی اس سے اپنا بدن لپیٹ لے، بعض حصے کو سر پر، بعض کو کندھوں پر اور بدن کے تما حصوں پر رکھ لے۔]

[اعتراض:]

اگر کوئی معترض کہے کہ "عالم گیری" وغیرہ بعض کتب کی عبارات میں کرتا، پاجامہ، یا تہبند کے ساتھ پگڑی سے نماز پڑھنا مستحب لکھا ہوا ہے. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر پگڑی کے نماز غیر مستحب و خلافِ اولی ہے اور یہی کراہت تنزیہی ہے۔

[جواب:]

(1)۔۔:الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، 59/1)

(2)۔۔:البحر الرائق شرح كنز الدقائق: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا، 27/2)

توجواب اس کا اوّلاً یہ ہے کہ دوسری بعض کتب میں عمامہ کے ساتھ "أو نحوها "کالفظ بھی موجود ہے جیسے "حلیہ شرح منیہ"، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کرتا، پاجامہ کے ساتھ پگڑی وغیرہ سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا مستحب ہے، نہ صرف پگڑی سے ،بلکہ جس طرح پگڑی سے مستحب ہے، اُسی طرح ٹوپی سے بھی مستحب ہے۔

ثانیا: یہ کہ نفیِ استحباب سے کراہت لازم نہیں آتی، کراہت کے واسطے خاص دلیل ہونا چاہئے۔

علامہ شامی "حاشیہ در مختار" میں لکھتے ہیں:

أقول: لکن صرح في "البحر" في صلاۃ العید عند مسألة الأکل بأنه لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھة إذ لا بد لھا من دلیل خاص.[1]

[یعنی، میں کہتا ہوں: لیکن "بحر" "صلاۃ العید عند مسألة الأکل "میں تصریح ہے کہ ترکِ مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی؛ کیوں کہ اس کے لئے دلیلِ خاص کی ضرورت ہوتی ہے]

اس کے علاوہ اُسی "عالم گیری" وغیرہ میں اُسی جاے پر موجود ہے:

أما لو صلی في ثوب واحد متوشحا به تجوز صلاته من غیر کراھة. الخ[2]

[یعنی، اگر کسی شخص نے ایک ہی کپڑے سے تمام بدن ڈھانپ کر نماز پڑھی تو اس کی نماز بلا کراہت جائز ہے۔]

بہر حال نفیِ استحباب سے کراہت لازم نہیں ہوتی۔

[حاصلِ بحث و تحقیق:]

الغرض صورتِ مسؤلہ میں ٹوپی سے امامت کرنا ہر گز ہر گز مکروہ نہیں ہے، جو مکروہ کہتا ہے قول اس کا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

---

(1)۔۔:رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، 653/1)

(2)۔۔:الفتاوی الھندیة: کتاب الصلاۃ، الباب الثالث في شروط الصلاۃ، الفصل الأول في الطھارۃ وستر العورۃ، 59/1)

مولوی عبد الحی لکھنوی نے بھی اس مسئلے کو "عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ"[1] میں ہمارے موافق لکھا ہے:

وقد ذکروا أن المستحب أن یصلي في قمیص و إزار و عمامة ولایکره الإکتفاء بالقلنسوة ولاعبرة لمااشتهر بین العوام من کراهة ذالک وکذا مااشتهر أن المؤتم لوکان معتما لعمامة والإمام مکتفیا علی قلنسوة یکره.انتهی[2]

[فقہا نے لکھا ہے کہ مرد کا قمیص، ازار اور عمامہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور (عمامہ کے بجائے) فقط ٹوپی میں پڑھنا بھی مکروہ نہیں ہے اور عوام میں جو اس کا مکروہ ہونا مشہور ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح یہ جو مشہور ہے کہ مقتدی نے اگر عمامہ پہنا تھا اور امام نے ٹوپی تو یہ مکروہ ہے، اس کا بھی اعتبار نہیں۔]

هذاماظهر لي في الجواب بعون الله الملک الوهاب و صلی الله تعالی علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و آله و أصحابه و أولیاء أمته أجمعین و سلم.

قاله بفمه وأمر برقمه:العبد الفقیر محمد عمر الدین السني الحنفي القادري الهزاروي عفاالله تعالی عنه.

---

(1)۔۔: مفتی علام دام فیضہ نے "عمدۃ الرعایہ" کی عبارت استناداً نہیں لکھی ہے، جیسا کہ طرزِ تحریر سے صاف واضح ہوتا ہے، بلکہ اس کے اندراج کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی کو چوں وچرا کا موقع نہ ملے، سب کے نزدیک مسلّم ٹھہرے، حتّٰی کہ متّبعینِ مولوی عبدالحی صاحب بھی اس تحقیق انیق کو بلا تائل تسلیم فرمالیں؛ کیوں کہ مولانا مفتی صاحب و دیگر محقّقین علمائے اہلِ سنت کے نزدیک اکثر تصانیف مولوی عبدالحی صاحب کی مثل "عمدۃ الرعایہ" و "تعلیق الممجد" وغیرہ کے عموماً معتبر و قابلِ استناد نہیں۔ ۱۲ مصحّح

(2)۔۔: عمد الرعایة حاشیه شرح وقایه: کتاب الصلاۃ باب مایفسد الصلاۃ ومایکره فیها، المجلد الاول، ص 198، حاشیہ نمبر 2)

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

ماأجاب به المجيب اللبيب فهو فيه مصيب.

نمقه: الراجى الى رحمة ربه الشكور عبد الغفور صانه الله عن الآفات و الشرور

(۲)

حضرت علامہ مولانا مرزا محمد

قد اصاب المجيب فى الصواب والله الهادي إلى الحق و الصواب.

حرّره: الراجي إلى رحمة ربه الصمد مرزا محمد عفي عنه

(۳)

حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد

المجيب مصيب وله أجر عظيم

حرّره: حسن بن نور محمد عفى عنهما

(۴)

حضرت علامہ مولانا سیّد حیدر شاہ حنفی قادری

الجواب صحيح و المجيب فهو مصيب، فی الواقع صورتِ مسؤلہ میں نماز پڑھنا یا امامت کرانا ٹوپی سے بلا کراہت جائز ہے۔

حرّره: الراجي عفو ربه القوي عبد النبي الأمي السيد حيدر شاه القادري الحنفي تجاوز الله تعالى عن ذنبه الجلي و الخفي وحفظه عن موجبات الكي والغي، متوطّن کچھ بھوج المعروف پیر بھڑ والہ نزيل بمبئى.

(۵)

حضرت علامہ مولانا محمد ہدایۃ الرسول لکھنوی

حضرت منعم مجید جلّ مجدہ، جناب مجیب لبیب مدّ ظلّہ کو دارین کی عمدہ نعمتوں سے مشرّف و ممتاز فرمائے، جنھوں نے اس مسئلہ میں داد تحقیق دی ہے اور ایک ایک لفظ اُن کی گرامی تحقیق کا، حق و صواب بلاارتیاب ہے۔فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء.

خاکسار: محمد ہدایت الرسول لکھنوی عفی عنہ، بقلم خود

(۶)

حضرت علامہ مولانا محمد علی اکبر علوی نقشبندی

المجیب رشیق وھو بالإتباع حقیق وبیدہ أزمۃ التوفیق.

العبد محمد علی اکبر علوی نقشبندی

مواہیر علمائے بریلی

(۷)

امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خان حنفی قادری محدّثِ بریلوی

اللھم لک الحمد الحکم الذي ذکرہ الفاضل المجیب فھو فیہ محق مصیب.

فی الواقع بے عمامہ کے صرف ٹوپی سے امامت، موجبِ کراہت نہیں، اگرچہ عمامہ احسن وافضل ہے۔ہاں! بالکل برہنہ سر نماز مکروہ ہے، وہ بھی جب کہ براہِ کسل ہو اور اگر بہ نیت تذلل ہے تو وہی افضل ہے۔علی مانصّ علیہ إمام برھان الدین صاحب "الھدایۃ" رحمہ اللہ تعالی في "التجنیس والمزید".

"مراقی الفلاح" میں ہے:

تکرہ وھو مکشوف الرأس تکاسلا لترک الوقار لا للتذلل والتضرع،

وقال في "التجنيس": يستحب له ذالک.

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

(قوله: ويستحب له ذالک) به علم ردّ قول من قال: أنه عند قصد ذالک خلاف الاولى. والله سبحانه وتعالى أعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم.

كتبه: عبده المذنب أحمد رضا البريلوي عفي عنه بمحمد ن المصطفى النبي الأمي صلى الله تعالى عليه وسلم.

عبدہٗ المصطفیٰ احمد رضا خان

(۸)

حضرت علامہ مولانا سلطان محمد خان

سلطان احمد خان

مواہیر علمائے بدایوں

(۹)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر قادری بدایونی

بسم الله الرّحمٰن الرّحيم

وبه نستعين، نحمده ونصلي على رسوله الكريم وآله وصحبه وأولياء أمته أجمعين.

ما اجاب به مولانا المحقق المدقّق حامى الدين المتين مولانا عمر الدين لازال حاميا للسنة وماحيا لفتنة المبتدعين فهو حق صريح مبين.

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا، پڑھانا افضل و اولی ہے، مگر بغیر عمامہ کے امامت پر اطلاق، کراہت تحریمی یا تنزیہی صحیح نہیں کہ ترکِ اولی کراہت کو مستلزم نہیں ہے۔ کما صرّح به المحقّقون من الفقهاء فی کتبهم، والله اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم.

حرّرہ: العبد المفتقر مطیع الرسول عبد المقتدر الحنفی القادری البدایونی کان اللہ لہ

(۱۰)
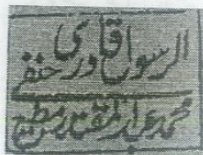
حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد قادری بدایونی

المجیب مصیب.

حرّرہ: العبد المعتصم بذیل النبی الامجد عبد الرسول محب احمد عفا اللہ عنہ، المدرّس بالمدرسۃ السنیۃ الکائنۃ بالجامع الشمسی من بلدۃ بدایون

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش حنفی بدایونی

محمد حافظ بخش حنفی مدرس مدرسہ اسلامیہ، چودھری گنج بدایون

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری بدایونی

الجواب صحیح والرای نجیح.

حرّرہ: العبد الآثم محمد ابراھیم الحنفی القادری البدایونی
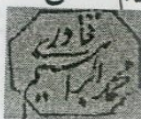
مواہیر مدرسین مدرسہ اہلِ سنت والجماعت واقعہ عظیم آباد پٹنہ بخشی محلہ

(۱۳)

حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدّثِ سورتی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد لله الذي أبدع هيولانا، ثم صورها في أحسن تقويم ثم ربانا إلى أن رقانا إلى علو البيان والتهئ للإقتباس من مشكاة نور النبوة وكرمنا أحسن تكريم ثم علمنا فأحسن تعليمنا وأدبنا فأحسن تأديبنا إلى أن هداناوجعلنا مسلمين ثم أنعم علينا نعمة ليس في وسع منعم عليه شكرها فسلك بنا سنة وطريقة لايضل سالكها وهي ماعليه السلف الصالحون من الصحابة والمجتهدون في الدين من التابعين وتبع التابعين.

والصلاة والسلام على أول مخلوق من نور وآخر مبعوث من نبي ختم به النبيين فلم يكن نبي آخر في زمانه ولافيما بعده ولم يكن كما هو مصرح به في أسفار الأئمة من المتكلمين المحدثين ومن رسول أرسله الله تعالى رحمة للعلمين وأعطاه علم الأولين والآخرين فكان من نعته الشريف ووصفه المنيف.

وأشهد أن الله لا ربّ غيره   وأنک مأمون على كل غائب

فكن لي شفيعا يوم لا ذوشفاعة   سواک بمغن عن سواد بن قارب

وأنت متى تشاء يخبرک عما في غد

وهو الظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم كما هو منصوص عليه في كتب جملة سنة سيد المرسلين.

امابعد! میں نے یہ رسالہ شریفہ وعجالہ منیفہ، حبرِ فاخر، بحر زاخر، عالم بے مثیل، فاضل بے عدیل، حامیِ سنت، ماحیِ بدعت، عین اعیان شریعت، رکن رکین ارباب طریقت، مولانا وسیّدنا مولوی محمد عمر الدین صاحب کا مصنفہ، من اولہا الی آخرہا،

دیکھا۔ اس کی سب براہین کو استوار اور تمام دلائل کو پائدار پایا، روایاتِ حدیثیہ جو اس میں مندرج ہیں، وہ سب حسن اور صحیح ہیں اور روایاتِ فقہیہ جو اس میں لکھی گئی ہیں، وہ سب معتبر، ظاہر الروایۃ، مدّعا پر دلالت کرنے میں صریح ہیں، نظریات اس کے بدیہیات ہیں اور بدیہیات اس کے اولیات ہیں، ہر مقدّمہ اُس کا واضح اور فضلِ مصنّف پر ناطق ہے اور ہر مدّعا اس کا لائح، واقع کے مطابق ہے۔ بالجملہ مصنّف ہمام کی تقریب تام ہے اور کلام صواب انضمام، ان کا مطبوع طبائع فحول اعلام ہے۔ جس کو علومِ شرعیہ میں ادنیٰ مہارت نصیب ہے، وہ اس نایاب تحریر کو دیکھتے ہی پکار اٹھے گا: بِلّٰہِ دَرّہ۔ مفتی لبیب مصیب ہے اور جس کو فنونِ علمیہ سے مس نہ ہو گا، اُسی کو اس بے نظیر تقریر کی صحت میں کلام ہو گا۔

حرّره: العبد المسكين المتشبت بذيل سيد المرسلين وصي أحمد الحنيفي الحنفي السني حماه الله تعالى عن شر كل غبي.

(۱۴)
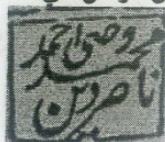
حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبد الوحید حنفی فردوسی

الجواب صحيح وصواب والفاضل المجيب اللبيب مصيب بلاإرتياب ومن أنكر فقد خسر وخاب.

خادم السنة وأهل السنة عبد الصديق محمد وحيد الحنفي السني الفردوسي ناظم "التحفة الحنفية" ومهتمم "مدرسة أهل السنة والجماعة" الواقعة في بلدة عظيم آباد صينت عن الفساد.

(۱۵)

حضرت علامہ مولانا محمد نجم الدین حنفی قادری صدیقی داناپوری

الحمد لله الذي وفقنا لتمييز الحلال من الحرام والحرام من الحلال

والصلاح من الفساد والفساد من الصلاح بالنبي الحجازي الأمين صاحب الخلق العظيم والحبل المتين والصحابة الدعاة والتابعين الهداة والعلماء المجتهدين والمشائخين الأكابرين صلوات الله عليه وعليهم أجمعين إلى يوم الدين.

أما بعد!

فذالک الجواب هو الجواب، إذ سلک المجیب مسلک الحق والصواب وتظاهرت علیه السنة والکتاب ونادت علیه الأدلة وشهدت به الشواهد کما لا یخفی علی اولی الألباب.

کتبه: العبد المذنب المعتصم بحبل الله المتین محمد نجم الدین الدانافوري الصدیقي القادري الحنفي غفر ذنبه الخفي والجلي. مدرّس مدرسه اهل سنت واقع پٹنه.

إہلاک الوہابیین
علٰی
توہین قبور المسلمین

تصنیف

خلیفۂ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمہ

[م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء]

ناشر:

مطبع اہلِ سنت و جماعت - بریلی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال :

علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، ایک گورستان (اہلِ سنت) قدیم کی قبروں کو عمداً کھود کر اپنے رہنے کے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے میں اہلِ قبور کی توہین واہانت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب :

ومنہ الھدایۃ إلی الحق والصواب

جاننا چاہئے کہ انبیا واولیا عَلَیْہِم الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ وعامہ مومنین اہلِ سنت کے ساتھ جو قلبی عداوت فرقہ نجدیہ وہابیہ کو ہے ایسی اور کسی فرقہ مبتدعہ کو نہیں ہے، اسی وجہ سے اس فرقہ محدثہ کے اکابر ملاعنہ کی تصانیف اباطیل اہانتِ محبوبانِ خدا سے بھری پڑی ہیں، جس کا جی چاہے وہ نجدی ملا اسماعیل دہلوی وصدیق حسن بھوپالی وخرم علی و رشید گنگوہی وغیرہ کی تالیفاتِ باطلہ اٹھا کر دیکھ لے کہ قِسم قِسم کی اہانتوں سے پُر ہیں۔ من جملہ ان کے ایک اہانت قبور انبیاؤ شہداؤ اولیا عَلَیْہِم السَّلَامُ کا منہدم ونابود تا بمقدور کرنا اس فرقے کا شعار ہو گیا ہے۔

شیخ نجدی نے روضہ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا:

علامہ احمد بن علی بصری کتاب "فصل الخطاب فی ردضلالات ابن عبدالوھاب" میں فرماتے ہیں:

منها: أنه صَحّ أنه يَقُوْلُ :لَوْ أَقْدِرُ عَلٰى حجرةِ الرّسول صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم لَهَدَمْتُهَا.[1]

یعنی، [اس کی گمراہیوں میں سے ایک یہ بات بھی صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے:] میں اگر

---

(1)۔۔۔:فصل الخطاب فی ردّضلالات ابن عبدالوھاب:

قدرت پاؤں تو روضہ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو توڑ ڈالوں۔

شیخ نجدی نے شہدا و صحابہ کرام کے مزار توڑے:

اور یہی علامہ بصری ایک دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

أقول: تهديمُ قبورِ شهداءِ الصَّحابةِ المذكورين لأجل البناء علٰى قبورهم ضلالةأي: ضلالته. انتهى مختصراً[1]

یعنی، نجدی کا شہدا اصحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم کی قبور کو ان پر بنا [قبّوں] کے باعث توڑ ڈالنا بہت بڑی ضلالت اور گمراہی اس نجدی کی ہے۔

اور یہی علامہ مذکور تیسرے مقام میں لکھتے ہیں:

قال بعضهم: ولو كان المبنى عليه مشهوراً بالعلم والصلاح او كان صحابيا وكان المبنى عليه قبة وكان البناء علٰى قدر قبره فقط ينبغي ان لا يهدم لحرمة نبشه وان اندرس، اذا علمت هذا! فهذ البناء علٰى قبور هؤلاء الشهداء من الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم لا يخلو اما ان يكون واجباً او جائزاً بغير كراهة، وعلٰى كل، فلا يقدم على الهدم الارجل مبتدى ضال لاستلزامه انتهاک حرمة اصحاب رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الواجب علٰى كل مسلمٍ محبتهم ومن محبتهم وجوب توقيرهم واى توقيرهم عند من هدم قبورهم حتى بدت ابدانهم واكفانهم كماذكر بعض علماء نجد فى سوال ارسله الي. انتهى مختصرا[2]

یعنی، نجدی نے جو شہدا اصحاب کرام کے قبور کو توڑ ڈالا ہے جس سے ان کے ابدان اور کفن ظاہر ہو گئے تو اس سے وہ بہت بڑا بدعتی گمراہ ہو گیا کہ اس سے ان کی اہانت ہو گئی ہے۔[3]

---

(1)۔۔۔: فصل الخطاب فی ردّ ضلالات ابن عبد الوهاب:

(2)۔۔۔: فصل الخطاب فی ردّ ضلالات ابن عبد الوهاب:

(3)۔۔۔: یہ مذکورہ طویل عبارت کا مفہوم ہے، عبارت کا مکمل ترجمہ یہ ہے:

[بعض علمانے فرمایا کہ صاحبِ قبّہ اگر کوئی مشہور عالم، متقی یا صحابی ہے اور قبّہ صرف قبر کے برابر ہو تو اسے منہدم نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ خواہ اس کا نشان بھی کیوں نہ مٹ جائے مگر اس کا کھولنا جائز نہیں۔ اب آپ

وہابیہ رُوسیاہ کے نزدیک ابنیا واولیا عَلَیہِم الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ معاذاللہ منہا مر کر مٹی ہو گئے ہیں:

ان ملاعنہ کا انبیا واولیا کے قبور کو جو توڑنا اور منہدم کرنا شعار ہو گیا ہے تو باعث اُس کا یہ ہے کہ ان بد بختوں کے نزدیک ظاہری موت کے بعد یہ بالکل بے حس وبے شعور ہو جاتے ہیں اور مر کر معاذاللہ مٹی میں مل جاتے ہیں۔ ملّا اسماعیل دہلوی اپنی کتاب "تفویت الایمان" کے ص ۶۰ میں حضور اقدس سیّد عالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کی شانِ ارفع واعلیٰ میں بکتا ہے کہ:

"میں [1] بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔"[2]

جب سیّد المرسلین عَلَیہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کی نسبت ان ملاعنہ کا ایسا ناپاک خیال ہے اور اُن کے روضۂ اطہر اور شہداے صحابۂ کرام عَلَیہِم الرِّضوَان کی قبور کو منہدم کرنے کا بے ہودہ خیال ہے، تو باقی اموات عامۂ مومنین صالحین کی نسبت کیا پوچھنا چاہئے! جب قبورِ مومنین، بلکہ انبیا واولیا عَلَیہِم الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ اَجمَعِین کا توڑنا اور منہدم کرنا شعارِ نجدیہ وہابیہ ہوا، تو کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ صورتِ مسئولہ میں قبورِ مومنین اہلِ سنت کو توڑ کر، بلکہ اُن کو کھود کر اُن پر اپنی رہائش وآسائش کے مکان بنا کر

معلوم ہونا چاہئے کہ ان شہید صحابہ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنہُم کی قبور پر عمارات بنانا یا تو واجب ہو گا یا بلا کراہت جائز۔ اور بہر صورت منہدم کرنا جائز نہیں اور یہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو؛ کیوں کہ اس سے اصحابِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کی بے حرمتی ہوتی ہے، حالاں کہ ان کی تعظیم وتوقیر ہر مسلمان پر واجب ہے، اب وہ لوگ تعظیم کرنے والے کیسے قرار پاسکتے ہیں جنھوں نے شہدا کی قبور کھود ڈالیں جب کہ بعض کے جسم اور کفن بھی ظاہر ہو گئے، جیسا کہ بعض علماے نجد نے مجھے بھیجے گئے سوال میں ذکر کیا۔ صاحبِ "فصل الخطاب" کا کلام اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔]

(1)۔۔: سابقاً علامہ بصری عَلَیہِ الرَّحمَہ کے قول میں گزرا کہ نجدی نے جب قبورِ شہدا وصحابہ کرام عَلَیہِم الرِّضوَان کو شہید کیا تو اُن میں ان کے کفن اور بدن شریف سب سلامت تھے اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنہُم کو مدفون ہوئے تخمیناً بارہ سو سال گزر چکے تھے۔ پس ہزار تف ہے ملّا اسماعیل اور اُس کے مقلّدین وہابیہ رُوسیاہ پر کہ ان کا ایسا ناپاک عقیدہ ہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ کہ جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ سنت کو ان کی صحبتِ بد سے بچائے۔ آمین!

(2)۔۔: تقویۃ الایمان: ص 88

اُن میں لذّاتِ دنیا میں مشغول و منہمک ہو، جو قطعاً و یقیناً اصحابِ قبور کو ایذا دینا اور اُن کی اہانت اور توہین کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں کہ:

اہلِ سنّت کے نزدیک انبیا و شہدا و اولیا اپنے ابدان مع اکفان کے زندہ ہیں:

اہلِ سنّت کے نزدیک انبیا و شہدا و اولیا عَلَیۡھِم التَّحِیَّۃَ وَالثَّنَا اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں، بلکہ انبیا عَلَیۡھِم السَّلَامُ کے ابدانِ لطیفہ زمین پر حرام کئے گئے ہیں کہ وہ اُن کو کھائے، اسی طرح شہدا و اولیا عَلَیۡھِم الرَّحۡمَۃُ وَالثَّنَا کے ابدان و کفن بھی قبور میں صحیح و سلامت رہتے ہیں، وہ حضرات روزی و رزق دیے جاتے ہیں۔

علامہ سبکی عَلَیۡہِ الرَّحۡمَہ "شفاء السقام" میں لکھتے ہیں:

وحیاۃ الشھداء اکمل و اعلٰی، فھذا النوع من الحیاۃ والرزق، لایحصل لمن لیس فی رتبتھم.

وامّا حیاۃ الانبیاء فاعلٰی و اکمل واتم من الجمیع، لانھا للروح والجسد علی الدوام، علی ماکان فی الدنیا.(1)

[شہدا کی زندگی بہت اعلیٰ ہے، زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان کے ہم مرتبہ نہیں اور انبیا کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے؛ اس لیے کہ وہ جسم وروح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیا میں تھی اور ہمیشہ رہے گی۔]

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی "تذکرۃ الموتی" میں لکھتے ہیں:

اولیاء گفتہ اندار و احنا اجسادنایعنی ارواح ایشاں کار اجساد میکنند وگاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید، میگویند کہ رسول خدا را سایہ نبودصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارواح ایشاں از زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند مررروند، وبسبب این ہمیں

---

(1)۔۔:شفاء السقام: الباب التاسع فی حیاۃ الانبیاء الفصل الرابع فی الفرق بین الشھداء وغیرھم ص431

حیات اجساد آنہارا در قبر خاک نمیخورد بلکه کفن ہم میماند،ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواحِ مومنین ہر جاکه خواہند سیر کند،مراد از مومنین کاملین اند،حق تعالیٰ اجسادِ ایشاں را قوتِ ارواح میدہد که در قبور نماز میخوانند و ذکر میکنند وقرآن میخوانند۔آہ[1]

[اولیاءاللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔یعنی،ان کی ارواح جسموں کا کام دیا کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں؛اس لیے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے، بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی قوّت عطا فرماتا ہے تو وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔]

اور شیخ الہند محدّثِ دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ”شرح مشکوۃ“میں فرماتے ہیں:

اولیائے خدا تعالیٰ نقل کردہ شدند ازیں دارفانی بدارِبقا وزندہ اند نزد پرودگار خود،ومرزوق اند و خوشحال اند،و مردم را ازاں شعور نیست۔[2]

[اللہ تعالیٰ کے اولیا اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش حال ہیں اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔]

اور علاّمہ علی قاری ”شرح مشکوۃ“ میں لکھتے ہیں:

فَلَا فَرْقَ لَهُمْ فِي الْحَالَيْنِ، وَلِذَا قِيلَ: أَوْلِيَاءُ اللهِ لَا يَمُوتُونَ وَلٰكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ

---

(1)۔۔:تذکرۃ الموتیٰ والقبور: (اردو) ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ، ص75

(2)۔۔:اشعۃ اللمعات: کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، 402/3

دَارٍ إِلَی دَارٍ. الخ[1]

اولیا کی دونوں حالت حیات و ممات میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں، بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔

وقائع اولیاے کرام بعد وصال:

علامہ جلال الدین سیوطی عَلَیهِ الرَّحمَه نے شرح صدور میں اولیائے کرام عَلَیهِم الرِّضوَان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایاتِ مستندہ لکھی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ امام عارف باللہ استاذ ابو القاسم قشیری قُدِّسَ سِرُّهُ اپنے رسالے میں بسند خود حضرت ولی مشہور سیّدنا ابو سعید خراز قُدِّسَ سِرُّهُ المُمتَازُ سے راوی کہ میں مکہ معظّمہ میں تھا، بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اُس کی طرف نظر کی، مجھے دیکھ مسکرایا اور کہا:

يَا أَبَا سعيد أما علمت أَن الأحباء أَحيَاء وَإِن مَاتُوا وَإِنَّمَا ينقلون من دَار إِلَى دَار.[2]

اے ابو سعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مر جائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بلائے جاتے ہیں۔

وہی عالی جناب حضرت سیّدی ابو علی قُدِّسَ سِرُّهُ سے راوی: میں نے ایک فقیر کو قبر میں اُتارا، جب کفن کھولا، اُن کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ اُن کی غربت پر رحم کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

يَا أَبَا عَلي تذللني بَين يَدي من يدللني. اے ابو علی! تم مجھے اُس کے سامنے ذلیل نہ کرو جو میرے ناز اُٹھاتا ہے۔ میں عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی؟ فرمایا: بلٰی أنا حَيّ وكل محب حَيّ لأنصرنك بجاهي غدا.[3] میں زندہ

---

(1)۔۔۔:مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، فصل الثالث، تحت رقم 1366۔ 3/1366

(2)۔۔۔:شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور: باب زیارۃ القبور وعلم الموتی... ص 205

(3)۔۔۔:شرح الصدور: باب زیارۃ القبور وعلم الموتی... ص 205

ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بے شک وہ وجاہت، وہ عزت جو مجھے روز قیامت ملے گی اُس سے میں تیری مدد کروں گا۔

وہی جناب مستطاب حضرات ابراہیم بن شیبان قُدِسَ سِرُّہٗ، سے راوی:

میرا ایک مرید جوان مر گیا، مجھے سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتدا کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جانِ پدر! تو سچا ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔ (1)

وہی امام، حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قُدِسَ سِرُّہٗ سے راوی: میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختہ پر لٹایا، اُس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔ (2)

مکہ معظّمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا: پیر و مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں، آدھی میں میرا دفن، آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا، مرید مذکور نے آکر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اُتارا۔ آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا: أَنا حَيٌ و کلّ محبّ لله حَيٌ. (3) میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔

نامناسب افعال کرنے سے اموات مسلمین کو ایذا ہوتی ہے:

اور بعض عامہ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان گو سلامت نہ رہتے ہوں، تاہم اُن کی قبور پر بیٹھنے، بلکہ اُن پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی آواز کرنے سے اُن کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے یہ امر ثابت بلا ریب ہے۔ حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه سے راوی کہ حضور اقدس صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا:

---

(1)۔۔: شرح الصدور: باب زیارۃ القبور و علم الموتٰی... ص 206

(2)۔۔: شرح الصدور: باب زیارۃ القبور و علم الموتٰی... ص 206

(3)۔۔: شرح الصدور: باب زیارۃ القبور و علم الموتٰی... ص 206

يَا صَاحب الْقَبْر إنزل من على الْقَبْر لَا تؤذي صَاحب الْقَبْر وَلَا يُؤْذِيک.[1]

او قبر والے! قبر سے اُتر آ، نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔

سعید بن منصور اپنی "سنن" میں راوی: کسی نے حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

كَمَا أكره أَذَى الْمُؤمن فِي حَيَاته فَإِنِّي أكره أَذَاهُ بعد مَوته.[2]

مجھے جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسند ہے یوں ہی مردہ کی۔

امام احمد عَلَیْہِ الرَّحْمَہ بسندِ حسن انھیں حضرت عمارہ بن حزم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے راوی: سیّد عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لَا تؤذ صَاحب هَذَا الْقَبْر. اس قبر والے کو ایذا نہ دے یا فرمایا: لا تؤذه.[3] اسے تکلیف نہ پہنچا۔

اس ایذا کا تجربہ بھی تابعین عظام اور دوسرے علمائے کرام نے جو صاحبِ بصیرت تھے، کرلیا ہے۔ ابن ابی الدنیا، ابو قلابہ بصری سے راوی: میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کے سو گیا، جب جاگا تو صاحبِ قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

لقد آذيتني مُنْذُ اللَّيْلَة.[4] اے شخص! تو نے مجھے رات بھر ایذا دی۔

امام بیہقی "دلائل النبوۃ" میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان نہدی سے، وہ ابن مینا تابعی سے راوی: میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ گیا، خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا، کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قُمْ فَقَدْ آذَيْتَنِي.[5] اُٹھ کہ تو

(1)۔۔:شرح الصدور: باب تأذیہ بسائرہ وجوہ الاذی، ص292
(2)۔۔:شرح الصدور: باب تأذیہ بسائرہ وجوہ الاذی، ص292
(3)۔۔:مشكاة المصابيح: كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، رقم 1721۔ 539/1
(4)۔۔:شرح الصدور: باب ماينفع الميت في قبره، ص297
(5)۔۔:دلائل النبوة: باب ما جاء في الرجل الذي سمع صاحب القبر الذي اتكأ عليه ..، 40/7

نے مجھے اذیّت دی۔

حافظ ابن مندہ، امام قاسم بن مخیمرہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے راوی: اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہو جائے تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے، اس سے کہ کسی قبر پر پاؤں رکھوں۔ پھر فرمایا: ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا، جاگتے میں سنا: إلَیک عني یَارجل لَاتؤذیني.[1] اے شخص! الگ ہٹ، مجھے ایذا نہ دے۔

اور علامہ شرنبلالی "مراقی الفلاح" میں لکھتے ہیں: أخبرني شیخي العلامة محمد بن أحمد الحموي الحنفي رحمه الله تعالیٰ، بأنهم یتأذون بخفق النعال.[2] مجھے میرے استاذ علامہ محمد ابن احمد حنفی [رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه] نے خبر دی کہ جوتے کی پچل سے مردے کو ایذا ہوتی ہے۔

اسی واسطے ہمارے فقہائے کرام احناف عَلَیْھم الرَّحْمَه فرماتے ہیں کہ: قبر پر رہنے کا مکان بنانا، یا قبر پر بیٹھنا، یا سونا، یا اُس پر یا اُس کے نزدیک بول و براز کرنا یہ سب امور اشدّ مکروہ قریب بحرام ہیں۔ "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَیُکْرَہُ أَنْ یَبْنٰی عَلَی الْقَبْرِ أَوْ یُقْعَدَ أَوْ یُنَامَ أَوْ یُوطَأَ عَلَیْهِ أَوْ تُقْضٰی حَاجَةُ الْإِنْسَانِ مِنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ، الخ.[3]

[قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔]

علاّمہ شامی اُس کی دلیل میں "حاشیہ در مختار" میں فرماتے ہیں:

لِأَنَّ الْمَیِّتَ یَتَأَذّٰی بِمَا یَتَأَذّٰی بِهِ الْحَيُّ.[4] یعنی، اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اُس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

بلکہ دیلمی نے امّ المومنین حضرت صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھا سے اس کلیہ کی

(1)۔۔:شرح الصدور: باب تأذیه بسائر وجوه الاذی، ص 293

(2)۔۔:مراقي الفلاح شرح متن نور الإیضاح: کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص 229

(3)۔۔:فتاویٰ هندیة: کتاب الصلاۃ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مکان إلی آخر، 166/1

(4)۔۔:ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، 343/1

تصریح روایت کی کہ سرورِ عالم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

الْمَيِّت يُؤْذِيه فِي قبره مَا يُؤْذِيه فِي بَيته.[1] میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اُس سے اذیت پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی "مصنف" میں سیّدنا عبد اللہ ابن مسعود رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه سے راوی: أَذى الْمُؤمن فِي مَوته كأذاه فِي حَيَاته.[2] مسلمان کو بعد موت تکلیف دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اُسے تکلیف پہنچائی۔

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر اُن پر رہنے کا مکان بنانا اُس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقیناً اہلِ قبور کی توہین ہوتی ہے اور اُن کو ایذا دینا ہے، جو ہرگز ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی معترض کہے کہ "شرح کنز" میں علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

وَلَوْ بَلِيَ الْمَيِّتُ وَصَارَ تُرَابًا جَازَ دَفْنُ غَيْرِهِ فِي قَبْرِهِ وَزَرْعُهُ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهِ.[3]

[اگر میّت پرانی ہو جائے اور مٹی میں مل جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔]

تو جواب اس کا اوّلاً یہ ہے کہ یہ قول علامہ زیلعی کا احادیثِ مذکورہ اور روایاتِ مسطورہ کے معارض ہے، لہٰذا قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور ثانیاً یہ کہ علامہ شرنبلالی نے "امداد الفتاح" میں علامہ زیلعی کے اس قول کو ردّ کر دیا ہے دوسری روایتِ معارضہ سے، پس قابلِ تعمیل نہیں۔ قَالَ فِي الْإِمْدَادِ: وَيُخَالِفُهُ مَا فِي التَّتَارْخَانِيَة إِذَا صَارَ الْمَيِّتُ تُرَابًا فِي الْقَبْرِ يُكْرَهُ دَفْنُ غَيْرِهِ فِي قَبْرِهِ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ بَاقِيَةٌ، الخ.[4]

---

(1)۔۔: الفردوس بمأثور الخطاب: باب الألف، رقم 754۔ 199/1

(2)۔۔: شرح الصدور: باب تأذیہ بسائرہ وجوہ الاذی، ص 292

(3)۔۔: تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیة الشِّلْبِيِّ: کتاب الصلاة، باب الجنائز، کیفیة صلاة الجنازة، 246/1

(4)۔۔: ردالمحتار: کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیت، 233/2

یعنی، [" امداد الفتاح" میں فرمایا اور " تاتار خانیہ "میں اس کے برعکس ہے] جب قبر میں میّت گل کر مٹی بھی ہو جائے، تب بھی اُس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اُس کی تعظیم وحرمت کے خلاف ہے کہ اُس میّت کی تعظیم وحرمت اب بھی باقی ہے۔

اور مؤید ہے اس کی وہ جو علامہ نابلسی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ "میں لکھا ہے:

معناه أنَّ الْاَرْوَاحَ تَعْلَمُ بِترکِ إقامة الحرمة وبالإستهانة فتأذى بذالک.[1]

یعنی، قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہلِ قبور کو ایذا ہوتی ہے، اُس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اُس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہذا ایذا پاتے ہیں۔

اور علامہ شیخ الہند عَلَیْہِ الرَّحْمَہ "شرح مشکوۃ" میں لکھتے ہیں:

شاید که مراد آنست که روحِ وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیه کردن برقبرِ وے از جهت تضمن اهانت واستخفاف را بوے۔[2]

[اس سے مراد غالباً یہ ہے کہ اس کی روح قبر پر تکیہ لگانے سے ناخوش ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس میں اس کی توہین ہے۔]

جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہلِ قبور کی اہانت اور اُن کی توہین اور اُن کی ترکِ تعظیم ہوتی ہے تو اُس پر کھیتی کرنے سے اور اُس پر مکان بنانے سے تو بطریق اولیٰ اُن کی توہین ہو گی۔

اور ثالثاً یہ کہ ہم یہاں معترض نجدی شعار سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ میّت بالکل مٹی ہو گئی ہے اور اُس کی ہڈی بھی باقی نہیں رہی ہے، اس واسطے کہ ابھی تک قبر کھودی نہیں گئی ہے اور نہ میّت کے مٹی ہونے کا قرآن اور حدیث میں کوئی وقت مقرر ہوا ہے کہ اتنی مدّت کے بعد میّت کی ہڈیاں بھی مٹی ہو جاتی ہیں، بلکہ تجربہ سے بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی بہت پرانی بستی کے اطراف میں کوئی جگہ کھودی جائے تو اُس میں

---

(1)۔۔: الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية: النصف الثامن، 505/2

(2)۔۔: اشعۃ اللمعات: باب الدفن، فصل الثالث، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹۹)

قبور نکلیں، جن میں ہڈیاں (بلکہ بعض کے ابدان) اب تک باقی صحیح وسلامت تھیں، کتبوں سے تین تین چار چار صدیوں کی قبور معلوم ہوتی تھیں، تو بلا دلیل بلا ضرورت شرعی کے کسی ممنوع امر کا کسی مبہم روایت کی بناپر مرتکب ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر معترض پھر عود کرے اور کہے کہ بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر اُن میں دوسرے اموات دفن کئے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان شہروں میں جائے بہت تنگ ہے، قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میّت کے لیے الگ الگ قبر ہو، لہٰذا اس ضرورتِ شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ:

الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ[1] [بوقت ضرورت منع کردہ چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں۔] قاعدہ متفقہ ہے۔

"کبیری شرح منیہ" میں ہے:

ولا يحفر قبر لدفن آخر مالم يبل الاوّل، فلم يبق له عظم إلاّ عند الضرورة، بأن لم يوجد مكان سواه، الخ.[2]

[دوسرے مردہ کو دفن کرنے کے لیے قبر نہ کھودی جائے جب تک پہلا مردہ بوسیدہ نہ ہو جائے، یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں باقی نہ رہیں، مگر بوقت ضرورت قبر کھودنا جائز ہے جب کہ اس کے بغیر کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو۔ الخ]

بالجملہ صورتِ مسئولہ میں قبور کو کھود کر اُن پر مکانات بنانا، ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے اور بلاشبہ وشک ایسا کرنے سے اہلِ قبور کی توہین ہو گی، جو جائز نہیں ہے۔ هذا ما عندي والعلم الأتم عند ربي

قاله بفمه وأمر برقمه: العبد الفقير محمد عمر الدين السني الحنفي القادري الهزاروي عفا الله تعالىٰ عنه.

---

(1)۔۔۔: الأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ: الفن الأول: النوع الأول، ص 73

(2)۔۔۔: غنيه المتملي في شرح منية المصلي المشتهر بشرح الكبير: فصل في الجنائز، ص 607

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

جو کچھ مجیب لبیب نے لکھا ہے حق اور صواب ہے۔ چناں چہ " خزانۃ الروایۃ" میں ہے:

فی "مفید المستفید" عن "مفاتیح المسائل": واذا صار المیّت ترابا فی القبر، یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ، لأن الحرمۃ باقیۃ، انتھی.

["مفاتیح المسائل" سے "مفید المستفید" میں ہے: جب قبر میں میّت گل کر مٹی بھی ہو جائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میّت کی تعظیم و حُرمت اب بھی باقی ہے۔ انتہی]

اور یہ بھی "خزانۃ الروایۃ" میں ہے:

لا یجوز لأحدٍ أن یبنی فوق القبور بیتاً او مسجدا، لأن موضع القبر حق المقبور ولھذا لا یجوز نبشہ، انتھی مختصرا۔

[قبروں پر کسی کو گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں؛ کیوں کہ قبر والی جگہ صاحب قبر کا حق ہے، اسی وجہ سے قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے۔ مختصراً]

نمقہ الراجی الی رحمۃ ربہ الشکور عبد الغفور صانہ اللہ عن الأفات و الشرور.

(۲)

حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

للہ در المجیب حیث أجاب فأجاد و أصاب فیما أفادہ.

حزرہ المسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ

(۳)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرشید دہلوی

اس فتوے کو دیکھا، فتویٰ صحیح ہے، جواب درست ہے۔

حرّرہ: محمد عبدالرشید دھلوی عفا اللہ عنہ

(۴)

حضرت علامہ مولانا محمد فضل المجید

الجواب صحیح.

محمد فضل المجید عفی عنہ

(۵)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر قادری بدایونی

الجواب صحیح وصواب.

حرّرہ: العبد المفتقر مطیع الرسول عبدالمقتدر القادری البدایونی عفی عنہ

(۶)
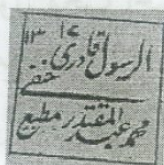
حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد بدایونی

ذالک کذالک.

محمد فضل احمد البدایونی عفی عنہ

(۷)

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم قادری بدایونی

المجیب مصیب.

(۸)

حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش حنفی بدایونی

أصابَ من أصاب و اللہ أعلم بالصواب.

محمد حافظ بخش المدرّس بالمدرسة المحمّدية بلده بدايون

(۹)

حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد قادری بدایونی

صحّ الجواب.

حرّره: عبدالرسول محب احمد عفی عنه المدرّس بالمدرسة الشمسية الكائنة بجامع بدايون

(۱۰)

امام اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضاخان حنفی قادری

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللہ الذی جعل الأرض كفاتاً و أكرم المومنين أحياءً و امواتاً و جعل موتهم راحةً وسباتاً و حرّم اهانتهم تحريماً أبتاتاً.

والصلاة والسلام على من سقانا من فضله و فضلته ماءً فراتاً و اعطاناً فى كل

محجّۃأبلح حجّۃنقضاًو اثباتاًو أبّد تعظیمَ المؤمنین أبدالآبدین ولم یوقت لہ میقاتاً فجعلهم عظاماً وإن صاروا إعظاماً وحرّم إیذاءَ هم ولو کانوا رِفاتاً وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ و أهله وحزبه المکرمین عند اللہ جمیعاًو أشتاتاً. جزی اللہ المجیب خیرًا ویثیب.

جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السنن، ماحی الفتن مولانا مولوی محمد عمرالدین-جعله اللہ کإسمہٖ عمر الدین وبسعیہٖ ورعیه عمر الدین- کا جواب ناہج مناہج صواب کافی ووافی ہے، مگر بحکم-المامور معذور-بنظر تکثیر افاضہ دو وصل مفید کااضافہ منظور:

وصل اول: اس بیان مجیب کی تائید وتصویب میں کہ قبور مسلمین کی تعظیم ضرور اور اہانت محظور اور یہ کہ کیا کیا امور موجب ایذائے اصحابِ قبور، یہاں اگر سلسلۂ سخن میں بعض امور مذکورۂ جواب کا اعادہ ہو تو غیر محذور کہ تکرّر فرع موجب مزید تاکید واوقع فی الصدور۔

ع:

والمسک ماکرّرته یتضوء

وصل دوم: میں احقاقِ مرام وازہاقِ اوہام وتبکیت مخطیان نجدیہ لیام اور اس امر کا بیان کامل وتام کہ مقابر عام مسلمین میں کوئی وقفی مکان بنانا بھی حرام، نہ کہ اپنی سکونت وآرام کا مقام، نیز روایت علاّمہ زیلعی کی تحقیق انیق، اس وصل میں دو فتاویٰ فقیر کی نقل پر قناعت ہے کہ ان میں بحمد اللہ تعالیٰ کفایت ہے، وباللہ التوفیق۔

وصلِ اوّل:

علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزّت مُردہ وزندہ برابر ہے۔ محقّق علی الاطلاق رَحْمَۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْه "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی انّ حُرمةالمسلم میّتا کحرمته حیّا.اھ[1]

---

(1)۔۔:فتح القدیر: فصل فی الدفن، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱۰۲/۲)

[اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزّت و حرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔]

نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیّت و اذاہ ککسرہ حیّا. رواہ الامام احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشہ الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا.[1]

مُردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا، ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ [اسے امام احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا سے روایت کیا۔]

یہ حدیث "مسند الفردوس" میں ان لفظوں سے ہے: سیّد عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ.[2]

مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔

علامہ مناوی "شرح" میں فرماتے ہیں:

افادان حرمۃ المؤمن بعدموتہ باقیۃ.[3]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔

سیّدنا حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں:

اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ. رواہ ابی بکر بن ابی شیبہ.[4]

---

(1)۔۔۔:سنن ابی داؤد: کتاب الجنائز، آفتاب عالم پریس لاہور، ۲/۱۰۲)

(2)۔۔۔:الفردوس بمأثور الخطاب: حدیث ۷۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱/۱۹۹)

(3)۔۔۔:فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: حدیث ۶۲۳۱، دار المعرفۃ بیروت، ۴/۵۵۱)

(4)۔۔۔:شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ: فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی، خلافت اکیڈمی سوات، ص ۱۲۶)

مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ [اسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔]

علما فرماتے ہیں:

المیّت یتاذی بما یتاذی به الحی. کذافی "ردالمحتار" وغیرہ من معتمدات الاسفار.[1]

جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اُس سے تکلیف پاتے ہیں، [جیسا کہ "ردالمحتار" وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔]

علامہ شیخ محقّق رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ "اشعۃ اللمعات" میں امام علامہ ابو عمر یوسف بن عبد البر سے نقل فرماتے ہیں:

ازینجا مستفاد میگرد و که میّت متألم میگرد و بتمام انچه متألم میگرد دبدان حی ولازم این ست که متلذذ گرد و بتمام انچه متلذذم میشود بدان زنده.انتہی کلامه[2]

[اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذّت حاصل ہو ان سب سے میّت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے۔ انتہی]

یہاں تک کہ ہمارے علمانے تصریح فرمائی: قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔ فی "الشامیة" عن "الطحطاویة" آخر کتاب الطھارة: نصّوا علٰی انّ المرورَ فی سکة حادثة فیھا حرام.[3]

[آخر کتاب الطہارۃ "شامی" میں "طحطاوی" سے ہے: علما نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو، اس پر چلنا حرام ہے۔]

اور فرماتے ہیں:

---

(1)۔۔: ردالمحتار: فصل الاستنجاء، ادارة الطباعة المصرية مصر، ۲۲۹/۱)

(2)۔۔: اشعة اللمعات: باب دفن المیّت، فصل ثانی، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲۹۶/۱)

(3)۔۔: ردالمحتار: فصل الاستنجاء، ۲۲۹/۱)

مقبرے کی سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، اُس سے اموات کا دل بہلتا ہے اور اُن پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ہاں! خشک گھاس کاٹ لینا جائز، مگر وہاں سے تراش کر جانوروں کے پاس لے جائیں اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑدیں۔ فی جنائز "ردالمحتار": یکرہ ایضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیة[1] وعلّله فی الامداد: بانه مادام رطباً یسبح اللہ تعالیٰ، فیونس المیّت وتنزل بذکرہ الرحمة ونحوہ فی "الخانیة"، انتھی.[2]

["ردالمحتار" کے باب الجنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے، خشک گھاس کا نہیں، جیسا کہ "بحر"، "درر" اور "شرح منیہ" میں ہے اور "امداد" میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میّت کو انس حاصل ہوتا ہے، "خانیہ" میں بھی اسی طرح ہے۔ انتہی]

وفی "العالمگیریة" عن "البحر الرائق": لو کان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا. اھ[3]

[اور "عالم گیریہ" میں بحر الرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کرلائی جاسکتی ہے مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں۔]

نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا: ہائے کم بختی تیری اے طائفی جُوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔ اخرج الائمة ابو داؤد والنسائی والطحاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیة واللفظ للامام الحنفی: أَنَّ رَسُولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم رَأَی رَجُلًا یَمْشِي بَیْنَ الْقُبُورِ

---

(1)۔۔: ردالمحتار: باب صلوة الجنائز، ۱/۲۰۶)
(2)۔۔: ردالمحتار: باب صلوة الجنائز، ۱/۲۰۶)
(3)۔۔: فتاویٰ ہندیة: الباب الثانی عشر فی الرباطات، نورانی کتب خانہ پشاور، ۲/۴۷۱)

فِي نَعْلَيْنِ، فَقَالَ: «يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ، أَلْقِ سِبْتِيَّتَيْکَ». اھ[1]

السِّبتیۃ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لا شعر فیھا، قال القاضی عیاض: کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیر مدبوغۃ و کانت المدبوغۃ تعمل بالطائف وغیرہ. الخ[2]

[ابو داؤد، نسائی اور طحاوی وغیر ہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے! اپنی جوتیاں اتار دے۔

سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں۔ قاضی عیاض نے فرمایا: عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے۔ الخ]

فاضل محقّق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں: چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے۔ حیث قال فی "مراقی الفلاح": اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفتی النعال، انتھی.[3] اقول: و وجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی.

[اس لیے کہ "مراقی الفلاح" میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے کہ مُردے جوتیوں کی پچپل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ [امام اہلِ سنّت فرماتے ہیں] میں کہتا ہوں: اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے

---

(1)۔۔:شرح معانی الاثار: کتاب الجنائز، باب المشی بین القبور بالنعال، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۲/۱)

(2)۔۔:تاریخ سبتہ للقاضی عیاض)

(3)۔۔:مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی: فصل فی زیارۃ القبور، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ص ۳۴۲)

منقول ہو کر آئے گی۔]

نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدُکم علٰی جمرۃ ،فتحرّق ثیابہ حتی تخلص الٰی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علٰی قبر .رواہ مسلم و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجۃ عن سیّدنا ابی ہریرۃ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ.(1)

بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا، یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اُس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔[اسے مسلم و ابو داؤد ونسائی و ابن ماجہ نے سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا۔]

عمارہ بن حزم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مجھے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشاد فرمایا:

او قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اُتر آ، صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ تجھے ایذا پہنچائے۔اخرج الطحاوی فی "معانی الاثار" والطبرانی فی "المعجم الکبیر" بسند حسن والحاکم وابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ :رانی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جالساً علٰی قبر ،فقال: یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک.(2) ولفظ الامام الحنفی: فلا یؤذیک.(3)

[طحاوی نے "معانی الآثار" میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اُتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں: فلا یؤذیک

---

(1)۔۔:سنن ابی داؤد: کتاب الجنائز، ۱۰۴/۲)

(2)۔۔:شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ:باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی، ص۱۲۶)

(3)۔۔:شرح معانی الآثار: باب الجلوس علی القبور، ۳۴۶/۱)

پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔]

اور امام احمد رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذِ صاحب القبر. کمافی "المشکاۃ".[1] قلت: وھذا الحدیث لایلائمہ تاویل الامام ابی جعفر والنھی عن شیئ لاینافی النھی عن اعم منہ، فافھم!

[صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے "مشکوۃ" میں ہے۔[امامِ اہلِ سنّت فرماتے ہیں]میں کہتا ہوں: اس حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسب نہیں رکھتی ہے او رکسی چیز سے روکنا اس چیز سے اعم کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے!]

شیخ محقّق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی "شرح" میں فرماتے ہیں:

شاید که مراد آن ست که روحِ وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیه کردن برقبر وے جهت تضمن وے اہانت واستخفاف رابوے.اھ[2]

[شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے، اپنی قبر پر تکیہ لگانے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔]

اقول: اس توجیہ پر امام علامہ محدّث عارف باللہ حکیم الامۃ سیّدی محمد بن علی ترمذی قُدِّسَ سِرُّہٗ، نے جزم فرمایا، تصریح فرماتے ہیں کہ: ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیصِ شان معلوم ہو جاتی ہے، لہذا ایذا پاتی ہیں۔

قال سیّدی عبد الغنی فی "الحدیقۃ" عن "نوادر الاصول": معناہ انّ الارواحَ تعلم بالترک اقامۃ الحرمۃ وبالاستھانہ، فتتأذی بذلک.اھ[3]

[سیّدی عبد الغنی نے "حدیقہ" میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: اس کے یہ

---

(1)۔۔: مشکوۃ المصابیح: باب دفن المیّت، فصل ثالث، مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۴۹)

(2)۔۔: اشعۃ اللمعات: باب دفن المیّت، نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹۹)

(3)۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن الاصناف، القسمۃ فی آفات الرجل، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۲/۵۰۵)

معنی ہیں کہ ارواح اپنی اہانت و ذلت کو محسوس کرتی ہیں اور اس سے انھیں ایذا ہوتی ہے۔]

حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرة اوسیفٍ اواخصف نعلی برجلیه احب الی من ان امشی علٰی قبر. رواه ابن ماجة عن عقبة بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ واسناده جیّد کماافادالمنذری. (1)

[البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔ اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا، اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ منذری نے افادہ کیا۔]

سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں:

«لَأَنْ أَطَأَ عَلَى جَمْرَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَطَأَ عَلَى قَبْرِ مُسْلِمٍ»، رواه الطبرانی فی "الکبیر" باسناد حسن. قاله الامام عبدالعظیم. (2)

بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔ [اسے طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن روایت کیا، جیسا کہ امام عبد العظیم نے کہا ہے۔]

انہیں صحابیِ اجل سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما اکره اذی المؤمن فی حیاته، فانی اکره اذاه بعد موته. اخرجه سعید بن منصور فی "سننه" کمافی "شرح الصدور". (3)

میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ جانتا ہوں، یونہی بعد موت

(1)۔۔: سنن ابن ماجه: باب ماجاء فی النهی عن المشی علی القبور، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۱۳)

(2)۔۔: الترغیب والترتیب: الترهیب من الجلوس علی القبر الخ، مصطفی البابی مصر، ۴/ ۳۷۲)

(3)۔۔: شرح الصدور: باب تأذیسائر وجوه الاذی، ص ۱۲۶)

اس کی ایذا کو ناپسند رکھتا ہوں۔ اسے سعید بن منصور نے اپنی ''سنن'' میں بیان کیا جیسا کہ ''شرح الصدور'' میں ہے۔

اقول: وهذه الاحاديث توید ما اخترنا وتؤذن ان تاويل ابی جعفر رحمه الله تعالٰی ليس فی محله، فبما فی عامة الكتب نأخذ لاعتضادها بنصوص الاحاديث، ولانه عليه الاكثر وقد نصوا: ان العمل بما عليه الاكثر وانه لا يعدل عن رواية ماوافقها دراية، فكيف اذا كان هو الاشهر الاظهر الاكثر الازهر وبهذا يضعف مازعم العلامة البدر فی "العمدة". فتبصر!

[میں کہتا ہوں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم نے اختیار کی ہے وہ درست ہے اور ابو جعفر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه کی تاویل بر محل نہیں، لہٰذا ہم وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو عام کتب میں ہے؛ کیوں کہ اسے احادیث کی صراحت سے تقویت حاصل ہے اور اس لیے بھی کہ اکثر کا یہی قول ہے؛ کیوں کہ علما نے صراحت کر دی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہوگی اور یہ کہ اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت کے مطابق ہو، تو پھر اس سے عدول کا جواز کیا ہوگا جو اشہر، اظہر، اکثر اور واضح ہے اور اسی سے علّامہ بدر کا زعم عمدہ میں ضعیف قرار پاتا ہے۔ تو غور کیجئے!]

انہیں احادیث سے ہمارے علما رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِم نے بے ضرورت[1] قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف،

---

(1)۔۔۔: قولہ: (بے ضرورت) ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میت کے لیے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں، بیچ میں قبریں حائل ہیں، اس حاجت کے لیے اجازت ہے۔ پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کیلیے دعا واستغفار کرتے جائیں۔ فی حاشية العلامة الطحطاوی علی "مراقی الفلاح" عن "شرح المشكاة": الوطأ لحاجة كدفن الميت لايكره، اه وعن السراج: فان لم يكن له طريق الا على القبر جاز له المشی عليه للضرورة.[1] ۱۲ منه

[علامہ طحطاوی کے حاشیہ ''مراقی الفلاح'' میں ''شرح مشکوٰۃ'' سے ہے کہ ضرورت کے پیش نظر مثلاً میّت کو دفن کرنے جانا ہو تو قبروں پر سے گزرنا مکروہ نہیں۔ اھ اور سراج سے ہے کہ اگر قبر پر ہی گزرنے کا راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرور تاً جائز ہے۔ ۱۲ منہ] (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: فصل فی زيارة القبور، ص ۳۴۰)

ترکِ ادب، گستاخی ہے۔

ففی "النوادر" و "التحفة" و "البدائع" و "المحیط" وغیرها: ان اباحنیفة کره وطأ القبر والقعود او النوم او قضاء الحاجة علیه. کذا نقل العلامة ابن امیر الحاج فی "الحلیة". (1)

اقول: والکراهة عند الاطلاق کراهة تحریم کما صرّحوا به مع ما یفیده من النهی الوارد فی الاحادیث معلّلاً بالایذاء والایذاء حرام، فهذا ما ندین الله تعالٰی به وان قیل وقیل.

["تحفہ"، "بدائع" اور "محیط" وغیرہ میں ہے کہ ابو حنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا، اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ہے، اسی طرح ابنِ امیر الحاج نے "حلیہ" میں نقل کیا۔]

[میں کہتا ہوں: جب کراہت مطلق ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جیسا کہ فقہا نے تصریح کی ہے، پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذا کی علت سے متعلق وارد ہے اور ایذا حرام ہے۔ پس دیانتداری کی بات یہی ہے، اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے۔]

"حاشیہ طحطاوی علی شرح نورالایضاح] میں "سراج وہاج" سے ہے:

ان لم یکن له طریق الّا علی القبر جاز له المشي علیه للضرورة. اھ(2)

اقول: وهذا ایضاً دلیل علی مااخترنا من کراهة التحریم، فان المفهوم المخالف معتبر فی الروایات وکلام العلماء بالاتفاق، فافادانّ المشي لایجوز بلاضرورة ومالایجوز فادناه کراهة التحریم.

[اگر قبر پر ہی سے راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرور تاً جائز ہے۔]

[اقول (میں کہتا ہوں): اس سے بھی ثابت کہ ہمارا قول کراہت تحریمی کا درست

---

(1)۔۔: بدائع الصنائع: فصل فی سنة الدفن، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۰= تحفة الفقهاء: باب الدفن وحکم الشهداء، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۵۷)

(2)۔۔: حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: فصل فی زیارة القبور، ص ۳۴۰)

ہے؛ کیوں کہ مفہوم مخالف روایات اور کلام علما میں بالاتفاق معتبر ہے، تو معلوم ہوا کہ بلا ضرورت قبر پر چلنا ناجائز ہے اور جو ناجائز ہو اس کا ادنیٰ درجہ مکروہ تحریمی ہے۔]

سیّدی عبد الغنی نابلسی "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمه الله تعالیٰ فی شرح علی "الدرر": ویکره ان یوطأ القبر لماروی عن ابن مسعود، الخ[1] وذكر اثر الذی رویناه.

[والد صاحب نے "درر" کی شرح میں فرمایا کہ قبر کا روندنا مکروہ ہے جیسا کہ ابنِ مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے مروی ہے، الخ۔ پھر آپ نے وہی اثر ذکر کیا جو ہم روایت کر چکے ہیں۔]

اور "محیط" سے نقل فرمایا:

یکره ان یطأ علی القبر یعنی بالرجل ویقعد علیه.اه[2] قوله: یعنی بالرجل، قلت: فسّر بذٰلک لئلاّ یحمل علی الجماع.

[قبر کو پیروں سے روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ قلت (میں کہتا ہوں): پیروں سے روندنے کی تشریح اس لیے کر دی کہ جماع پر محمول نہ کیا جائے۔]

اقول: ویکره ایضاً، بل اشد، لما فیه من زیادة الاستخفاف کا لوطأ علی سطح المسجد مع الدلالة علی تناهی القلب فی تناسی الموت، فکان الحمل علی الوطأ بالرجل لیکون ادخل فی النهی عن الوطأ بمعنی الجماع بطریق دلالة النص لا، لأنه غیر مکروه هکذا ینبغی أن یفهم.

اور "جامع الفتاویٰ" سے لائے: أنه والتراب الذی علیه حق المیّت فلا یجوز أن یوطأ.[3]

---

(1)۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعة فی آفات الرجل، نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۰۴)

(2)۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعة فی آفات الرجل، ۲/۵۰۴)

(3)۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعة فی آفات الرجل، ۲/۵۰۴)

اور ''مجتبی'' سے لائے: أن المشي علی القبور یکرہ.[1]

[اقول (میں کہتا ہوں): جماع بھی مکروہ ہے، بلکہ اس کی کراہت زائد ہے؛ کیوں کہ اس میں زیادہ توہین ہے، جیسے مسجد کی چھت پر وطی کرنا، پھر اس میں موت کا بھول جانا بھی شامل ہے۔ لہذا پیروں سے روندنے پر محمول کرنا اس لیے ہے تاکہ جماع کی ممانعت پر بطریق دلالت النص دلالت کرے، یہ مطلب نہیں کہ وطی مکروہ نہیں، اسی طرح سمجھنا چاہیے۔

اور ''جامع الفتاویٰ'' سے نقل کیا کہ یہ وُہ مٹی ہے جس پر میّت کا حق ہے، لہذا اس کو روندنا جائز نہیں۔

اور ''مجتبیٰ'' میں ہے: قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔]

اور ''شرعۃ الاسلام'' و ''شرح شرعہ'' سے:

من السنۃ أن لا یطأ القبور فی نعلیہ، فان النبي صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کان یکرہ ذالک. الخ[2]

[''شرعۃ الاسلام'' اور اس کی شرح میں ہے: سنت یہ ہے کہ جوتوں سمیت قبریں نہ روندی جائیں؛ کیوں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اسے مکروہ سمجھتے تھے۔]

اور امام شمس الائمہ حلوانی سے: و أنہ قال: یکرہ.[3]

[اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ یہ مکروہ ہے۔]

اور امام علی ترجمانی سے: قال: یأثم بوطئ القبور، لأن سقف القبر حق المیّت. اھ[4]

[اور امام علی ترجمانی سے ہے کہ قبروں کے روندنے سے گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے۔]

---

(1)۔۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل، ۲/۵۰۴)

(2)۔۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل، ۲/۵۰۵)

(3)۔۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل، ۲/۵۰۵)

(4)۔۔۔: حدیقہ ندیہ: الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل، ۲/۵۰۵)

اقول: وهذا نصّ على مااخترنا من كراهة التحريم إذ لا إثم فى المكروه تنزيها، لان مرجعه الٰى خلاف الاولٰى، ولأنه ربّما تعمّده النبي صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم بياناً للجواز والنبي معصوم عن تعمّد الإثم، ولأن الموثم لايجوز فلا معنى لبيان الجواز، ولأنهم صرّحوا أنه يجامع الإباحة كما فى أشربة "ردالمحتار"، "ابى السعود"، والمعصية لاتجامعها، ولأنهم يعبّرون عنها بنفى البأس وأي: بأس أعظم من الإثم، ولأن الموثم واجب الترك وماوجب تركه كان فعله مقارباً بالحرام وهذا معنى كراهة التحريم، ولأنهم نصّوا أن فاعل المكروه تنزيها لا يعاقب أصلا كمافي "التلويح" مع مااعتقدنا أن الله تعالٰى أن يعاقب علٰى كل جريرة ولو صغيرة. فهذه بحمد الله تعالٰى سبعة دلائل ناطقة بأن ماوقع عن بعض [1] فضلاء الزمان فى رسالة "شرب الدخان" من أن المكروه تنزيها من الصغائر غلط فاحش وخطأ عظيم، نعم! قد صرّح صاحب البحر فى "بحره": أن المكروه تحريما منها، فتثبت ولاتخبط!

[اقول (میں کہتا ہوں): یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ صراحت کرتا ہے؛ کیوں کہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف خلافِ اولٰی ہے نیز حضور صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بیان جوازِ کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیانِ جواز کے کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا جیسا کہ اشربہ "ردالمحتار" میں "ابی السعود" سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی ہے۔ پھر اس کی تعبیر نفیٔ باس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا اور اسی لیے گنہگار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو، اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لیے بھی کہ فقہانے تصریح کردی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا، جیسا کہ "تلویح" میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی

(1)۔۔: هوالمولوى عبدالحى اللكهنوى ۱۲

ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جُرم پر سزا دے سکتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض فضلائے زمانہ نے رسالہ "شرب الدخان" میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بتاکر فاحش غلطی اور خطاے عظیم کی ہے۔ البتہ صاحبِ بحر نے اپنی "بحر" میں تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے۔ پس اسے سمجھ اور دیوانہ نہ بن!]

"نور الایضاح" اور اس کی شرح "مراقی الفلاح" میں ہے:

فصل فی زیارة القبور: ندب زیارتها من غیر أن یطأ القبور.[1]

[فصل زیارت قبور کے بیان میں: زیارت قبور مستحب ہے مگر قبریں نہ روندی جائیں۔]

اسی میں ہے:

کره وطؤها بالأقدام لما فیه من عدم الإ حترام وقال قاضی خان: لو وجد طریقاً فی المقبرة وهو یظنّ أنه طریق أحدثوه، لایمشی فی ذالک وإن لم یقع فی ضمیره لا بأس بأن یمشي فیه .اهـ ملخصًا[2]

[قبروں کو پیروں سے روندنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں بے حرمتی ہے۔ "قاضی خاں" نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قبرستان میں کوئی راستہ دیکھا جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ یہ لوگوں نے نیا بنالیا ہے تو وہ اس پر نہ چلے اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا نہ ہو تو چلنے میں مضائقہ نہیں، ملخصاً۔]

اقول: وهذا أیضا دلیل ما اخترناه فانه علق نفي البأس علیٰ أن لا یقع في قلبه أنه طریق علی قبر، فافاد وجود البأس فیما إذا وقع ذالک في نفسه وأیضا قد تقدّم التصریح بالحرمة عن "الشامي" و "الطحطاوي" عن علمائنا رحمهم الله تعالیٰ.

[اقول (میں کہتا ہوں): یہ بھی ہمارے قول کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اس میں جواز

---

(1)۔۔: مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: فصل فی زیارة القبور، ص ۳۴۰)

(2)۔۔: مراقی الفلاح علی هامش حاشیة الطحطاوی: فصل فی زیارة القبور، ص ۳۴۲)

کی صورت دل میں اس خیال کا نہ آنا ہے کہ یہ راستہ قبروں پر بنایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو پھر مضائقہ ہوگا۔ نیز "شامی" اور "طحطاوی" -جو ہمارے علما ہیں رَحِمَهم اللّٰهُ تَعَالٰی ان -سے منقول شدہ حرمت کی تصریح پہلے گزر چکی ہے۔]

علامہ اسماعیل نابلسی "حاشیہ درر وغرر" میں فرماتے ہیں:

لا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين[1] من وطء القبور، كمافي "البدائع" و"الملتقط". اھ[2]

[قبروں کی زیارت اور مردوں کے حق میں دعا کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ قبریں نہ روندی جائیں، جیسا کہ "بدائع" اور "ملتقط" میں ہے۔]

"طریقہ محمدیہ" میں ہے:

من أفات الرجل المشي على المقابر. اھ[3]

[پیر کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔]

امام علامہ محقّق علی الاطلاق اُن لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں جن کے اعزّا واقربا کے گرد مخلوق دفن ہے، وہ ان کی قبروں کو روندتے ہوئے اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں، انھیں چاہئے کنارۂ گورستان سے زیارت اور دعا کرلیں اور اُن کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔ فقد قال في "الفتح": يكره الجلوس على القبر ووطؤه وحينئذ فما يصنعه الناس ممن دفنت حول أقاربه خلق من وطأ تلك القبور إلى أن يصل إلى قبر قريبه مكروه. اھ[4]

[چناں چہ "فتح" میں کہا: قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے، تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا اپنے قریبی رشتہ

---

(1)۔۔:على صيغة المفعول أي: أمنين. ١٢ [مؤمنين صیغہ مفعول ہے یعنی جب وہ محفوظ رہیں۔ ١٢]

(2)۔۔:الحديقة الندية بحواله شرح الدرر: الصنف الثامن فى آفات الرجل، ٢/ ٥٠٥)

(3)۔۔:طريقه محمديه: الصنف الثامن فى آفات الرجل، مطبع هندو پريس دهلى ٢/ ٢٥٩)

(4)۔۔:فتح القدير: فصل فى الدفن مكتبه نوريه رضويه سكهر ٢/ ١٠٢)

دار کی قبر تک پہنچنے کے لیے مکروہ ہے۔]

امام محدّث حافظ الحدیث ابو بکر بن ابی الدنیا حضرت ابو قلابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْه سے راوی ہے:

أقبلتُ من الشام إلى البصرة فنزلتُ الخندق، فتطهرتُ وصلّيتُ ركعتين بالليل، ثم وضعتُ رأسي على قبر، فنمتُ، ثم انتبهتُ، فإذا بصاحب القبر يشتكي ويقول: لقد أذيتني منذ الليلة. الخ[1]

یعنی، میں ملکِ شام سے بصرہ کو آتا تھا، رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سُنا کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی "دلائل النبوۃ" میں حضرت ابو عثمان ہندی، وہ ابن مینا تابعی سے راوی: میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا۔ خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا کہ سُنا، صاحبِ قبر کہتا ہے: قُمْ فقد أذيتني.[2] اُٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی۔

امام حافظ ابو مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی: کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبر سے آواز آئی: اليك عنیّ ولا تؤذنی. اپنی طرف ہٹ دور ہو اے شخص! میرے پاس سے اور مجھے ایذا نہ دے۔

ذكر هما العلامة السيوطي في "شرح الصدور"، اقول: وفيهما تائيد لما عليه عامة علمائنا خلافاً للامام أبي جعفر ومن تابعه من بعض المتأخرين.[3]

[ان دونوں کو علامہ سیوطی عَلَیْهِ الرَّحْمَه نے "شرح الصدور" میں درج فرمایا۔ اقول (میں کہتا ہوں): ان دونوں روایتوں میں اس کو تائید ہوتی ہے جس پر ہمارے عام علما ہیں، بخلاف امام ابو جعفر اور ان کے تابع بعض متاخرین کے۔]

---

(1)۔۔۔: شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا: باب ماینفع المیّت فی قبرہ، ص ۱۲۸)

(2)۔۔۔: دلائل النبوۃ للبیھقی: باب ماجاء فی الرجل الخ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/۴۰)

(3)۔۔۔: شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ عن القاسم بن مخیمرہ: باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی، ص ۱۲۶)

اور اس فقیر غَفَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ نے حضرت سیّدی ابو الحسن احمد نوری مُدَّ ظِلُّہُ العَالی سے سنا کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں گنجِ شہیداں ہے، کوئی شخص اپنی بھینس لیے جاتا تھا، ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جا رہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے، قبر سے آواز آئی: اے شخص! تو نے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔ فیھا قصة لطیفة تدلّ علی عظیم قدرة اللّٰہ تعالٰی و عجیب صنعہٖ فی الشھداء [اس میں لطیف قصّہ ہے جو شہدا کے بارے میں اللہ تعالٰی کی قدرت عظیمہ اور عجیب صناعی پر دلالت کرتا ہے۔]

— اب بحمد اللہ تعالٰی حکمِ مسئلہ مثل آفتاب روشن ہو گیا، جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا اور علما نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے، گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں، بلکہ اُس کے پاس نہ سوئیں۔ سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلحاظِ ادب پاس بھی نہ جائیں، دور ہی سے زیارت کر آئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگرچہ جانوروں کو کھلانا جائز فرمایا، مگر یوں کہ یہاں سے کاٹ کر لے جائیں، نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرائیں اور تصریح فرمائی کہ مسلمان کی عزّت، مردہ و زندہ برابر ہے اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے، مُردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انھیں تکلیف دینا حرام۔ تو خود ظاہر ہوا کہ یہ فعل مذکور فی السوال کس قدر بے ادبی و گستاخی و باعثِ گناہ اور استحقاقِ عذاب ہے۔ جب مکانِ سکونت بنایا گیا تو چلنا، پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہو گا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور امواتِ مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا و العیاذ باللّٰہ رب العٰلمین۔

علما فرماتے ہیں: جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں، ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے۔ کما صرّح بہ العلامة المناوی رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی "التیسیر شرح الجامع الصغیر" [جیسا کہ علامہ مناوی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے "تیسیر شرح جامع صغیر" میں تصریح کی۔]

اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمین میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں، بلکہ خدا جانے ایک ایک قبر میں کس کس قدر دفن ہیں، تو بالضرورۃ ان میں بندگانِ مقبول بھی ضرور ہوں گے، بلکہ اس امر کی اموات میں زیادہ امید ہے کہ بہت بندے خدا کے جو زندگی میں آلودۂ گناہ تھے، بعد موت پاک وطیّب ہوگئے۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

الموت کفارۃ لکلِّ مسلمٍ. اخرجه "ابو نعیم" والبیهقی فی "شعب الایمان" عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه، وقال السیوطی: صحّحه ابن العربی.[1]

موت کفارۂ گناہ ہے ہر سُنّی[2] مسلمان کے لیے۔ [اسے ابو نعیم اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا اور علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ابن عربی نے اس کی تصحیح کی۔]

اسی لئے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا کہ فاجر معلن کے فسق وفجور کا اُس کی زندگی میں اعلان کیا جائے، تاکہ لوگ اُس سے احتراز کریں۔ اخرج ابن ابی الدنیا فی "ذم الغیبة" والترمذی فی "النوادر" والحاکم فی "الکنی" والشیرازی

---

(1)۔۔:شعب الایمان: حدیث ۹۸۸۶، دار لکتب العلمیة بیروت، ۷/ ۱۷۱)

(2)۔۔: فائدہ جلیلہ: محاورۂ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلِ سنت کو کہتے ہیں زمانۂ نزولِ قرآن عظیم وارشاد حدیث کریمہ میں صرف اہلِ حق، اہلِ سنت وجماعت ہی تھے، اس زمانے برکت نشان میں کسی بدمذہب ومبتدع کا ہونا محال تھا کہ بدمذہبی شبہ وتاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم دنیا میں جلوہ فرماتے، اگر شبہ گزرتا حضور کشف فرماتے، شبہ والا مانتا تو سُنّی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہوجاتا، یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی۔ ولہذا آیہ کریمہ ﴿وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [النساء:۱۱۵] سے جب علما نے حجیتِ اجماع پر استدلال کیا، تصریح فرمادی کہ مبتدعین کا اتفاق اجماع میں ملحوظ نہیں کہ مومنین سے مراد اُمتِ اجابت ہیں، مبتدعین اُمتِ اجابت نہیں، اُمت دعوت ہیں۔ دیکھو توضیح وتلویح بحث اجماع وغیرہ۔ یہ فائدہ نفیسہ یاد رکھنے کا ہے کہ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰] وغیرہا آیات واحادیث میں مومنین سے اہلِ سنت ہی مراد ہیں، انھیں کے باہم اتفاق واتحاد کا حکم ہے۔ ندوۃ خذلها اللہ تعالٰی کی تعمیم اور تمام گمراہوں، بدمذہبوں سے اتحاد، وداد کی تعلیم سب بے دینوں کی تکریم وتعظیم پر ان نصوص کو پیش کرنا محض بددینی اور ضلالت ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲ منه، حفظ ربه

فی "الالقاب" وابن عدی فی "الکامل" والطبرانی فی "الکبیر" والبیهقی فی "السنن" والخطیب فی "التاریخ" کلهم عن الْجَارُودِبْنِ يَزِيدَ، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم «أَتَرِعُونَ عَنْ ذِكْرِ الْفَاجِرِ؟، اذْكُرُوهُ بِمَا فِيهِ يَعْرِفُهُ النَّاسُ».[1]

[ابن ابی الدنیا نے "ذم الغیبۃ" میں اور ترمذی نے "نوادر" میں اور حاکم نے "کنی" میں اور شیرازی نے "القاب" میں اور ابن عدی نے "کامل" میں اور طبرانی نے "کبیر" میں اور بیہقی نے "سنن" میں اور خطیب نے "تاریخ" میں، سب نے جارود سے، جارود نے بہز بن حکیم سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور ان کے دادا نے نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کی کہ کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر کی بُرائیاں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔]

اور بعد موت کیسا ہی فاسق فاجر ہو اس کے برا کہنے اور اس کی برائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا کہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گیا۔ اخرج الامام احمد والبخاری والنسائی عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قال: لاتسبّوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدّموا.[2]

واخرج ابو داؤد والترمذی والحاکم والبیهقی عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِئِهِمْ.[3]

واخرج النسائی بسند جید عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: «لَاتَذْكُرُوا هَلْكَاكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ».[4]

[امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھا سے

---

(1)۔۔:نوادر الاصول: اصل نمبر ٢٦ فی ذکر الفاجر الخ، دار صادر بیروت، ص ٢١٣ = تاریخ بغداد: ترجمہ ٣٧٤٥ و ٣٧٥١، دار الکتاب العربی بیروت ٢٦٢/٧ و ٢٦٨ و ٣٨٢/١)

(2)۔۔:صحیح البخاری: کتاب الجنائز، باب ماینهی من سب الاموات، قدیمی کتب خانہ کراچی، ١٨٧/١)

(3)۔۔:سنن ابی داؤد: باب مافی النهی عن سب الموتٰی، ٣١٥/٢)

(4)۔۔:سنن النسائی: النهی عن ذکر الهلکی الا بخیر، مکتبہ سلفیہ لاہور، ٢٢٢/١)

روایت کی، انھوں نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے، فرمایا: تم مردوں کو برا نہ کہو؛ کیوں کہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ اس کی جزا کو پہنچے۔]

[اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم، بیہقی نے ابن عمر سے، انھوں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کی کہ تم اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے درگزر کرو۔]

[اور نسائی نے بسند جید عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھا سے روایت کی اور انھوں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہ تم اپنے مردوں کو بھلائی سے ہی یاد کرو۔]

بعد اس اطلاع کے بھی اگر ایسے اشخاص اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو اب ان کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ حضرات اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہوں گی اور اشدّ و اعظم مصیبت اس کی جو اولیا کی جناب رفیع میں گستاخ ہو، نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: اللہ جلّ جلالہ فرماتا ہے:

من عادلی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب. رواہ الامام البخاری عن سیّدنا ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ.(1)

جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے تو بے شک میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کر دیا۔[اسے امام بخاری نے سیّدنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا۔]

اقول: وکفی بالجامع الصحیح حجۃً وان کان فی قلب الذھبی ما کان.

[اقول (میں کہتا ہوں): دلیل کے طور پر "جامع صحیح" کا حوالہ کافی ہے اگرچہ مریب کے دل میں کچھ شک گزرے۔]

غرض اُن لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حال سقیم پر رحم کریں اور خدائے جبار قہّار جلّ جلالہ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کے اموات کو ایذا نہ پہنچائیں، آخر انھیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا اور بے کس، بے بس ہو کر پڑنا ہے، جیسا

---

(1)۔۔: صحیح البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع، ۹۶۳/۲)

آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں، ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔

عنہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کما تدین تدان. [1] اخرجہ ابن عدی فی "الکامل" عن ابن عمر واحمد فی "المسند" عن ابی الدرداء وعبدالرزاق فی "الجامع" عن ابی قلابۃ مرسلاً وھو عندالاٰخرین قطعۃ حدیث، قلت: ولہ شواھد جمۃ وھو من جوامع کلمہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم.

[سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان ہے جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اسے ابن عدی نے "کامل" میں ابن عمر سے، احمد نے "مسند" میں ابی الدرداسے اور عبدالرزاق نے "جامع" میں ابو قلابہ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور آخری دو کے نزدیک یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، قلت (میں کہتا ہوں): اس کے لیے شواہد کثیر ہیں اور یہ حدیث حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جامع کلمات میں سے ہے۔]

اللہ کی طرف شکوے کہ یہ بلا اِن جاہلوں میں اُن اجہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے، جنھوں نے اموات کو بالکل پتھر سمجھ لیا کہ مرگئے اور خاک ہوگیے، نہ اب کچھ سنیں نہ سمجھیں، نہ کسی چیز سے ایذا یا راحت پائیں اور جہاں تک بَن پڑا، قبورِ مسلمین کی عظمت قلوبِ عوام سے چھیل [سلب کر] ڈالی۔ فاناللّٰہ وانا الیہ راجعون.

وصلِ دوم:

تنقیحِ مقام و تفضیحِ اوہام نجدیہ لیام، نقل دو فتویٰ فقیر غفرلہ ملک المنعام

فتویٰ اُولیٰ:

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مسئلہ:

از کلکتہ امر تلالین، نمبر ۸، مرسلہ: حاجی لعل خاں صاحب وبار دوّم بلفظہٖ از کانپور بازار نیا گنج کمپنی دادو جی دادا بھائی سورتی، مرسلہ: عبدالرحیم صاحب ۲۰ ربیع الآخر شریف

---

(1)۔۔: کنزالعمال بحوالہ ابن عدی عن ابن عمر، حدیث ۴۳۰۳۲، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۷۷۲)

۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رَحِمَهم اللّٰہ تعَالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک سطح وقف زمین جو کہ قبرستان کے نام سے مشہور ہے، جس کی ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی سطح میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں عمر رسیدہ قریب اسی (۸۰) سے سو (۱۰۰) برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ اس سطح زمین میں کوئی میّت دفن نہیں ہوا ہے، اس پر چند مسلمانانِ عالی ہمت نے اُس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لیے حاکمِ وقت سے درخواست کی۔ تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، حاکمِ وقت نے اجازت دے دی، اُن حضرات نے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لیے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر مدرسہ وکتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی نیو[بنیاد] کھودتے وقت اگر احیاناً وہاں مردہ کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

وقف کی تبدیل جائز نہیں، جو چیز جس مقصد کے لیے وقف ہے اُسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں، جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کرسکتے، یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ "سراج وہاج" پھر "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ، فلایجعل الدار بستاناً ولا الخان حماماً ولا الرباط دکاناً إلاإذا جعل الواقف إلی الناظر مایری فیہ مصلحۃ الوقف.اھ[1]

قلت: فإذالم یجز بتبدیل الھیأۃ، فکیف بتغییر أصل المقصود.

[وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہذا گھر کا باغ بنانا اور سرائے کا حمام بنانا اور رباط کا دکان بنانا جائز نہیں، ہاں! جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو

---

(1)۔۔۔: فتاوٰی ھندیۃ: کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات، ۲/۴۹۰)

کہ وہ ہر وہ کام کر سکتا جس میں وقف کی مصلحت ہو تو جائز ہے۔ قلت (میں کہتا ہوں): جب ایک ہیئت کی تبدیلی جائز نہیں تو اصل مقصود کی تغییر کیوں کر جائز ہو گی!]

اور اس پارۂ قبرستان میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول مفتٰی بہ پر واقف کے صرف اتنا کہنے سے کہ میں نے یہ زمین مسلمانان کے لئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرہ مسلمین کر دیا، وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے اگر چہ ہنوز ایک مردہ بھی دفن نہ ہوا اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔

"اسعاف" پھر "ردالمحتار" میں ہے:

تسلیم کل شیئ بحسبہ ففی المقبرۃ بدفن واحد وفی السقایۃ بشربہ وفی الخان بنزولہ. (1)

[ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے تو مقبرے میں ایک شخص کو دفن کرنا ہے اور سقایہ میں ایک گھونٹ پانی پینا ہے اور سرائے میں اترنا ہے۔]

"ہدایہ" و "ہندیہ" میں ہے:

وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی: یزول ملکہ بالقول کما ہو أصلہ وعند محمد رحمہ اللہ تعالٰی: اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کلہ وعلی ہذا البئر والحوض. (2)

[اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی ملک کہنے سے زائل ہو جائے گی، جیسی کہ یہ وقف کی اصل ہے اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے سیر اب ہوں اور سرائے اور رباط میں رہیں اور مقبرہ میں دفن کریں تو ملک زائل ہو جائے گی اور ایک پر اکتفا کیا جائے گا؛ کیوں کہ تمام جنس کا فعل متعذر ہے اور کنویں اور حوض کا حکم بھی ایسا

---

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب الوقف، ۳/۴۰۵

(2)۔۔: فتاوی ہندیۃ: کتاب الثانی عشر فی الرباطات الخ، ۲/۴۶۵

ہی ہے۔]

"در منتقی" اور "شامی" میں ہے:

قدّم فی "التنویر" و "الدرر" و "الوقایة" وغیرها قول ابی یوسف وعلمت ارجحیته فی الوقف والقضاء.(1)

["تنویر"، "درر" اور "وقایہ" وغیرہا میں امام ابویوسف کا قول مقدّم رکھا اور تم اس کی ارجحیت وقف اور قضا میں جان چکے ہو۔]

پس صورتِ مستفسرہ میں وہاں مدرسہ وکتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں اگرچہ مُردے کی ہڈی نہ نکلے اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشدّ ہو جائے گی کہ قبرِ مسلم کی بے حرمتی ہوئی کما بینا فی "الأمر باحترام المقابر" [جیسا کہ ہم نے رسالہ "الآمر باحترام المقابر" میں بیان کیا ہے۔] واللہ تعالیٰ اعلم

فتویٰ ثانیہ:

مسئلہ: از کانپور مسجد رنگیاں، مرسلہ: مولوی شاہ احمد حسن صاحب مرحوم بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

بخدمت سراپا برکت مولانا صاحب مجدّد مائۃ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ امام جماعت عالم سنت مولانا وسیّدنا المولوی محمد احمد رضا خاں صاحب تمت فیوضاتہم وعمّت سکنتہ المشارق والمغارب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کانپوری مولوی احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے کہ بالفعل ایک اشدّ ضرورت ہے، وہ یہ کہ جامع العلوم والوں نے ایک فتویٰ لکھا، مستفتی میرے پاس لایا، میں نے اُن کے خلاف جواب لکھا، جامع العلوم والوں نے اس کو دیوبند بھیجا، انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی۔ مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ اب میں کس کے قول پر عمل کروں، میں نے کہا کہ جو فیصلہ حَکَم کرے اس پر عمل کرو۔ حضرت مولانا سے بڑھ کر کون حَکَم ہے۔ لہٰذا اس استفتا کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ اور مولانا سے جواب

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب الوقف، ۴۰۵/۳)

لکھوالو اور فوراً روانہ کر دو۔ چوں کہ میرا ارادہ حاضری کا تھا، میں نے استفتا لے لیا اور اتفاق کہ میں حاضر نہ ہو سکا اور یہ بہت ضروری ہے؛ لہٰذا اس عریضہ میں ہمراہ سیّد عبد الشکور صاحب حاضرِ خدمت کرتا ہوں، اسی وقت فیصلہ لکھ دیجئے اور سیّد صاحب ہی کے ہمراہ واپس فرمایئے کہ میں روانہ کر دوں، مولوی احمد حسن صاحب انتظار میں ہوں گے۔

نقل استفتا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سطحِ زمین قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں، الخ۔ (بعینہ سوال آمدہ از کلکتہ امر تلا لین واز کانپور بازار نیا گنج، ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ کے عنقریب فتاویٰ میں گزرا۔)

جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم:

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے لعدم المانع [کہ مانع معدوم ہے] اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کر دے۔ وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ: وَلَوْ بَلِيَ الْمَيِّتُ وَصَارَ تُرَابًا جَازَ دَفْنُ غَيْرِهِ فِي قَبْرِهِ وَزَرْعُهُ وَالْبِنَاءُ عَلَيْهِ. اھ[1]" شامیۃ" ص ۵۹۹ واللہ اعلم۔ [امام زیلعی نے فرمایا: اگر میّت بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا اور اس کی قبر پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے۔ "شامیہ"، ص۵۹۹، واللہ اعلم۔]

الاحقر محمد رشید مدرّس دوّم مدرسہ جامع العلوم - کانپور
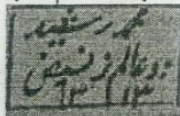
من اجاب فقد اصاب.

محمد عبد اللہ عفی عنہ

---

(1)۔۔: ردالمحتار: مطلب فی الدفن، ۱/۵۹۹)

هذا الجواب غير صحيح لانه مخالف لعبارة الفقهاء.

محمد عبدالرزاق مدرّس مدرسہ امدادالعلوم-کانپور

خلاصہ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب:

صورتِ مسئولہ میں اس مقام پر کتب خانہ و مدرسہ بنانا ناجائز ہے؛ اس لیے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعاً یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لیے زمین وقف ہوگی اور اُس کی شہرت اس کے ثبوت کے لیے دلیل کافی ہے۔ "در مختار" میں ہے:

تقبل فيه الشهادة بالشُّهرة. الخ ملخصاً [1]

[اس میں شہرت کی بنا پر شہادت قبول کی جاتی ہے، الخ۔]

[اسی طرح] "ردالمحتار" میں ہے۔ الخ

"عالم گیریہ" [میں ہے]:

الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز. الخ [2]

[وقف پر شہادت شہرت کی بنا پر جائز ہے، الخ۔]

اور اس کے مندرس ہو جانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔ "قاضی خاں" مطبوعہ مصر، جلد ثالث، ص ۳۱۴ [پر ہے]:

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها أثار المقبرة هل يباح لاهل المحلة الانتفاع بها؟ قال ابو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح. [3]

[ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلہ اس

---

(1)۔۔: درمختار: كتاب الوقف فصل يراعى شرط الوقف فى اجارته مطبع مجتبائى دهلى ۱/ ۳۸۸)

(2)۔۔: فتاوىٰ هندية: كتاب الوقف الفصل الثانى فى الشهادة، ۲/۴۳۸)

(3)۔۔: فتاوىٰ قاضى خان: فصل فى المقابر والرباطات ۴/۷۲۵)

سے نفع حاصل کر سکتے ہیں؟ ابو نصر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔]

"عالم گیری": جلد ثانی، مطبوعہ مصر، صفحہ ۴۷۰ و ۴۷۱:

سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی فی المقبرة اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتٰی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حکم المقبرة، کذا فی "المحیط".[1]

[قاضی شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقام قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں، کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے؟ فرمایا: نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے جیسا کہ "محیط" میں ہے۔]

نہ عدم جواز انتفاع بالمقبرہ امام زیلعی کی اُس عبارت کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ انھوں نے "جواز میّت" کے بوسیدہ اور خاک ہو جانے پر مرتّب فرمایا ہے اور یہاں عدمِ جواز اس وجہ سے نہیں، بلکہ بسبب مقبرہ کے وقف ہونے کے ہے، جیسا کہ مصحّح نے "عالم گیریہ" مطبوعہ مصر میں لکھا ہے، عبارت منقولہ "عالم گیریہ" پر یہ عبارت لکھی ہے:

قوله: "قال لا هذا" لا ینا فی ماقاله الزیلعی، لان المانع ههنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا یجوز استعماله فی غیره، فلیتامل ولیحرر! اهـ مصححه.[2]

[ان کا قول "انھوں نے کہا: نہیں" یہ زیلعی کے قول کے منافی نہیں؛ کیوں کہ یہاں مانع محل کا دفن کے لیے موقوف ہونا ہے تو اس کا استعمال غیر میں جائز نہیں، غور کرنا چاہیے اور اسے محفوظ کرنا چاہئے، مصحّح۔]

اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں۔ "عالم گیریہ"، جلد ثانی، ص ۴۷۸ میں ہے:

---

(1)۔۔: فتاوی ھندیة: الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ، ۲/ ۴۷۱-۴۷۰)

(2)۔۔: حاشیه فتاوی ھندیة: الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانه پشاور ۲/ ۴۷۱)

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد اوحوضٍ خرب لایحتاج الیه لتفرق الناس، هل للقاضی ان یصرف اوقافه الٰی مسجدٍ اٰخر اوحوض او اٰخر؟ قال: نعم! ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة وهناک مسجد محتاج الی العمارة اوعلی العکس هل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة الٰی عمارةٍ ماهو محتاج الی العمارة؟ فقال: لا، کذافی "المحیط".[1]

[شمس الائمہ حلوانی سے مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوں اور ان کی ضرورت نہ رہی ہو؛ کیوں کہ وہاں آبادی نہیں رہی، کیا قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کر سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں اور اگر لوگ وہیں رہتے ہوں مگر اس حوض کی ضرورت نہ رہی ہو اور وہاں مسجد عمارت کی محتاج ہو یا بالعکس تو کیا قاضی اس وقف کی آمدنی جس کی ضرورت نہ ہو دوسرے محتاج وقف کی تعمیر پر خرچ کر سکتا ہے؟ تو فرمایا: نہیں۔ "محیط" میں اسی طرح ہے۔]

لہٰذا اُس زمین میں جو دفن کے لیے وقف ہو، مدرسہ وغیرہ بنانا جائز نہ ہو گا گو خالی ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے اُس کا خالی ہونا فقط شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میّت دفن نہ کی گئی، ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ اس قدیم مقبرے کا پُر ہونا سمجھا جاتا ہے کہ جب دو تہائی زمین میں قبریں اس قدر پُرانی ہیں کہ سو (۱۰۰) برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں تو ایک ثلث میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وہ بالکل منہدم ہو گئی ہوں، زمین صاف معلوم ہوتی ہو، زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہاں! اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرہ کے لیے وقف ہوئی، کوئی میّت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی، تو البتہ خالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے، پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دوسرے کام میں لانا ناجائز ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب.**

کتبہ: عبدہ العاصی فضل الٰھی عفی عنه

---

(1)۔۔: فتاوٰی ھندیة: الباب الثالث عشر فی الاوقاف الخ، ۲/۴۷۸)

هذا الجواب صحيح.

كتبه: عبدالرزاق عفى عنه

الجواب الثانى صحيح.

كتبه: احمد حسن عفى عنه

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی و دیوبندیاں:

الجواب:

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کہ ہے اُس سے بھی مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل! اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں اور قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں، یہ سب جگہ جاری نہیں، اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدّت دراز سے بند ہے تو اُس میں دوسرا مکان وقفی بنا دینا درست ہے۔ لہذا مدرسہ وقفی بنانا اُس گورستان میں جائز ہے۔ چناں چہ اس روایت سے واضح ہے، "عینی شرح بخاری" جلد ۲، صفحہ ۳۵۹:

فَإن قلت: هَل يجوز أَن تبنى على قُبُور الْمُسلمين؟ قلت: قَالَ ابْن الْقَاسِم: لَو أَن مَقْبرَة من مَقَابِر الْمُسلمين عفت فَبنى قوم عَلَيْهَا مَسْجِدا لم أر بذلک بَأْسا، وَذَلِک لِأَن الْمَقَابِر وقف من أوقاف الْمُسلمين لدفن موتاهم لَا يجوز لأحد أَن يملكهَا، فَإِذا درست وَاسْتغْنى عَن الدّفن فِيهَا جَازَ صرفهَا إِلَى الْمَسْجِد، لِأَن الْمَسْجِد أَيْضا وقف من أوقاف الْمُسلمين لَا يجوز تملكه لأحد، فمعناهما على هَذَا وَاحِد.(1)

[اگر تم کہو: کیا مسلمانوں کی قبروں پر مساجد کا بنانا جائز ہے؟ میں کہوں گا: ابن قاسم نے کہا: اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ختم ہو جائے اور وہاں کچھ لوگ مسجد بنالیں تو

---

(1)۔۔: عمدة القارى شرح صحيح بخارى: باب حل تنبش قبور المشركين الخ، ادارة الطباعة المنيرة بيروت، ۱۷۹/۴)

میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ قبرستان بھی مسلمانوں کا ایک وقف ہے ان کے مردوں کو دفن کرنے کے لیے، کسی کے لیے اس کا مالک بننا جائز نہیں، اب جب کہ وہ مٹ گیا اور اس میں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہوا؛ کیوں کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں، لہذا ان دونوں کا مقصد ایک ہے۔]

اور کُتبِ فقہیہ میں بھی روایاتِ جواز موجود ہیں، مگر بندے کو مہلت نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح.

بندہ محمود عفی عنہ

الجواب صحیح.

بندہ مسکین محمد یسین عفی عنہ

الجواب صحیح.

غلام رسول عفی عنہ

جب کہ وہ مقبرہ نہایت کہنہ ہے اور اس وقت دفن کرنا وہاں متروک ہو گیا ہے تو بنائے مدرسہ اُس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے۔ البتہ اگر وہ مقبرہ فی الحال دفنِ اموات میں کام آتا ہو تو کوئی اور بنا اُس میں درست نہیں ہے۔ قال فی "عالمگیریة": وَلَوْ بَلِيَ الْمَيِّتُ وَصَارَ تُرَابًا جَازَ دَفْنُ غَيْرِهِ فِي قَبْرِهِ وَزَرْعُهُ وَالْبِنَاءُ

عَلَيهِ. كذافي "التبيين" . [1]

[" عالم گیریہ " میں ہے کہ اگر میّت پرانی ہو جائے اور مٹی ہو جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ " تبیین " میں ہے۔] فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ: عزیز الرحمن عفی عنہ

متوکل علی العزیز الرحمن ۱۳۰۷

الجواب:

اللهم هداية الحق و الصواب.

جواب اوّل غلط صریح اور حکم ثانی حق و صحیح اور تحریرِ ثالث جہل قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ :

اوّلاً: سوال میں صاف تصریح تھی کہ " ایک سطح وقف زمین "، پھر مجیب سوّم کی تشقیق کہ " اگر وہ قبرستان نہیں، الخ " محض شقشقہ بے معنی ہے۔

وقف میں شہرت کافی ہے اور گنگوہی صاحب کی جہالت :

ثانیاً: قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں، اس " یہ " کا مشار الیہ شہرت ہے یا وقفیت۔ اوّل صحیح ہے مگر مہمل و ندائے بے محل۔ سوال اس صورت میں خاصہ سے ہے جہاں شہرت موجود ہے، اس پر حکم کے لیے ہر جگہ شہرت کیا ضرور۔ یوں ہی دوّم بھی اگر مقصود سلب وقفیت بحال انتقائے شہرت ہو اور انہیں دونوں صورتوں میں یہ قول کہ " اکثر جگہ دیکھا گیا کہ گورستان وقف نہیں ہوتا " رُو بصحت رکھتا ہے اگرچہ کثیر و اکثر میں فرق نہ کرنا ضیق نطاق بیان ہے اور اگر نفی وقفیت باوصف شہرت مراد تو محض مردود و ظاہر انفساد اور اب وہ شہادت مشاہدۂ اکثر بلاد صراحتاً حکایت بے محکی عنہ ہے۔ متون و شروح و فتاوٰئے مذہب میں تصریحات جلیہ ہیں کہ شہرت مثبت

(1)۔۔۔: فتاوى هندية: الفصل السادس في القبر والدفن، ١/١٦٧)

وقفیت و مسوّغ شہادت ہے۔ کلام مجیب دوم سلّمہ میں بھی اس کی بعض نقول منقول، پھر باوصف تسلیم دلیل شرعی نفی مدلول جہل قطعی۔ یہاں شہادت شہرت کو نہ ماننا نہ اسی مقبرے، بلکہ عامہ اوقافِ قدیمہ یکسر مٹادینا ہے، طولِ عہد کے بعد شہود معاینہ کہاں اور مجرّد خط حجت نہیں۔ "فتاویٰ خیریہ" میں ہے:

لایعمل بمجرّد الدفتر ولا بمجرّد الحجة لما صرّح به علماءُ نا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به کمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاة الماضین وانما العمل فی ذالک بالبینة الشرعیة.(1)

[صرف تحریر پر عمل نہ ہو گا اور نہ صرف دلیل پر؛ کیوں کہ ہمارے علما نے تصریح کر دی ہے کہ خط پر اعتماد نہیں اور اس پر عمل نہیں، جیسے وہ وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کی تحریریں ہوں، اس معاملے میں شرعی گواہوں پر ہی عمل ہو گا۔]

اُسی میں ہے:

کتاب الوقف انما هو کاغذ به خط وهو لا یعتمد علیه ولا یعمل به کما صرّح به کثیر من علمائنا، والعبرة فی ذالک للبیّنة الشرعیة وفی الوقف یسوغ للشاهد ان یشهد بالسماع ویطلق، ولا یضرّ فی شهادته قول بعد شهادته لم اعائن الوقف ولکن اشتهر عندی او اخبرنی به من اثق به.(2)

[وقف کی تحریر تو ایک کاغذ ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے بہت سے علما نے تصریح کی ہے۔ اعتبار اس معاملہ میں شرعی گواہوں کا ہے اور وقف میں گواہ کے لیے جائز ہے کہ سُن کر گواہی دے اور اطلاق رکھے اور اس کی شہادت میں ادائے شہادت کے بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معائنہ نہیں کیا، لیکن میرے نزدیک مشہور ایسا ہی ہے یا مجھے قابل اعتماد شخص نے خبر دی ہے کچھ مضر نہیں۔]

---

(1)۔۔۔فتاوی خیریة: کتاب الوقف، دار المعرفة بیروت، ۱/۱۱۸)

(2)۔۔۔فتاوی خیریة: کتاب الوقف، ۱/۲۰۳)

اب اگر شہرت بھی منقول نہ ہو تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض بے ثبوت وباطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے؟

وقف میں تبدیلی حرام ہے اور گنگوہی صاحب کی سفاہت:

ثالثاً: مقبرے کے لیے وقف تسلیم کر کے اُس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلمِ واضح وجہلِ فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغییرِ وقف ہے اور وہ حرام ہے حتّٰی کہ متولّی بھی وقف پر ولایت رکھتا ہے نہ کہ اجنبی حتّٰی کہ علما نے تغییرِ ہیئت کی بھی بے اذن واقف اجازت نہ دی، نہ کہ تغییرِ اصلِ وقف۔ "عقود الدریہ" میں ہے:

لا یجوز للناظر تغییر صیغة الواقف کما افتی به الخیر الرملی و الحانوتی وغیرهما. (1)

[وقف کے نگہبان کے لیے واقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا کہ خیر رملی اور حانوتی وغیرہما نے فتویٰ دیا ہے۔]

"سراج الوہاج" و"ہندیہ" میں ہے:

لا یجوز تغییر الوقف عن هیأته فلا یجعل الدار بستانا و لا الخان حمّاما و لا الرباط دکّانا اِلاّ اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف. (2)

[وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہٰذا گھر کو باغ اور سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں، ہاں! واقف نے اگر نگرانِ وقف کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہر وہ کام کر سکتا ہے جس میں وقف کی مصلحت ہو تو ٹھیک ہے۔]

"فتح القدیر" و"ردالمحتار" و"شرح الاشباہ" للعلامۃ البیری میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علٰی ما کان علیه دون زیادة. (3)

---

(1)۔۔۔:العقود الدریة: لایجوز للناظر تغییر الوقف، حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان (۱/۱۱۵)

(2)۔۔۔:فتاوی هندیة: الباب الرابع عشر فی المتفرقات، ۲/۴۹۰)

(3)۔۔۔:فتح القدیر: کتاب الوقف، ۵/۴۴۰)

[وقف کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھنا واجب ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی زیادتی کی جائے۔]

وقف کرنے کے لیے مالک ہونا شرط ہے، شے ایک بار وقف ہو کر دوبارہ وقف نہیں ہو سکتی اور گنگوہی صاحب کی ناواقفی:

رابعاً: مدرسہ یا کتب خانہ یا کوئی مکان کیا خالی دیواروں کا نام ہے۔ ہر عاقل ادنٰی عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین ضرور اس میں داخل، تنہا دیواروں کو بناو عملہ کہتے ہیں، نہ بیت وخانہ، مدرسہ جائے درس، محل درس زمین ہے یا دیواروں پر بیٹھ کر درس ہو گا؟ اور یوں بھی ہو تاہم قرار استقرار کو انتہا علی الارض سے کیا چارہ، اور یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لیے وقف ہو چکی، دوبارہ وقفیت کیوں کر معقول کہ واقف کا وقتِ وقف مالکِ موقوف ہونا شرط وقف ہے ہمارے مذہب میں باتفاق اہل وقوف اُس پر صحت وقف موقوف اور وقف بعد تمامی کسی کی ملک نہیں، تو خود اصل واقف بھی اگر دوبارہ اُسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہو گا، نہ کہ زید و عمرو، بلکہ یہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اُخرٰی پر ہو یا اسی جہتِ اولٰی پر کہ علی الاوّل تحویل باطل ہے اور علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔ "بحر الرائق" و "عالم گیریہ" وغیرہما میں ہے:

أما شرائطه فمنها العقل والبلوغ ومنها أن يكون قربة ومنها الملك وقت الوقف ويتفرع على إشتراط الملك انه لايجوز وقف الاقطاعات ولا وقف أرض الحوز للإمام ،اھ ملتقطاً.(1)

[بہر حال وقف کی شرائط تو ان میں سے بلوغ اور عقل ہے اور ان میں سے اس کا عبادت کے لئے ہونا ہے اور وقتِ وقف ملک کا ہونا ہے۔ ملک کی شرط پر یہ بھی متفرّع ہے کہ جاگیر کا وقف جائز نہیں اور امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف بھی جائز نہیں۔ ملتقطاً]

"اسعاف" میں ہے:

---

(1)۔۔:فتاوی ھندیۃ: کتاب الوقف، باب الاول فی تعریف الخ، ۲/ ۳۵۲ تا ۳۵۴)

إتفق أبویوسف ومحمد رحمهما الله تعالٰی أن الوقف یتوقف جوازه علی شروط بعضها فی المتصرف کالملک،فإن الولایة علی المحل شرط الجواز والولایةتستفادبالملک أوهی نفس الملک.[1]

[امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَهُما اللهُ تَعَالٰی نے اتفاق کیا ہے کہ وقف کا جواز بعض شرائط پر موقوف ہے، کچھ تو اس میں سے متصرّف ہیں جیسے ملک: کیوں کہ ولایت محل "شرط جواز ہے اور ولایت یا تو ملک سے مستفاد ہے یا وہ خود ملک ہے۔]

اُسی میں ہے:

لو وقف أرضاًقطعه ایّاها السلطان فإن کانت ملکاله أو مواتاصح وإن کانت من بیت المال لایصحّ.[2]

[اگر کسی شخص نے بادشاہ کی دی ہوئی جاگیر وقف کر دی تو اگر وہ اس کی ملک ہے یا وہ مردہ زمین ہے تو صحیح ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو صحیح نہیں۔]

زمین وقف میں کوئی عمارت دُوسری غرض کے لیے وقف نہیں ہو سکتی اور گنگوہی صاحب کی نادانی:

خامساً: تنہا عمارت وقف ہو گی یا تنہا زمین یا دونوں، ثانی بدیہی البطلان ہے؛لأن الوقف لایوقف[کیوں کہ وقف کا دوبارہ وقف جائز نہیں۔]

یوں ہی ثالث لأنه علیه یتوقف[کیوں کہ وہ وقف پر موقوف ہے۔]

اول کا جواز ارض غیر محتکرہ میں صرف اُس صورت میں ہے کہ یہ عمارت اُسی کام پر وقف ہو جس پر اصل زمین کا وقف ہے۔هوالصحیح بل هو التحقیق وبه التوفیق[یہ صحیح ہے، بلکہ یہی تحقیق ہے اللہ تعالٰی کی توفیق ہے۔] تو زمین مقبرہ اور دیواریں مدرسہ محض وسوسہ۔

"فتاویٰ" علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

---

(1)۔۔:اسعاف)

(2)۔۔:اسعاف)

سئل فی کرم مشتمل علٰی عنب وتین وأرضه وقف سیّدنا الخلیل علیه وعلٰی نبیّنا وسائر الانبیاء أفضل الصلاة وأتم السلام من الملک الجلیل ادّعٰی رجل بأنّه وقف جده هل تسمع دعواه؟ أجاب: لاتسمع ولاتصح إذالکرم إسم للأرض والشجر وإن أرید به الشجر فوقف الشجر علٰی جهته غیر جهة الأرض مختلف فیه وقدقال صاحب "الذخیرة": وقف البناء من غیر وقف الأرض لم یجزهو الصحیح وإن أرید کل من الأرض والشجر فبطلانه بدیهي التصور وإن أریدالأرض فبدیهیةالبطلان أولٰی. ملتقطا [1]

[اب باغ کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں انگور اور انجیر ہیں اور اس کی زمین جس کو حضرت سیّدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ نے وقف کیا تھا، ایسے باغ پر ایک شخص نے دعویٰ کر دیا کہ یہ اس کے دادا نے وقف کیا تھا، کیا اس کا دعویٰ سُنا جائے گا؟ جواب دیا: نہیں، کیوں کہ باغ زمین اور درختوں کے مجموعے کا نام ہے اوراگر اس سے مراد درخت ہوں تو درختوں کا زمین کی جہت کے بغیر وقف کرنا مختلف فیہ ہے۔ صاحبِ ذخیرہ نے کہاہے کہ عمارت کاوقف کرنازمین کے بغیر جائز نہیں، یہی صحیح ہے۔ اور اگر زمین اور درخت سب مراد ہوں تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور اگر صرف زمین مراد ہو تواس کا باطل ہونااور بھی ظاہر ہے، ملتقطاً۔]

اُسی میں اس کے متصل ہے:

کیف یصح للواقف وقفها علٰی نفسه و هی وقف الخلیل علیه الصلاة والسلام. [2] وهذامعنی قوله: فبطلانه بدیهي التصور.

[واقف اس کو اپنے اوپر کیوں کر وقف کر سکتا ہے، حالاں کہ یہ وقف ابراہیم عَلَیْهِ السَّلَامُ کا ہے۔ یہی معنی ہیں ان کے قول کے کہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔]

"ردالمحتار" میں ہے:

---

(1)۔۔: فتاوٰی خیریة: کتاب الوقف، دارالمعرفةبیروت ۱/۱۷۶)

(2)۔۔: فتاوی خیریه: کتاب الوقف، ۱/۱۷۷)

الذی حرّرہ فی "البحر" اخذا من قول "الظھیریة" وأمّا إذا وقفه علی الجھة التی کانت البقعة وقفاً علیھا جاز اتفاقاً تبعاً للبقعة وان قول الذخیرة لم یجز ھو الصحیح مقصور علٰی ماعدا صورة الاتفاق وھو مااذا کانت الارض ملکاً او وقفاً علٰی جھة اخریٰ.اھ[1] وعلی ھذا فینبغی ان یستثنی من ارض الوقف مااذا کانت معدة للاحتکار وبه یتضح الحال ویحصل التوفیق بین الاقوال،اھ ملخصا.[2] وقد أوضحناہ فیما علّقنا علیه.

[جو "بحر" میں تحریر کیا ہے وہ "ظہیریہ" کے قول سے ماخوذ ہے اور اگر اسی جہت پر وقف کیا جس پر وہ خطہ وقف تھا تو وقف اس کی اتباع میں بالاتفاق جائز ہے اور ذخیرہ کا قول "جائز نہیں" صحیح ہے اور یہ اتفاق کی صورت کے غیر پر مقصور ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ زمین ملک یا وقف ہو کسی دوسری جہت پر، اس بنا پر زمین وقف سے اس صورت کا استثنا ضروری ہے جب کہ وہ زمین احتکار کے لیے تیار کی گئی ہو۔ اس سے صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے اور تمام اقوال میں توفیق حاصل ہو جاتی ہے، ملخّصاً۔ اور ہم نے "ردالمحتار" کی تعلیقات میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔]

گنگوہی صاحب کی سخت نا فہمی، متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتانا:

سادساً: مدرسہ یا کتب خانہ جو بنایا جائے گا، جب کہ شرعاً وقف نہیں ہو سکتا، لاجرم ملکِ بانیان پر رہے گا اور اب یہ صراحۃً وقف میں تصرّف مالکانہ اور اپنے انتفاع کے لیے اُس میں عمارت بنانا ہو گا، تو آفتاب کی طرح واضح کہ قاضی خاں وعالم گیری ومحیط کی عبارات جو مجیب دوّم سلّمہ نے نقل کیں کہ مقبرہ اگرچہ مندرس ہو جائے اس میں قبر کا نشان درکنار، اموات کی ہڈی تک نہ رہے، جب بھی اُس سے انتفاع حرام اور ہمیشہ اُس کے لیے حکمِ مقبرہ رہے گا۔ اسی طرح "فتاویٰ ظہیریۃ" و"خزانۃ المفتین" و"اسعاف" کی عبارات کہ:

---

(1)۔۔:ردالمحتار: کتاب الوقف، ۴۲۸/۳)

(2)۔۔:ردالمحتار: کتاب الوقف، ۴۲۸/۳)

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة لايباح لأهل المحلة الإنتفاع بها وإن كان فيها حشيش يحش منها ويخرج الحشيش إلى الدّواب، ولاترسل الدواب فيها.[1]

[جو قبرستان پُرانا ہو اس میں مقبرے کے آثار باقی نہ رہے ہوں تو اس سے اہلِ محلہ نفع حاصل کر سکتے ہیں، اگر اس میں گھاس ہو تو وہ بھی کاٹی جا سکتی ہے، کاٹ کر باہر لائی جائے، مگر جانور قبرستان میں نہ چھوڑے جائیں۔]

قطعاً مفید مدّعا تھیں۔

اور مجیب صاحب سوّم کا یہ زعم کہ: "مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اُس سے بھی مدّعا ثابت نہیں ہوتا" محض سوئے فہم اور جہلِ مبین۔

گنگوہی صاحب کی سخت بے علمی، نصوص مذہب کو چھوڑ کر ایک مالکی عالم سے استناد:

سابعاً: مجیب سوّم کو جب فقہ میں کوئی راہ نہ ملی، ناچار متون و شروح و فتاوائے مذہب سب بالائے طاق رکھ کر، نصوصِ اصول و فروعِ فقۂ حنفی سب سے آنکھ بند کرکے، "شرح صحیح بخاری" سے ایک روایت خارج عن المذہب پر قناعت کی کہ ابن القاسم نے کہا کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اور اُس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنالینا جائز ہے۔

عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں؟ کس مذہب کے عالم ہیں؟ ان کا قول مذہبِ حنفی میں کہاں تک سنا جا سکتا ہے؟ اور وہ بھی خاص اُن کی رائے، اور وہ بھی اصول و فروعِ مذہب کے صریح خلاف۔ مجیب صاحب علامہ عینی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه "شرح جامع صحیح" میں صرف اقوالِ مذہب پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ ائمہ اربعہ اور اُن سے بھی تجاوز کرکے اُن کے تلامذہ و اصحابِ وجوہ، بلکہ اُن سے گزر کر بعض دیگر سابق ولاحق، بلکہ بعض بد مذہبوں مثل داؤد ظاہری و ابن حزم تک کے

---

(1)۔۔۔:فتاوٰی ظهيريه

اقوال نقل کر جاتے ہیں، بلکہ بارہا این وآن ہی کے قول پر قناعت فرماتے اور ائمہ مذہب کا مذہب بیان میں بھی نہیں لاتے۔ جاہل کہ تراجم علما سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادمِ علم بحمد اللہ تعالیٰ فرقِ مراتب و تفرقۂ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔ علامہ عینی یہاں کسی کتابِ فقہ کی تحریر میں نہیں، یہ استطرادی بالائی فوائد ہیں جن سے اقاویلِ ناس پر اطلاع مقصود اور مذہب تو اصلاً و فرعاً کتبِ مذہب میں مضبوط ہو چکا۔ اُن کی ان نقول کا اکثر مادہ تصانیف ابن المنذر و ابن بطال وغیرہما شافعیہ وغیر ہم ہیں۔ اُن کی عادت ہے کہ محلِ نقل میں سطریں کی سطریں، بلکہ کہیں صفحے بلا عَزْو بے تغییرِ لفظ نقل فرما جاتے ہیں، جس پر اُن کے امام عصری امام ابن حجر عسقلانی رَحِمَ اللهُ تَعَالٰی نے "الدرر الکامنہ" میں تنبیہ کی۔ یہاں بھی صدرِ کلام "ذکر ما یستنبط منه من الاحکام" سے آپ کی منقولہ حکایت تک اُسی قسم کی عبارت ہے، عالم تو متعدّد وجہ سے پہچانے گا کہ یہ کلامِ حنفیہ نہیں۔ آپ نے اتنا ہی دیکھا ہوتا کہ اس عبارت میں ہے:

الٰی جواز نبش قبورهم للمال ذهب الكوفيون والشافعي واشهب بهذا الحديث.[1]

[کوفہ والے، شافعی اور اشہب اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ حصولِ مال کے لئے ان کی قبروں کو اکھاڑنا جائز۔]

حنفیہ کا محاورہ نہیں کہ اپنے ائمہ کا مذہب یوں بیان کریں کہ کوفے والے ادھر گئے ہیں، قائل حنفی ہوتا تو "**ذهب ائمتنا يا اصحابنا يا علماؤنا وامثال ذلک**" لکھتا۔ یہ ابن القاسم واشہب[2] دونوں حضرات مالکی المذہب عالم ہیں۔ خود امام ہمام کے شاگرد اور اُن کے مذہب میں اہلِ روایت و درایت جیسے ہمارے ہاں زفر و حسن بن زیاد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِم، آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہبِ حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتویٰ دیتے اور اُسے اپنے زعم میں مذہبِ حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں

---

(1)۔۔: عمدۃ القاری: باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیه الخ، ۳/ ۱۷۹)

(2)۔۔: دونوں حضرات کے مزار فائض الانوار قرافہ میں یکجا ہیں، علماء فرماتے ہیں ان دونوں مزاروں کے بیچ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ حفظ ربہ

،حالاں کہ ہمارے ائمہ تو ہمارے ائمہ ،وہ اُس مذہب کے بھی امام مجتہد سیّدنا امام مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے بھی روایت نہیں،اُن مالکی عالم کی رائے ہے،جسے وہ فرماتے ہیں:"لَمْ أَرَ بِذَالِکَ بَأساً"کاش بے مہلتی،اتنی مہلت دیتی کہ آپ کو اپنی منقولہ عبارت سے دو ہی لفظ آگے بڑھنے دیتی تو آپ کو کیا ملتا"وَذَکَرَ أَصْحَابُنَا"یعنی،ابن القاسم نے یہ کہا اور ہمارے علما نے یوں فرمایا۔اسی سے آپ کچھ تو چرچتے کہ یہ ابن القاسم ہمارے علما سے نہیں، مگر ہاں! جب نافہمی کی ٹھہری تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ اس"ذَکَرَ أَصْحَابُنَا" کو بھی "قَالَ ابْنُ الْقَاسِمِ"کے تحت میں داخل اور اُنھیں کے مقولے میں شامل مانتے۔

گنگوہی صاحب کی تین چالاکیاں اور ان کا الٹا پڑنا :

ثامناً: مجیب صاحب! آپ نے ناحق اس حکایت غیر مذہب پر قناعت کی کہ فقط بے چارے مردہ مسلمانوں کی قبریں طلبہ اور مدرسہ کے بھنگی بہشتی سے پامال کرانے کی گنجائش ملی۔ اس"ذکر أصحابنا" کو کیوں نہ لیا کہ مسجدوں میں بھی ہل چلانے، گھوڑے، گدھے باندھنے کی راہ چلتی۔بل ھو اشنع واخنع وھو اتخاذ موضع المسجد حشاو کنیعا لقولہ وذکر اصحابنا ان المسجد اذاخرب ودثر ولم یبق حولہ جماعۃ والمقبرۃ اذاعفت ودثرت تعود ملکا لاربابھا "قال" فاذاعادت ملکا یجوز ان یبنی موضع المسجد داراً وموضع المقبر مسجد اوغیر ذلک،قال:فاذا لم یکن لھا ارباب تکون لبیت المال.اھ[1] وذالک لان الدّار لابدّلھا من تلک الاشیاء.[بلکہ یہ زیادہ برا ہے کہ مسجد کو اصطبل یاباڑہ بنالیا جائے؛کیوں کہ انھوں نے کہا:ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ مسجد جب ویران ہوجائے اوراس کے گرد کوئی جماعت نہ رہے اور قبرستان جب مٹ جائے توان پر ان کے سابق مالک کی ملک لوٹ آتی ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں مِلک میں آگئیں تومسجد کی جگہ کو گھر اور قبرستان کی جگہ کو مسجد وغیرہ بنانا درست ہوا؛ کیوں کہ گھر کے لیے ان

---

(1)۔۔:عمدۃ القاری:باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیہ الخ، ۱۷۹/۴)

چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔]

مگر آپ نے ضرور ہوشیاری برتی:۔

اولاً: جانتے تھے کہ کتب معتمدہ مذہب مشہورہ متداولہ میں اسے صراحۃً ردّ کیا اور اس کے خلاف پر بشدّ و مدّ فتویٰ دیا ہے۔ "تنویر الابصار" و "در مختار" میں ہے:

ولو خرب ما حوله استغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام و الثانی ابداً الی قیام الساعة و به یفتی.(1)

[اور اگر اس کا ارد گرد ویران ہو گیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی، امام صاحب اور امام ثانی (امام ابو یوسف) کے نزدیک ہمیشہ قیامت تک اور اسی پر فتویٰ ہے۔]

"حاوی القدسی" و "بحر الرائق" و "ردالمحتار" میں ہے:

وأکثر المشائخ علیه "مجتبی" وهو الأوجه، "فتح".(2)

[اسی پر اکثر مشائخ ہیں، "مجتبیٰ" اور یہی اوجہ ہے۔ "فتح"]

ثانیاً: یہ قول امام محمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی جسے علامہ عینی نے "اصحابنا" کی طرف نسبت کیا، خاص اُس حالت میں ہے جب وہ شے موقوف اُس غرض کی صلاحیت سے بالکل خارج ہو جائے جس کے لیے واقف نے وقف کی تھی، اصلاً کسی طرح اُس کے قابل نہ رہے۔ "ردّالمحتار" میں ہے:

ذکر فی "الفتح" ما معناه انه یتفرع علی الخلاف المذکور ما اذا انهدم الوقف ولیس له من الغلة ما یعمر به، فیرجع الی البانی أو ورثته عند محمد خلافا لابی یوسف لکن عند محمد انما یعود الی ملکه ما خرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالکلیة.(3)

["فتح" میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف مذکور پر یہ متفرّع

---

(1)۔۔: در مختار: کتاب الوقف مطبع مجتبائی دھلی ۱/۳۷۹)

(2)۔۔: ردالمحتار: کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/۴۰۶)

(3)۔۔: ردالمحتار: کتاب الوقف، ۳/۴۰۶)

ہوتا ہے کہ جب وقف عمارت منہدم ہو جائے اور اس کی آمدنی نہ ہو جس سے اسے تعمیر کیا جائے تو وہ بنانے والے یا اس کے ورثا کی طرف لوٹ جائے گا امام محمد کے نزدیک، اس میں امام ابو یوسف کا خلاف ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اس کی ملک میں صرف وہی لوٹے گا جس سے بالکل نفع ممکن نہ ہو۔]

یہ بات مقبرۂ مذکور میں کیوں کر متصوّر کہ ہنوز تہائی میدان حسبِ بیان سائل بالکل خالی پڑا ہے۔

ثالثاً: شاید یہ بھی کچھ اندیشہ گزرا کہ اس میں مقبرے کے ساتھ مسجد کی بھی خیر نہیں، مبادا عوام بھڑک جائیں، ان وجوہ سے "ذکر اصحابنا" چھوڑ کر "قال ابن القاسم" کا آسرا پکڑا، مگر غافل کہ جن تین اندیشوں سے گریز فرمایا، وہی تینوں یہاں بھی آپ پر عائد، بلکہ مع شیئ زائد:

اوّل تو وجہ سابع میں دیکھ چکے کہ خلاف مفتٰی بہ ہونا درکنار، وہ سرے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں۔

اور ثانی یوں کہ کلام ابن القاسم میں عفت ودرست ہے۔ عفادروس نیست ونابود وناپیداو بے نشان ہونا ہے، یہ اس مقبرے پر کہاں صادق کہ سائل کہتا ہے، "پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں" تو ابھی نیست ونابود و ناپدید نہ ہوا اور اس روایتِ خارجہ نے بھی آپ کو کام نہ دیا۔

اور ثالث یوں کہ جب اُن کی رائے میں مجرّد وقفیّت موجب اتحاد معنٰی وجواز اقامت بجائے یک دگر ہے تو جیسے مقبرے کو مسجد کرنا روا، یوں ہی مسجد کو مقبرہ۔ یوں ہی مسجد کو سرا اور سرا میں بیت الخلا۔ فإن الکل وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکہ لأحد، فمعنی الکل علی ھذا واحد [کیوں کہ یہ سب مسلمانوں کے اوقاف میں سے وقف کی صورتیں ہیں تو کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں اس اعتبار سے سب کا معنی ایک ہے۔]

پھر مفرّ کدھر!

گنگوہی صاحب کی کمال بلادت کہ احادیثِ صحیحہ و نصوصِ ائمۂ مذہب

چھوڑ کر ایک مالکی عالم کے جس قول سے سند لائے، اُس کا بھی مطلب نہ سمجھے:

تاسعًا: ذرا براہ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آکر فرمائیے کہ ابن القاسم نے کہا: "مقبرے کو بعد بے نشانی مسجد کر دینا روا" اور ابو القاسم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: مقابر پر مسجد بنانا حرام، آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالتِ واحد پر وارد، جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم کی بات حق جانیں اور ابو القاسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نہ مانیں اور اگر حالت مختلف ہے تو پہلے وہ فرق معیّن کیجئے، جس پر ان دونوں احکام کا انقسام ہوگا، کیا فقط نو و کہن کا تفرقہ ہے کہ نئی قبروں پر مسجد بنانا حرام اور جہاں ذرا پرانی پڑیں، اب اُن پر نماز جائز ہوگی یا فقط اوپر کا نشان مٹ جانا چاہئے یا یہ ضرور ہے کہ لاشوں کے تمام اجزا، ساری ہڈیاں بالکل خاک ہوجائیں، مردے بجمیع اجزائہم تراب خالص کی طرف استحالہ کریں، اُس کے بعد روا ہے؟؟۔

اوّل تو بداہۃً باطل اور شاید بعلّت وہابیت آپ کے یہاں تو شرک ہو اور ثانی بھی اسی کی مثل ہے کہ نشان بالا نہ قبر ہے، نہ قبر کے لیے رکن شرط، تو اُس کا عدم و وجود یکساں، معہذا اس مقبرے میں یہ صورت بھی ہنوز متحقّق نہ ہوئی کہ نشان قبور موجود ہیں اور آپ کا حکم بے تخصیص ثلث خالی صاف مطلق ہے کہ "مدرسہ وقفی بنانا گورستان میں درست ہے" اور آپ کے مقلد نے اُس اطلاق کی صریح تصریح کر دی ہے کہ "بنائے مدرسہ اُس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے۔" اس خصوص نے عموم کو واضح کر دیا، لاجرم ثالث لیجئے گا، اب یہ آپ پر لازم تھا کہ دلیلِ شرعی سے اُس مدت کی تعیین کرتے، جس میں مردے کی ہڈی پسلی کا اصلاً نام و نشان نہیں رہتا، سب خاک محض ہو جاتے ہیں۔ پھر ثبوت دینا تھا کہ اس مقبرے میں سب سے پچھلی جو میّت دفن ہوئی، اُسے اتنی مدّت مقررہ گزر چکی، ان دو مرحلوں کو بغیر طے کئے حکمِ جواز لگا دینا، محض جہل تھا۔ اتنا یاد رکھئے کہ مجرّد شک یہاں کام نہ دے گا کہ "الیقین لا یزول بالشک" [شک سے یقین زائل نہیں ہوتا] عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے وجود مانع یعنی، بعض اجزائے میّت یقیناً معلوم تھے، اب جب تک انعدام جمیع اجزائے اموات پر

یقین نہ ہو، حکمِ حرمت و ممانعت ہی رہے گا اور آپ کے لیت ولعل سے کام نہ چلے گا۔ تو ظاہر ہوا کہ اس روایت خارجہ عن المذہب کا دامن پکڑنا بھی محض سوئے فہم وبندگیٔ وہم تھا۔ و باللہ العصمة

شے موقوف کے بے کار ہو جانے کے معنی اور گنگوہی صاحب کی سخت بے تمیزی کہ مضر و مفید میں فرق نہ جانا:

عاشراً: لطف یہ ہے کہ اُس روایتِ خارجہ میں شرط استغناء عن الدفن لگائی گئی ہے۔ آیا اس سے یہ مراد کہ اُس کے سوا دوسری جگہ دفن ہو سکتا ہو، جب تو یہ شرط محض لغو وعبث ہے، وہ کون سا گورستان ہے جس کی طرف احتیاج دفن بمعنی لولاہ لامتنع [اگر وہ نہ ہو تو منع ہے] ہے، نہ ہرگز تعطّل و ویرانی، او قاف میں صرف اس قدر ملحوظ ہوتا ہے، بلکہ یہاں مطمح نظر دو امر رہتے ہیں:

ایک عدمِ حاجت بوجہِ عدمِ محتاجین یعنی، وہاں آبادی ہی نہ رہی، لوگ متفرّق ہو گئے، اب حاجت کسے ہو، جیسے جوابِ دوّم میں عالم گیری و محیط سے دربارہ مسجد وحوض گزرا کہ خرب و لایحتاج الیہ لتفرّق الناس [جو ویران ہو جائے لوگوں کے وہاں سے چلے جانے کی وجہ سے اس کی احتیاجی نہ رہے]۔

دوسرے عدمِ حاجت بوجہ عدمِ صلوح یعنی، وہ شے کسی مانع و قصور و نقص کے سبب اب اُس کام کی نہ رہی۔ مثلاً: زمین پر پانی نے غلبہ کیا کہ دفن کی گنجائش نہ رہی۔

"فتاویٰ کبریٰ" و "جامع المضمرات" و "ہندیہ" و "اسعاف" وغیرہا میں ہے:

إمرأة جعلت قطعة أرض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها إبنها وتلك القطعة لاتصلح المقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد، فارادت بيعها إن كانت الأرض بحال لا يرغب الناس عن دفن الموتى لقلة الفساد ليس لها البيع، وإن كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع.[1]

[ایک عورت نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنادیا اور اسے اپنے ہاتھ

(1)۔۔فتاوی ہندیہ: کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ، ۲/ ۴۷۱)

سے نکالا اور اس میں اس اپنے بیٹے کو دفن کر دیا مگر یہ ٹکڑا غلبہ پانی کی وجہ سے قبرستان کے لیے درست نہ رہا تو اس نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا، اگر زمین ایسی ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں؛ کیوں کہ فساد زائد نہ تھا تو وہ عورت اس ٹکڑے کو بیچ نہیں سکتی اور اگر لوگ اس میں زیادہ خرابی کی وجہ سے مردے دفن نہیں کرتے ہیں تو وہ عورت بیچ سکتی ہے۔]

پر ظاہر کہ صورتِ مستفسرہ میں ہر گز نہ عدمِ محتاجین ہے نہ عدمِ صلوح، پھر شرطِ استغنا کب متحقّق ہوئی اور تغییرِ وقف کی اجازت کس گھر سے ملی؟ تو روشن ہوا کہ مجیب سوّم کا اس روایتِ خارجہ سے تمسّک محض تشبث الغریق بالحشیش [ڈوبتے کو تنکے کا سہارا] تھا۔ ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی بالتوفیق.

تنبیہ:

یہ مجیب سوّم پر تلک عشرۃ کاملۃ ہیں اور اُن کا ردّ اُن کے سب اَتبّاع واذناب کے ردّ سے مغنی۔ ع:

وکلّ الصید فی جوف الفراء

[یہ عرب کا قول بطور مثل اس وقت بولا جاتا ہے جب بہت سی حاجتوں میں سے بڑی حاجت پوری ہو جائے۔]

روایتِ امام زیلعی کی تحقیق:

اور اذناب کے پاس ہے ہی کیا سوا روایت امام زیلعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی! جسے خود مولوی گنگوہی صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر چھوڑ دیا اور روایت فقہیہ نہ لکھنے کے لیے بے مہلتی کا بہانہ لیا۔ مجیب اوّل نے لکھی مجیب دوّم سلمہ نے جواب دیا۔ بعض اذناب سوّم نے بے تعرّض جواب پھر اُسی کا اعادہ کیا، مگر جناب گنگوہی صاحب چرچے کہ یہاں مقبرہ وقف میں کلام ہے۔ مجھے خاص دوسرے مکان وقفی کی اجازت نکالنی مشکل پڑی ہے۔ ہل چلانا، کھیتی کرنا کہ اس روایت امام زیلعی میں جائز ہو رہا ہے، کس گھر سے جائز کر سکوں گا۔ لہذا ہوشیارانہ اس سے عدول کیا، جو اذناب کی سمجھ میں نہ آیا، غالباً اب تو ناظرین اس

روایت کا محمل و محصل سمجھ لیے ہوں گے۔

صاحبو! اس سے مقصود زمین مملوک ہے یعنی، اگر کسی کی ملک میں کوئی میت دفن کردی گئی ہو، تو جب وہ بالکل خاک ہو جائے، مالک کو روا ہے کہ وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے، جو چاہے کرے۔ **لأن الملك مطلق والمانع زال وهذا أيضا إذا كان ذالك بإذنه وإلا ففي الغصب له إخراج الميّت وتسوية الأرض كما هي لحديث ليس لعرق ظالم حق.**[1]

[کیوں کہ ملک مطلق ہے اور مانع زائل ہو گیا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ اس کی اجازت سے ہو، ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ میّت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے کہ تھی؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ زمین پر ظالم کا حق نہیں۔]

علاّمہ مدقّق علائی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے "در مختار" میں اسے ایسے نفیس سلسلے میں منسلک کیا، جس نے معنیٔ مراد کو کھول دیا، مجیب اوّل نے یہ روایت وہیں سے اخذ کی، مگر علامہ مدقّق کے اشارات تک ہر فہم کی دسترس کہاں!

"در مختار" میں فرمایا:

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا" زيلعي".[2]

[مُردے کو مٹی ڈالنے کے بعد صرف حقوق العباد کی وجہ سے نکالا جائے گا، جیسے زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ سے لی گئی ہو اور مالک کو اختیار ہو گا کہ اسے نکالے یا زمین برابر کردے، جیسے کہ اس پر عمارت بنانا اور کھیتی باڑی کرنا مردوں کے گلنے سڑنے اور مٹی ہو جانے کے بعد درست ہے۔ "زیلعی"]

---

(1)۔۔۔: المعجم الکبیر: حدیث ۵، مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۴/۱۷)

(2)۔۔۔: در مختار: باب صلوٰۃ الجنائز، مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۲۶)

ورنہ مقبرۂ وقفی میں کھیتی کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

"ہدایہ" میں ہے:

فی غایة القبح أن یقبر فیه الموتی سنة ویزرع سنة.(1)

[یہ بات انتہائی قبیح ہے کہ ایک سال اس میں مردے دفن کیے جائیں اور ایک سال کھیتی باڑی کی جائے۔]

بات یہ ہے کہ وہابیہ کی نگاہ میں قبور مسلمین، بلکہ خاص مزارات اولیائے کرام عَلَیْھِم الرِّضْوَان ہی کی کچھ قدر نہیں، بلکہ حتی الوسع اُن کی توہین چاہتے ہیں اور جس حیلے سے قابو چلے اُنھیں نیست ونابود وپامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسان مرا اور پتھر ہوا، جیسے وہ خود اپنی حیات میں ہیں کہ مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئًا [جو سنے نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے] حالاں کہ شرع مطہر میں عام قبور مسلمین مستحقِ تکریم و ممتنع التوہین، یہاں تک مزاراتِ اولیا تو مزارات عالیہ! عام قبور مسلمین مستحقِ تکریم و ممتنع التوہین، یہاں تک کہ علما فرماتے ہیں: قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حقِ میت ہے۔

"قنیہ" میں امام علائے ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطأ القبور، لأن سقف القبر حق المیت.(2)

[قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حقِ میت ہے۔]

حتی کہ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم جن کی نعلین پاک کی خاک اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر جنت کے مشک وعنبر سے مہک اُٹھے، اگر وہ مسلمان کے سینے، منہ، سر اور آنکھوں پر اپنا قدم اکرم رکھیں، اُس کی لذت و نعمت وراحت وبرکت میں ابد الآباد تک سرشار وسرفراز رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لان أمشی علی جمرة أو سیف أحبُ الیّ من أن أمشی علی قبر مسلم. رواه

---

(1)۔۔:الهداية: كتاب الوقف، المكتبة العربية كراچی، ۲۱۸/۲)

(2)۔۔:فتاوی قنیه: کتاب الکراهیة والاستحسان، مکتبه مشتهره بالمهانندیه کلکته بهارت، ص ۱٦۷)

ابن ماجۃ بسند جید عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ [1]

بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔[اسے ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ عقبہ بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کیا۔]

اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بھنگی اپنے ٹوکرے لے چلیں۔ع:

اگر ایں ست پسند تونصیب بادا
[اگر یہی تجھے پسند ہے تو تجھے نصیب ہو۔]

ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم. وذا اخذتَ المسئلۃ حقھا من البیان فلنکف عنان القلم. حامدین للہ سبحنہ وتعالٰی علی ما علم وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا ومولانا محمد والہٖ وصحبہ وسلم. واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عز شانہ احکم.

[طاقت و قوت صرف اللہ تعالٰی کے لیے ہے جب میں نے مسئلہ کماحقہ بیان کر دیا تو اب چاہئے اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے قلم کو روکیں کہ اسی نے علم دیا اور درود و سلام ہو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی أعلم وعلمہ جلّ مجدہ أتم وأحکم عز شانہ أحکم]

تمّت

کتبہ: عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ النبی الأمی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

---

(1)۔۔۔:سنن ابن ماجۃ: باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳)

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا محمد سلطان

إن هذا لهو الحق والحق بالإتباع أحق

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد اللہ

اس میں جو کچھ بیان ہے سب مطابق احکامِ شریعت وسلف صالحین ہے، مسلمان ان سب کو تمسک کریں، مؤلّف علاّم کو خدائے برتر جزائے خیر دے اور مقبولِ خاص وعام کرے اور مجھ کو بھی ثواب سے محروم نہ فرمائے۔ والصلاة والسلام علىٰ خير الأنام وآله وأصحابه الكرام.

المذنب المدعو محمد عبد اللہ عفی عنه

(۱۳)

حضرت علامہ مولانا محمد نعیم پشاوری

مسائل بالا که علمائے دین متین وفضلائے امت رسول مقبول [صلی اللہ تعالیٰ علیه واله وسلم]تحریر وتقریر فرمودند ہمه حق و راست و درست اند۔شاکی اینہا مردود وفاسق اند۔

[اوپر والے مسائل جن کو علمائے دین متین وفضلائے امّتِ رسول مقبول صَلّی

اللہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لکھا اور بیان کیا ہے، سب کے سب درست اور صحیح ہیں ان میں شک کرنے والے مردود اور فاسق ہیں۔]

العبد الضعیف الراجی الی رحمتہ اللطیف محمد نعیم پشاوری عفی اللہ عنہ وعن والدیہ والمؤمنین والمؤ منات آمین ثم آمین.

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ حنفی قادری

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلیاً ومسلماً علٰی رسولہ سیّدنا محمدٍ والہٖ وأصحابہ وأولیاء أمتہ ومتبعھم أجمعین

جو کچھ مولانائے مجیب لبیب، جامع المعقول والمنقول، حلالِ مہمات فروع والاصول مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری -جزاہ اللہ تعالٰی خیر الجزاء- نے صورتِ مسئولہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ سب حق وصواب ہے، جوابِ لاجواب ہے، پسندیدۂ اولی الالباب ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق قبروں کو کھود کر صاف میدان کر دینا اور اُس پر مکان وغیرہ بنانا ہرگز درست نہیں، اس کی تحقیق مولائے مجیب نے عمدہ طور سے فرمائی ہے۔ کوئی فروگذاشت نہیں کیا، معترضوں کے کل اعتراض اُٹھادئے ہیں، منکروں کے سب خدشات دفع کردئے ہیں۔ پھر تحریر مہر تنویر فاضل کامل، عالم، عامل، محقّق علوم عقلیہ، مدقّق فنون نقلیہ، قالع اصول مبتدعین، قامع اوہام نجدیین، حامی سنن، ماحی فتن، مجدّد مائتہ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب- أدام اللہ تعالٰی فیوضاتھم- کی تو منکروں پر بجلی سی کڑک پڑی، رشید گنگوہی کی تحریر پُر تزویر کے تو خوب پرخچے اڑائے، ایسا امر کوئی فروگزاشت نہ ہوا کہ جس کے لکھنے کی کسی کو تکلیف ہو۔ پس فقیر نے طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ لہذا اختصار سے کام لیا گیا، ان فتووں کا انکار بجز، فرقہ نجدیہ وہابیہ، اسماعیلیہ ہندیہ، اسحاقیہ، رشیدیہ گنگوہیہ شیطانیہ -خذ لھم اللہ تعالٰی فی الدنیا والآخرۃ- کے کوئی نہ کرے گا۔ اہل سنت وجماعت کو ان دجاجلۂ ضلالت کیش وابالسۂ ابطالت اندیش کی صحبت سے پرہیز

کرنا لازم ہے اور سلام وکلام قطع کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمأب.

حرّرہ: الراجی الٰی لطف ربه القوی عبدالنبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی تجاوز اللہ تعالٰی عن ذنبه الجلی والخفی، وحفظه عن موجبات الکی والغی بحرمة النبی الهاشمی الامّی صلی اللہ علیه وعلٰی اٰله واصحابه وسلم۔ متوطّن کچھ بھوج المعروف به پیر بھرواله نزیل بمبئی۔
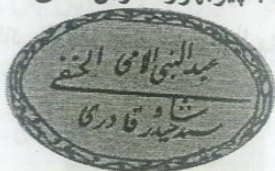
(۱۵)

ملک العلماء حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین حنفی قادری محدّث بہاری

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

الحمدللہ الذی رزق الإنسان علماً وسمعاً وبصراً فی الحیاۃ وبعد الممات، فالموت یعرفون الزّوار ویسمعون الأصوات.

والصلاۃ والسلام الأتمان الأکملان علٰی من هدانا إلی الصراط المستقیم ووقانا بها من نارالجحیم التی أعدّت للکافرین والماردین من النیاشرۃ والمکذبین لربّ الغٰلمین، والمفضلین للشیطان اللعین علٰی عالم علم الأوّلین والأٰخرین صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی آله وصحبه وإبنه وحزبه أجمعین وعلینا بهم یاأرحم الراحمین.

وبعد! فلما رأیت جواب ناصر الدین المتین مولانا المولوی محمد عمر الدین، وجدته موافقا للسنة، دافعا للفتنة ونظرت تحریر المولوی رشید أحمد الگنگوهی فما هو إلاَضلال مبین وهتک لحرمة المؤ منین ومارد به علیه خاتم المحقّقین عمدۃ المدقّقین عالم أهل السنة مجدّد المائة الحاضرہ سیّدی

ومرشدی وکنزی وذخری لیومی وغدی مولانا المولوی محمد أحمد رضاخان أبده الله الواهب بالفيض والمواهب، فلا أجدُ لسانا للثناء عليه غير أن أقول: لا شک أنه الصدق الصراح والحق القراح، فجزاهم الله خير الجزاء عن الإسلام والمسلمين بحرمة سيّد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والله تعالىٰ أعلم بالصواب وعنده أمّ الكتاب.

قاله بفمه و رقمه بقلمه: محمد المدعو بظفر الدين المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی الرضوی المیجروی البهاروی العظیم أبادی.

الحمدللہ العزیز العلام
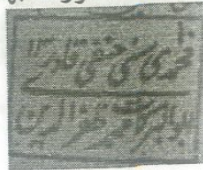
کہ یہ فتاویٰ اتنے مسائل کو شامل:

(۱) مدرسہ میں مالِ زکوۃ دینا، (۲) انگریزی پڑھنا، (۳) علمائے اہل سنت سے بغض اور اُن کی اہانت، (۴) قرض دار وغیرہ کو کس قدر زرِ زکوۃ دینے کی شرعی اجازت، (۵) کن کن آدمیوں کو سوال کرنا جائز ہے، (۶) میتِ مسکین کی تجہیز و تکفین میں کہاں سے خرچ کیا جائے۔

ان فتاویٰ مفیدہ کے علاوہ فتوی جلیل، بے نظیر و بے مثیل متعلق اعانت علی گڑھ کالج اور اس کے بانی سر سیّد کے حالات و معتقدات کا انکشاف۔ علمائے ہندوستان کے سوا اسی امام نیاچرہ کی تکفیر اور اس کے مدرسے کی اعانت کے حرام ہونے پر پُر زور تحریرات و مواہیر علمائے کرام و مفتیانِ عظام حرمین طیبین زادھم اللہ تعالی تعظیماً و تکریماً قابلِ مطالعہِ اہلِ درایت، لائقِ عمل جملہ اہلِ سنت و جماعت مسمّٰی باسمِ تاریخی طبع

توضیح الاحکام

۱۳۲۵ھ

تالیف منیف،

حامی سنن، ماحی فتن، عالم نبیل، فاضل جلیل، پیشوائے اسلام و مسلمین، جناب مولانا مولوی مفتی محمد عمر الدین صاحب قادری ہزاروی ادام اللہ تعالی فیضہ القوی

بتصحیح و اہتمام

ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت صانہ اللہ عن شرّ کل عفریت

در مطبع حنفیہ پٹنہ واقع لباس انطباع پوشید

صدائے حق

کہاں ہیں امام نیاچرہ کی الفت و محبت کا دم بھرنے والے! اُس پر مال و جان، دین و ایمان قربان کرنے والے! اُس کے مدرسے کی تعلیم پر نقد جان کھونے والے! اپنی پیاری اولاد کے حق میں کانٹے بونے والے! آئیں اور فتوائے نیاچرہ کو بنظرِ غور و انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ جو حلیہ تحقیق و صواب سے سراپا آراستہ، انوارِ صحت وراستی کا چشمہ ہے، فی الحقیقۃ حق اسی میں دائر، صدق اسی میں سالم، اس کے خلاف راہ اختیار کرنے میں پورا خطرہ، زوالِ دین وایمان کا یقینی اندیشہ، سنتِ سنیہ سے مجادلہ، ملتِ حقہ سے محاربہ، احکامِ خدا اور سول جَلَّ جَلَالُهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم سے صاف انحراف وگردن کشی، نارِ جہنم کے اسباب کی تیاری و فراہمی ہے۔ جس دن احکم الحاکمین تختِ حکومت پر جلوہ فرمائے گا، ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا، عذاب کے فرشتے امامِ نیاچرہ کو آگے آگے اور اُس کی قوم کے پیچھے اُس کی تمام ذرّیات کو نہایت بے دردی و بے رحمی سے کشاں کشاں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں لے جاکر جھوکیں گے، اُس دن چپکے سے سوا اُس کے پیچھے ہولینے کے چارہ نہ ہوگا، کوئی حجت وحیلہ کام نہ دے گا۔ ابھی سویرا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، ہوشیار ہو جاؤ! گئے پر پچھتاؤ! راہِ ایمان پر آؤ! ملتِ حقہ کا دامن مضبوط پکڑو! علمائے کرام و مفتیانِ عظام ہندوستان و حرمین طیبین نے اتمامِ حجت فرمادی۔ تمہاری دینی بھلائی، اخروی خیر خواہی میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی، نیاچرہ کی بے دینی و بد مذہبی، علی گڑھ کالج کی حقیقت کہانی مفصّل بیان فرمائی، تمہاری ہی ہم دردی و خیر خواہی کی بنا پر عباراتِ عربیہ کے ترجمے کی بھی تکلیف اٹھائی۔ اللہ جلّ وعلا اُن سب علمائے کرام کو جزائے خیر دے بالخصوص حامی دین متین، ماحی شر ور مفسدین، پیشوائے اسلام و مسلمین، حضرت مولانا مولوی مفتی محمد عمر الدین صاحب کو جنہوں نے

ذخیرۂ رشادت، سرمایۂ سعادت آخرت جمع فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ چراغ لے کر حق وہدایت کا راستہ دکھایا۔ وتوفیق الھدایۃ والخیر بید اللہ الکریم، وھو یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

ابو المساکین ضیاء الدین مہتمم "تحفہ حنفیہ" عفی عنہ خالق البریۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

[پہلا]سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فقہائے راشدین فَضَّلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَجۡمَعِیۡن اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پور بند میں ایک مدرسہ عالی شان ہے اور اُس کی آمدنی صیغہ اوقاف سے تقریباً پانچ ہزار روپیہ ماہانہ کی ہے اور خرچ دو سو روپیہ ماہوار سے زائد نہیں، اُس کی جائداد اُس جیسے دس مدرسوں کے ضروریات پورا کرنے کو کافی اور وافی ہے اور وہ مدرسہ وکٹوریہ جیوبلی کے نام سے مشہور ہے، اُس میں انگریزی گجراتی پڑھائی جاتی ہے، تھوڑے بچوں کو قرآن بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اُس کے متولی اور ممبر بلا ضرورت ہم سے مصرفِ زکوۃ سے اعانت اور امداد چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: تم جو باڑھ بھرتے ہو یعنی، فقیر مسکین محتاجوں کو ایک دن جمع کر کے ہزاروں روپیہ تقسیم کرتے ہو، ان ہٹے کٹے جوان سنڈوں کو دینے سے زکوۃ ہر گز ادا نہیں ہوتی اور نہ تم کو اس کا کچھ ثواب مل سکتا ہے، بلکہ تمہارے ہاتھوں پر ڈام یعنی، داغ دئے جائیں گے کہ تم نے اور سب مولوی ملانوں نے جو یہاں آتے ہیں اور ﴿وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ﴾ کا وعظ کرتے پھرتے ہیں اور خود بھی بھیک مانگتے ہیں اور دوسرے مسٹنڈوں سے بھی بھیک منگواتے ہیں۔ ہزاروں کو بھیک منگا بنا دیا۔ تم یہ سب روپیہ زکوۃ کا ہم کو دو اور ان فقیروں مسکینوں کو نہ دو۔ اس صورت میں ہم لوگ یہ روپیہ زکوۃ کا جو آج تک فقرا مساکین کو دیتے آئے ہیں، اب اس مدرسہ میں -جس کی غذا کا ہم کو بالکل یقین ہے- دیں یا اُن فقرا و مساکین کو، جن کی محتاجگی زبانِ حال اور قال دونوں سے ظاہر ہے اور اُن کے باطنی غنا کی مطلق خبر نہیں؟

دوسرا سوال:

انگریزی پڑھنا پڑھانا اور انگریزی کالجوں کی جیسے علی گڑھ وغیرہ ہے، اعانت جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال :

علما کو بھیک منگا کہنا اور اُن کی اہانت کرنا اور بلا تحقیق کسی کو وہابی لہابی کہنا کیسا ہے ؟

چوتھا سوال :

اگر کسی شخص کو جوز کوۃ لینے کا مستحق ہے اُس کو ایک مشت قرضہ ادا کرنے کو یا حج کے جانے کو یا بیٹی بیٹے کے نکاح کر دینے کو یا کنواں یا مسجد یا خانقاہ یا سرائے بنانے کو حسبِ استدعا اُس کے، ہزار پانچ سو روپیہ زکوۃ کے مال میں سے دیں تو جائز ہے یا نہیں یا یہ کہ ہم کسی محتاج کو اتنا روپیہ دیں کہ وہ اُس وقت غنی ہو جائے اور وہ اُس روپیہ کو صدر مذکور امور میں خرچ کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟

پانچواں سوال :

جس شخص آمدنی اُس کے ضروری مصارف کو کافی نہ ہو، وہ شخص سوال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

چھٹا سوال :

کوئی شخص اپنے ادائے قرضہ یا ادائے دین یا ادائے کفارہ یا ادائے حج نفل یا بنائے مساجد و مدارس و خانقاہ و چاہ و مسافر خانہ یا تجہیز و تکفین یا لڑکیوں کے جہاز وغیرہ کے واسطے سوال کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ فقط

(المستفتیان: مسلمانانِ پوربند)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

[پہلے سوال کا جواب:]

الجواب ومنہ الهداية إلى الحق والصواب:

صورتِ مسؤلہ میں اوّل سوال کا جواب یہ ہے کہ مدرسہ غنی ہو یا فقیر بقول سائل: اس میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مدرسہ پر کیا منحصر ہے؟ مسجد ہو یا پل، میت کا کفن ہو یا اُس کا قرض یا اور کوئی ایسی چیز جس میں تملیکِ فقیر مثلاً نہ ہو، زکوۃ کا مال اُس میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبْنِيَ بِالزَّكَاةِ الْمَسْجِدَ وَكَذَا الْقَنَاطِرُ وَالسِّقَايَاتُ وَإِصْلَاحُ الطَّرَقَاتِ وَكَرْيُ الْأَنْهَارِ وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ وَكُلُّ ما لَا تَمْلِيكَ فيه وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُكَفَّنَ بها مَيِّتٌ وَلَا يُقْضَى بها دَيْنُ الْمَيِّتِ كَذَا في "التَّبْيِين" .(1)

یعنی، زکوۃ کے پیسے سے مسجد بنانا اور پل اور پانی پینے کے حوض وغیرہ بنانا، راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج اور جہاد کرنا اور ان کے سوا ہر وہ چیز جس میں تملیک نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح میت کو کفن دینا یا اُس کا قرض ادا کرنا جائز نہیں ہے۔[اسی طرح "تبیین" میں ہے۔]

ہاں! البتہ اگر کسی مدرسہ میں طلبا فقرا یا مساکین ہوں تو اگر وہ بالغ یا مراہق (قریب البلوغ) ہیں یا اس سے بھی چھوٹے ہیں، لیکن مال کو سنبھالنا جانتے ہیں، پھینک نہیں دیتے یا اُن سے کوئی پُھسلا کر لے نہیں سکتا، اُن کو دینا جائز ہے۔ اگر نابالغ لڑکے فقرا، ناسمجھ ہیں کہ مال کو سنبھالنا نہیں جانتے تو اُن کے ولیوں یا وصیوں یا جن کی وہ

---

(1)۔۔۔فتاوی ہندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف، 188/1)

پرورش میں ہیں، اجنبیوں سے اُن کے واسطے دینا جائز ہے۔ اگر کوئی اُن ناسمجھوں کو زکوۃ کا مال دے گا، اگرچہ وہ اپنے والدین کو دے دیں، زکوۃ ادا نہ ہو گی۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

إِذَا دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى الْفَقِيرِ لَا يَتِمُّ الدَّفْعُ ما لم يَقْبِضْهَا أو يَقْبِضْهَا لِلْفَقِيرِ من له وِلَايَةٌ عليه نحو الْأَبِ وَالْوَصِيِّ يَقْبِضَانِ لِلصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ كَذَا في "الْخُلَاصَةِ" أو من كان في عِيَالِهِ من الْأَقَارِبِ أو الْأَجَانِبِ الَّذِينَ يَعُولُونَهُ وَالْمُلْتَقِطُ يَقْبِضُ لِلَّقِيطِ وَلَوْ دَفَعَ الزَّكَاةَ إِلَى مَجْنُونٍ أو صَغِيرٍ لَا يَعْقِلُ فَدَفَعَ إِلَى أَبَوَيْهِ أو وَصِيِّهِ، قالوا: لَا يَجُوزُ كما لو وَضَعَ على دُكَّانٍ ثُمَّ قَبَضَهَا فَقِيرٌ لَا يَجُوزُ وَلَوْ قَبَضَ الصَّغِيرُ وهو مُرَاهِقٌ جَازَ وَكَذَا لو كان يَعْقِلُ الْقَبْضَ بِأَنْ كان لَا يَرْمِي وَلَا يُخْدَعُ عنه.(1)

[یعنی، زکوۃ کا مال جب فقیر کو دے تو ادا کرنا اس وقت تک پورا نہیں ہوتا، جب تک فقیر یا فقیر کی طرف سے کوئی ولی اس پر قبضہ نہ کرلے، جیسے باپ اور وصی بچے اور مجنون کے مال پر قبضہ کرلیں "خلاصہ" میں اسی طرح ہے۔ یا اس کے اہل وعیال، قریبی رشتہ دار یا اس کی خبر گیری کرنے والے اجنبی لوگ اس پر قبضہ نہ کرلیں۔ اور لقیط (پھینکے ہوئے بچے) کے لئے بچے کو اُٹھانے والا قبضہ کرسکتا ہے۔ اور مجنون یا چھوٹے نا سمجھ بچے کو زکوۃ دی اور اس نے اپنے ماں باپ یا وصی کو دے دی تو فقہا نے کہا کہ جائز نہیں، جس طرح اگر کسی دکان پر زکوۃ کا مال رکھ دیا اور فقیر نے اس پر قبضہ کرلیا تو جائز نہیں۔ اگر مالِ زکوۃ پر قریب البلوغ چھوٹے بچے نے قبضہ کرلیا تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ (چھوٹا بچہ) قبضہ کو سمجھتا ہے یوں کہ نہ مالِ زکوۃ پھینکے گا اور نہ ہی اس سے مال لے کر اُسے دھوکہ دیا جا سکتا ہے تو اس کا قبضہ کرنا جائز ہے۔]

اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

---

(1)۔۔۔فتاوی ھندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف، فصل فی مایوضع فی بیت المال اربعۃ المال 190/1

وَلَمْ يَشْتَرِطْ الْبُلُوغَ وَالْعَقْلَ،لِأَنَّهُمَا لَيْسَ بِشَرْطٍ،لِأَنَّ تَمْلِيكَ الصَّبِيِّ صَحِيحٌ لٰكِنْ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَاقِلًا، فَإِنَّهُ يَقْبِضُ عَنْهُ وَصِيُّهُ أَوْ أَبُوهُ أَوْ مَنْ يَعُولُهُ قَرِيبًا أَوْ أَجْنَبِيًّا أَوْ الْمُلْتَقِطُ كَمَا فِي "الْوَلْوَالِجِيَّةِ"،وَإِنْ كَانَ عَاقِلًا فَقَبَضَ مَنْ ذَكَرَ،وَكَذَا قَبْضُهُ بِنَفْسِهِ،وَالْمُرَادُ أَنْ يَعْقِلَ الْقَبْضَ بِأَنْ لَا يَرْمِيَ بِهِ،وَلَا يُخْدَعَ عَنْهُ.الخ[1]

[یعنی،زکوۃ لینے کے لئے بلوغت اور عقل شرط نہیں۔بالغ اور عاقل ہونا اس لئے شرط نہیں ہے کہ نابالغ کو مالک بنانا صحیح ہے، لیکن اگر عاقل نہ ہو تو اس کا وصی یا باپ یا جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں خواہ وہ قریبی ہوں یا، اجنبی ہوں یا ملتقط (یہ سب حضرات) اس کی طرف سے قبضہ کر سکتے ہیں،جیسا کہ " ولوالجیہ" میں ہے اور اگر وہ عاقل ہو تو قبضہ وہ کرے جس کو وہ کہے،یا وہ خود قبضہ کرے اور چھوٹے بچے کا قبضہ کرنے کو سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ مال پھینک نہ دیتا ہو یا اس سے کوئی بھلا پھُسلا کر لے نہ سکتا ہو۔]

اور اگر طلبا، اغنیا کے نابالغ لڑکے ہیں تو اُن کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَلَا يَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى وَلَدِ الْغَنِيِّ الصَّغِيرِ كَذَا فِي "التَّبْيِين".[2]

[یعنی، غنی کے کم سن بیٹے کو زکوۃ دینا جائز نہیں،اسی طرح" تبیین" میں ہے۔]

"طحطاوی حاشیہ در مختار" میں ہے:

والمراد بالطفل الذی لم يبلغ...قال فی "النقاية" و"شرحها"للقهستانی: وطفله أي: الغنی فيصرف الى البالغ ولو كان ذكراً صحيحاً،فقابل الطفل بالبالغ.[3]

---

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ 353/2)

(2)۔۔:فتاوی ہندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف 189/1)

(3)۔۔: حاشیۃ الطحطاوی علی الدر: کتاب الزکوۃ باب المصرف 428/1)

[یعنی، طفل سے مراد نابالغ بچہ ہے۔ "نقایہ" اور اس کی شرح قہستانی میں کہا: غنی شخص کا طفل (نابالغ)، بالغ کو زکوۃ دے سکتا ہے، اگرچہ وہ بالغ تندرست ہو، لہذا طفل کا مقابل بالغ ہے۔]

اور "منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق" میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

(قوله: اذا كان كبيراً) اى: بالغاً، كما فى "القهستانى" وبه علم انّ المراد بالطفل غير بالغ. (1)

[یعنی، مصنّف کے قول "اذا كان كبيراً" میں "كبيراً" سے مراد بالغ ہے، جیسا کہ "قہستانی" میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طفل سے مراد نابالغ ہے۔]

اور تندرست سنڈوں فقرا کو جو مالک نصاب نہیں ہیں، اُن کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَيَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى من يَمْلِكُ أَقَلَّ من النِّصَابِ وَإِنْ كان صَحِيحًا مُكْتَسِبًا كَذَافي "الزَّاهِدِيِّ". (2)

[یعنی، جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ تندرست ہو اور کما سکتا ہو۔ اسی طرح "زاہدی" میں ہے۔]

اور اسی طرح باڑہ بھرنا فقرا کا اور صفوف کر کے اُن کو زکوۃ دینا جائز ہے، لیکن اُس باڑہ میں ہر ایک فقیر مسکین کو زکوۃ کے مال میں سے اس قدر دے کہ اُس کے مع عیال کے ایک دن کی خوراک کو پورا ہو اور اُس روز وہ خوراک کے لئے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جائے، اگر اس قدر سے کم دے گا تو بہتر نہ ہو گا۔ جس طرح بعض آدمی زکوۃ کے روپیوں کے پیسے یا پائیاں بھُنا کر پنج شنبہ یا جمعہ وغیرہ روزوں میں ایک ایک پیسہ

---

(1)۔۔: منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق : کتاب الزکوۃ باب المصرف 329/2)

(2)۔۔: فتاوی ہندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف 189/1)

یا ایک ایک پائی ایک ایک فقیر کو دیتے ہیں، اس طرح دینے سے گو زکوۃ ادا ہو جاتی ہے ، لیکن افضل نہیں ہے۔

"ہدایہ" شریف میں ہے:

(قال: و أن تغني بها إنسانا أحب إلي) معناه الإغناء عن السؤال يومه ذالک؛ لأن الإغناء مطلقا مکروه.(1)

[یعنی، زکوۃ کے ذریعے کسی انسان کو مستغنی کر دینا میرے نزدیک پسندیدہ عمل ہے اِس کا معنی یہ ہے کہ اُسے اُس دن سوال کرنے سے مستغنی کرنا؛ کیوں کہ مطلق مستغنی کرنا مکروہ ہے۔]

اور اس کی شرح "عنایہ" میں ہے:

هَذَا خِطَابُ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ، وَإِنَّمَا صَارَ هَذَا أَحَبَّ، لِأَنَّ فِيهِ صِيَانَةَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ السُّؤَالِ مَعَ أَدَاءِ الزَّكَاةِ، وَلِهَذَا قَالُوا: إنَّ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَى بِهِ فُلُوسًا فَفَرَّقَهَا فَقَدْ قَصَّرَ فِي أَمْرِ الصَّدَقَةِ.(2)

[یعنی، یہ امام اعظم کا امام ابو یوسف کو خطاب ہے اور یہ صورت زیادہ پسندیدہ اس لئے ہے کہ اس صورت میں زکوۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان کو سوال کی ذلت سے بچانا بھی ہے۔ اسی وجہ سے فقہا کرام فرماتے ہیں: جس شخص نے درہم کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، پھر اس نے اس سے سکّے خرید کر ان کو صدقہ کیا تو تحقیق اس نے صدقہ کے حکم میں کوتاہی کی۔]

اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَقَالَ فَخْرُ الْإِسْلَامِ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَى بِهِ فُلُوسًا فَفَرَّقَهَا فَقَدْ قَصَّرَ فِي أَمْرِ الصَّدَقَةِ، لِأَنَّ الْجَمْعَ كَانَ أَوْلَى مِنْ التَّفْرِيقِ.(3)

---

(1)۔۔: ھدایہ: کتاب الزکوۃ باب من یجوز الصدقۃ ومن لا یجوز 138/1

(2)۔۔: عنایہ شرح ھدایہ (مع فتح القدیر): کتاب الزکوۃ باب من یجوز الصدقۃ ومن لا یجوز 284/2

(3)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ باب المصرف مسئلہ دفع الزکوۃ بتحر 435/2

[یعنی، فخر الاسلام فرماتے ہیں: جو شخص درہم کو صدقہ کرنا چاہے، اور وہ خرید سے ان سے سکے پھر وہ ان سکوں کو تقسیم کرے تو تحقیق اس نے صدقہ کے حکم میں کوتاہی کی؛ کیوں کہ تفریق (فقرا کو تھوڑا تھوڑا کر کے دینے) سے جمع (ایک کو اتنا دینا کہ وہ غنی ہو جائے) اولیٰ ہے]

اگر اس باڑھے یا صفوں میں کوئی غنی بھی بیٹھ گیا، اُن ہی کی صورت اور شکل میں اور زکوۃ دینے والا اُس کو جانتا نہیں ہے اور عامہ فقرا کی طرح اُس کو بھی زکوۃ دے دی تو مالکِ زکوۃ پر اعادہ زکوۃ کا نہیں ہے، اُس کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَيَلْحَقُ بِالتَّحَرِّي فِي مَسْأَلَةِ الزَّكَاةِ مَا لَوْ كَانَ الْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ جَالِسًا فِي صَفِّ الْفُقَرَاءِ يَصْنَعُ صَنِيعَهُمْ أَوْ كَانَ عَلَيْهِ زِيُّ الْفُقَرَاءِ أَوْ سَأَلَهُ فَأَعْطَاهُ فَهَذِهِ الْأَسْبَابُ بِمَنْزِلَةِ التَّحَرِّي كَذَا فِي "الْمَبْسُوطِ" أَيْضًا يَعْنِي أَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ أَنَّهُ غَنِيٌّ لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ.[1]

[یعنی، زکوۃ کے مسئلہ میں تحری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس کو زکوۃ دی گئی وہ اگر فقرا کی صف میں انہی کی ہیئت اختیار کئے ہوئے ہو یا اس پر فقرا کی علامت واضح ہو یا اس نے سوال کیا اور پھر اس نے اس کو کچھ دیا تو یہ سب تحری کے قائم مقام ہو گا۔ اسی طرح "مبسوط" میں بھی ہے یعنی، اگر یہ ظاہر ہو کہ وہ غنی ہے تو اب اس پر اعادۂ زکوۃ نہیں۔]

اور مدرسہ مذکورہ سوال[2] کے متولیوں کو زکوۃ کا مال دینا جائز ہے کہ اُس مدرسہ

---

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ باب المصرف مسئلہ دفع الزکوۃ بتحر فبان ...، 434/2

(2)۔۔: (ایک مدرسہ عالی شان ہے اور اس کی آمدنی صیغہ اوقاف سے تقریباً پانچ ہزار روپیہ ماہانہ کی ہے اور خرچ دو سو روپیہ ماہوار سے زائد نہیں، اُس کی جائداد اُس جیسے دس مدرسوں کے ضروریات پورا کرنے کو کافی اور وافی ہے اور وہ مدرسہ وکٹوریہ جیوبلی کے نام سے مشہور ہے، انگریزی گجراتی پڑھائی جاتی ہے اور تھوڑے بچوں کو قرآن شریف بھی پڑھایا جاتا ہے، اُس کے متولی اور ممبر بلا ضرورت، ہم سے مصرفِ زکوۃ سے اعانت اور امداد چاہتے ہیں)

بریکٹ کی یہ عبارت رسالہ میں تھی، جس سے ربط میں خلل واقع ہو رہا تھا؛ اس لئے اسے حاشیہ میں درج کیا جا رہا ہے۔ مرتبین

میں طلبا فقرا نہیں رہتے کہ اُن کے واسطے وہ زکوۃ لیتے ہوں، ہاں! البتہ بقول سائل اس میں بچے انگریزی گجراتی اور تھوڑے قرآن شریف پڑھتے ہیں اگر وہ اغنیا کے لڑکے ہیں تو اُن کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اگر فقرا کے لڑکے ہیں تو یہ متولی اُن کے ولی ووصی نہیں ہیں کہ اُن کی طرف سے اُن کو قبض کا کوئی حق ہو کہ جس سے زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا ہو جائے اُن کے قبض کرنے سے اگر کسی ایک دو کے ولی یا وصی بھی ہوئے تو یہ اُن کے واسطے لیتے نہیں، یہ تو مدرسہ کے خرچ کے واسطے لیتے ہیں جس کا وہ محتاج اور مصرفِ زکوۃ نہیں اور اگر وہ متولی مدرّسین اور اُن کے سوا اور جو اُس مدرسہ میں نوکر ہیں، اُن کی تنخواہ اور نوکری کے صَرف کے واسطے لیتے ہیں تو یہ بھی جائز نہیں، اس سے زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا نہیں ہوتی کہ زکوۃ میں یہ شرط ہے کہ مستحقِ زکوۃ کو -بغیر کسی نفع لینے کے اُس سے -للہ زکوۃ دینا چاہئے، جب اُس سے نوکری لے کر زکوۃ دی تو یہ زکوۃ نہ ہوئی، یہ تو مزدوری ہوئی، پس زکوۃ ادا نہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اصول یعنی، ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ اور اپنے فروع یعنی، اولاد اور اولادِ اولاد اور اپنے غلاموں کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

"کنز" وغیرہ کتبِ فقہ میں ہے:

هِيَ تَمْلِيكُ الْمَالِ مِنْ فَقِيرٍ مُسْلِمٍ غَيْرِ هَاشِمِيٍّ، وَلَا مَوْلَاهُ بِشَرْطِ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلّٰهِ تَعَالَى. الخ[1]

[یعنی، زکوۃ شریعت میں اللہ عزّوجلّ کے لئے مسلمان فقیر کو مال کا مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو اور نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اس سے بالکل جدا کر لے۔]

"بحر شرح کنز" میں ہے:

لَا يَجُوزُ الدَّفْعُ إِلَى أَبِيهِ وَجَدِّهِ، وَإِنْ عَلَا، وَلَا إِلَى وَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ، وَإِنْ سَفَلَ؛ لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَمْ تَنْقَطِعْ عَنِ الْمِلْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ كَمَا قَدَّمَهُ فِي تَعْرِيفِ الزَّكَاةِ، لِأَنَّ

---

(1)۔۔ کنز الدقائق: کتاب الزکوۃ ص 22)

الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الْإِخْرَاجُ عَنْ مِلْكِهِ رَقَبَةً وَمَنْفَعَةً، وَلَمْ يُوجَدْ فِي الْأُصُولِ وَالْفُرُوعِ الْإِخْرَاجُ عَنْ مِلْكِهِ مَنْفَعَةً وَإِنْ وَجَدَ رَقَبَةً، وَفِي عَبْدِهِ وُجِدَ الْإِخْرَاجُ مَنْفَعَةً لَا رَقَبَة.(1)

[یعنی، باپ، دادا، اوپر تک یوں ہی بیٹا، پوتا نیچے تک کو زکوۃ دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ اس طرح زکوۃ دینے سے منفعت کلیۃً ملک سے ختم نہیں ہوتی، جیسا کہ زکوۃ کی تعریف میں گزر چکا ہے؛ کیوں کہ اس پر واجب ہے کہ اپنی ملک سے اخراج رقبۃً ومنفعۃً ہو اور اصول فروع کو زکوۃ دینے سے اخراج منفعۃ نہیں پایا جارہا، اگرچہ رقبۃً موجود ہے اور اپنے غلام کو دینے میں اخراج منفعۃً موجود ہے، رقبۃً موجود نہیں ہے۔]

اور بھی اس میں چند سطور کے بعد ہے:

وَلَوْ دَفَعَ زَكَاتَهُ إِلَى مَنْ نَفَقَتُهُ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ مِنَ الْقَرَائِبِ جَازَ إِذَا لَمْ يَحْتَسِبْهَا مِنَ النَّفَقَةِ. الخ(2)

[یعنی، قریبی رشتہ داروں میں سے جس کا نفقہ اس پر واجب ہے، اس کو زکوۃ دینا جائز ہے جب کہ اُسے نفقہ سے شمار نہ کرے۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَلَوْ نَوَى الزَّكَاةَ بِمَا يَدْفَعُ الْمُعَلِّمُ إِلَى الْخَلِيفَةِ ولم يَسْتَأْجِرْهُ إِنْ كان الْخَلِيفَةُ بِحَالٍ لو لم يَدْفَعْهُ يُعَلِّمُ الصِّبْيَانَ أَيْضًا أَجْزَأَهُ وَإِلَّا فَلَا وَكَذَا مَا يَدْفَعُهُ إِلَى الْخَدَمِ من الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فِي الْأَعْيَادِ وَغَيْرِهَا بِنِيَّةِ الزَّكَاةِ كَذَا فِي "مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ". الخ(3)

[یعنی، معلم نے بغیر اجرت مقرر کئے نائب رکھا اور نائب ایسا ہے کہ بغیر اجرت کے بچوں کو پڑھا دیتا ہے۔ اب اگر معلم نائب کو کچھ دے کر اس سے زکوۃ کی نیت کرلے تو جائز ہے اور اگر ایسا نہیں تو جائز نہیں۔ اسی طرح مالک کا اپنے نوکروں اور نوکرانیوں کو

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ باب المصرف، 425/2

(2)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ باب دفع الزکوۃ الی الاب والجد 425/2)

(3)۔۔: فتاوی ہندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف، فصل فی مایوضع فی بیت المال اربعۃ المال 190/1)

عید وغیرہ میں عیدی دے کر اس سے زکوۃ کی نیت کرلینا بھی جائز ہے۔ "معراج الدرایۃ" میں اسی طرح لکھا ہے۔]

الغرض اُن متولیوں کو مدرسہ مذکورہ کے صرف کے واسطے زکوۃ دینا ہر گز ہر گز جائز نہیں، اگر کوئی دے گا تو اُس کی زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

دوسرے سوال کا جواب:

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگریزی تھوڑی بقدرِ ضرورت بشرطیکہ اوّل عقائدِ ضروریہ مطابق مذہبِ اہلِ سنت کے خوب ضبط وحفظ ہوں، بنیّتِ مباح پڑھنا پڑھانا جائز ہے۔

مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ "فتاویٰ عزیزی" میں لکھتے ہیں:

تعلم انگریزی یعنی آئین خط وکتابت ولغت واصطلاح اینہا را دانستن باکے ندارد اگر بہ نیت مباح باشد زیرا کہ در حدیث وارد است کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بحکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم روش خط و کتابت یہود ونصاری ولغت آنہارا آموختہ بود برای این غرض کہ اگر براے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عم خطی باین لغت ورسم خط برسد جواب آن تواند نوشت۔(1)

[انگریزی پڑھنا یعنی، انگریزی کا حرف پہچاننا اور سیکھنا اور اس کی لغت اور اصطلاح جاننا، اس میں کچھ بھی قباحت نہیں، بشرطیکہ صرف مباح ہونے کے خیال سے انگریزی حاصل کی جائے، اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آں حضرت صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم کے موافق حضرت زید بن ثابت نے یہود ونصاریٰ کے خط و کتابت کا طریقہ اور ان کی زبان سیکھی تھی، اس غرض سے کہ اگر آں حضرت صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں اس زبان میں کوئی خط آئے تو اس کا جواب لکھ

(1)۔۔۔:(فتاوی عزیزی، سوالات عشرہ، جلد اول، ص:186

سکیں۔]

اور اگر نصاریٰ کی خوشامد اور اُن سے ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے کے مطلب سے اور اُن سے تقرّب ونزدیکی حاصل کرنے کی غرض سے کوئی پڑھے تومکروہ وناجائز ہے۔

اُسی ”فتاویٰ“ میں ہے:

واگر بمجرد خوشامد آنہا واختلاط بآنہا تعلم این لغت نماید وباین وسیله پیش آنہاتقرب جوید پس البته حرمت وکراہت وارد وقد مرّ آنفا:أنّ للآلة حكم ذی الآلة۔ (1)

[اور اگر صرف ان کی خوشامد کی غرض سے اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے کے لئے یہ علم پڑھے اور اس ذریعہ سے چاہے کہ ان کے یہاں تقرّب حاصل ہو تو البتہ اس میں حرمت اور کراہت ہے اور ابھی اوپر بیان ہوا ہے کہ جو حکم ذی آلہ کے بارے میں ہوتا ہے، وہی حکم آلہ کے بارے میں بھی ہوتا ہے۔]

اور یہ انگریزی جس طرح علی گڑھ کالج میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے اور اُسی کی روش وطریقہ پر دوسرے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہو، ایسی پڑھائی قطعاًویقیناً حرام ہے کہ غالباً ایسی پڑھائی اور پڑھنے کا مآل فسق وفجور ونیچریت وعیسائیت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے کالجوں کی اعانت ومدد کرنا بھی قطعاً حرام ہے۔

اب میں تھوڑا سا حال سر سیّد علیہ وما علیہ اور اُس کے علی گڑھ کالج کی تعلیم سے جو اثر ہوتا ہے، لکھتا ہوں۔ کتاب ”منیر الدین“ میں مقدمّہ ”تفسیر حقانی“ سے منقول ہے:

”یورپ میں ملک کے ملک ایسے بے دین وملحد ہو گئے ہیں کہ جو خدا اور خدا کی باتوں پر قہقہہ اُڑاتے ہیں، جن کا اثر ہندوستان میں بھی پولوسِ ہند سیّد احمد خان بہادر کے ذریعہ سے نوجوان انگریزی خوانوں میں پہنچا اور شراب خوری وزنا نے از حد رواج پایا۔ سیّد احمد خان کی تفسیر ملاحظہ فرمالیجئے کہ جس میں یورپ کے ملحدوں کی تقلید کر کے

---

(1)۔۔:(فتاویٰ عزیزی:سوالات عشرہ، جلد اول، ص:186

قرآن مجید کو بالکل محرّف کر دیا ہے۔ خرقِ عادات اور معجزاتِ انبیا و ملائکہ و جن و شیطان و نعمائے جنت اور عقوباتِ دوزخ کا محض انکار ہے اور پیغمبر عَلَیۡهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ کی وحی کو مجذوبانہ خیال بتایا ہے اور وجود اور اثرِ دعا وغیرہ پر بہت امورِ منصوصہ پر مضحکہ کیا ہے، یہ تفسیر ہنوز ناتمام ہے۔ اس شخص (سر سیّد) نے اپنے تمام خیالاتِ باطلہ کو۔ کہ جو ملحدینِ یورپ سے حاصل کئے اور جن کی اتباع کا نام اُن کے نزدیک ترقّیٔ قومی اور فلاحِ اسلام ہے۔ درج کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب تحریفِ قرآن ہے، نہ تفسیر۔ خان صاحب بہادر کی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علما نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے، مگر چوں کہ وہ اور اُن کے پیرو، جنت و دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں؛ اس لئے اس کفر کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے، بل کہ مضحکہ اڑاتے ہیں۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ"۔

اور رسالہ " ردِّ نیچریہ " مرتبہ: مرزا محمد بیگ دہلوی، مطبوعہ مطبع مجتبائی۔ دہلی سے منقول ہے:

سر سیّد اگرچہ ہم ہی مسلمانوں میں ایک پرانے معزز شخص ہیں، مگر زمانے کی نیرنگیوں اور تیرہویں صدی کے اثر نے نئے نئے ریفارمر مصلحِ قوم پیدا کر دئے۔ پھر تو وہ تھے اور اُن کے ہاتھ صاف کرنے کو ہندوستان میں، پردیسی اور یتیم اسلام۔ سیر سیّد نے ترمیم تو کیا، بلکہ پرانے اسلام کو جڑ سے گرا کر ایک نئے اسلام کی بنیاد ڈالی اور اُس کی حدود کو وسیع کر دکھایا؛ کیوں کہ اسلامِ قدیم میں ۔جو مسلمانوں کو محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّم سے پہنچا ہے۔، انبیا کو تو کیا، ایک نبی کو بھی نہ مانے، کتبِ آسمانی تو کیا، ایک کتاب کا بھی انکار کرے وہ قطعاً دائرۂ اسلام سے خارج۔ قرآن مجید کی متعدّد آیتیں اور بے شمار صحیح احادیث صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ان باتوں میں ایک کا بھی منکر جہنمی ہے، جو خالداً مخلّداً جہنم میں جلے گا۔ سر سیّد کے اسلام میں ہندو، عیسائی، دہرئے، بت پرست سب داخل ہیں اور جنت کے مستحق ہیں۔ پھر اسلامِ جدید کے بموجب سر سیّد نے تفسیر میں مغربی فلاسفروں کے خیالات بٹھلانے اور اصلی معانی کو دھکے دے دے کر باہر نکالنے میں جو کوشش کی، وہ اسلامِ جدید کے پیروں کے نزدیک قابلِ مشکوری ہے۔

اس کے بعد سر سیّد نے ایک اور بھاری کام کیا۔ وحی، جنت، دوزخ، ملائکہ بل کہ

خدا اور نبی کے لفظ کو تو ایمان لانے کے قابل قرار دیا، مگر اُن کے معنی بدل دئے۔ نئی نبوّت جس کا کسی پر خاتمہ نہیں، جو معجزہ اور خرقِ عادت کے محتاج نہیں۔ نیا جبرئیل، نئے ملائکہ یعنی قوّت ملکیہ، بل کہ نیا خدا، جو نہ دعا قبول کرنے پر قادر ہے، نہ نظام عالم میں جاری کرنے کے بعد دخیل ہے، ماننا پڑا۔ پھر جب اصل اصول باتوں میں یہ اختلاف ہے تو فروعات و عملیات کی کیا پرسش ہے! اب میں نہیں سمجھتا کہ یہ نئے اسلام کا بانی اسلامِ قدیم کے پابندوں کی تعلیم کی کیسی اصلاح و ترمیم کرے گا۔ سر سیّد کی تعلیم و تربیت جو مسلمانوں کے بچوں کے حق میں ابرِ رحمت کی طرح علی گڑھ کالج پر برستی رہتی ہے، میرے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ حالت کے لئے کسی طرح مفید نہیں، بل کہ سخت مضر و خطرناک ہے۔ اس تعلیم کا نتیجہ جو سب سے اوّل سر سیّد کے دونوں صاحبزادوں کے حق میں ظاہر ہوا ہے، وہ اُن کے لئے قدرتی نمونہ اور زندہ دلوں کے لئے عبرت ہے۔ سر سیّد نے قدیم اسلام کو گرا کر جو وسیع اسلام کے بنگلے میں صاحبزادوں کو بٹھایا، من جملہ اور نعما کے ایک شرابِ خوری ہے کہ جس نے قرض دار ہی نہیں کر دیا، بل کہ سرکاری ملازمت کے قابل ہی نہیں رکھا، بل کہ زندگی سے مایوس کر دیا گیا۔ کیا علی گڑھ کالج اس سبب سے کہ ایک گھنٹے تک اُس میں دینیات کی چھوٹی کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور ظہر و عصر کے وقت کھیل کود کے ذریعے سے نماز پر مجبور کیا جاتا ہے، خواہ بے وضو ہی کیوں نہ ہو اور اُس کے ارکان و شروط سے بے خبری ہی کیوں نہ ہو، مدرسۃ المسلمین کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہی نہیں، ہر گز نہیں۔ الخ

اور مولانا مولوی علی بخش خان صاحب بدایونی نے خاص ایک کتاب مبسوط "تائید الاسلام" نام پیر نیچر سر سیّد کے عقائدِ فاسدہ کے ردّ میں مطبع نول کشور لکھنو میں چھپوا کر شائع فرمائی ہے اور علمائے کرام مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ سے اُس کے کفر پر اور اُس کے علی گڑھ کالج کی مسلمانوں کو مدد نہ کرنے پر فتاویٰ لے کر اُس کتاب کے اخیر میں درج کر کے شائع فرمائے ہیں، اُن فتووں کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

سوال:

ما قولكم دام فضلكم فی رجل ينكر وجود ابليس فی الخارج ويقول:

إنهاقوة بهيمية فى نفس الإنسان،ويقول:سجود الملائكة لأدم ليس سجوداً حقيقةً،بل طاعة بالقوة،وقوله تعالى:﴿أَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ﴾ بمعنى:قوة بهيمة مغوية للبشر،لا بمعنى امتناع السجود الحقيقى، ويقول: إن الأفلاک ليستهى أجسام،بل هى فضاءبسيط أو سبع سيارات،ويقول:بحرمةالإستغراق،ويقول: إن قصة المعراج كانت بمحض الرويا وينكر اسراءه صلى الله عليه وسلم بالجسدوينكر شق صدره صلى الله عليه وسلم،ويقول: منخنقة الطيور حلال، فماالحكم فى هذاالرجل؟

ترجمہ: کیاارشاد ہے اُس شخص کے بارے میں جو خارج میں وجودِ ابلیس نہیں مانتا اور اُسے نفسِ انسانی کی ایک قوّتِ بہیمی جانتا اور کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ کا سجدہ حقیقی سجدہ نہ تھا، بل کہ قوّتوں کا مطیع ہونا اور آیہ "﴿أَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ﴾یعنی، شیطان نے سجدہ سے انکار و تکبر کیا" اس سے قوّتِ بہیمی مراد ہے کہ آدمی کو گمراہ کرتی ہے، نہ حقیقی سجدے سے باز رہنا اور کہتا ہے کہ آسمان کوئی جسم نہیں، بل کہ خلا (خالی جہاں کچھ نہ ہو) ہے یا انہیں سات سیاروں کو سات آسمان کہا ہے اور غلام بنانے کو حرام جانتا اور معراج مبارک کو نری خواب بتاتا اور شقِّ صدر شریف کا انکار کرتا اور گلے گھونٹے پرند کو حلال کہتا ہے؟

جوابِ علمائے مکہ معظّمہ:

الحمدلله من بيده الكون،أستمدالتوفيق والعون.

هذاالرجل ضال مضل،بل هو خليفةإبليس اللعين،يريدأغواء المسلمين وهو أشد من اليهود والنصارى وفتنته أعظم من فتنتهما-قاتله الله-والله سبحانه وتعالى أعلم.

أمر برقمه:خادم الشريعةوالمنهاج عبدالرحمن بن عبدالله سراج الحنفى مفتى مكةالمكرمة

ترجمہ: یہ شخص گمراہ، گمراہ گر بل کہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے، مسلمانوں کو بہکانا چاہتا ہے یہ شخص (سر سیّد) یہود و نصاریٰ سے بدتر ہے اور اس کا فتنہ اُن کے فتنوں سے سخت تر ہے، اللہ تعالیٰ اسے قتل کرے۔

جواب علمائے مدینہ منورہ:

الحمدللہ تعالی من رفع السماء بلاعمد، أسئل العون والتوفیق والمدد.

نعم! یکفر بھذا الإعتقاد، بل الأوّل وحدہ کاف لانکارہ القرآن، فإن کان مسلما فقد ارتد- والعیاذ باللہ تعالی -لتکذیبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما جاء بہ من الدین ضرورۃ. وخلاصۃ مایستفاد من کلام أھل المذھب کإبن الھمام وابن کمال باشا والبیری وغیرھم کالدر المختار وحواشیہ، أن ھذا الرجل إما ملحد: وھو من مال عن الشرع القویم إلی جھۃ من جھات الکفر أو زندیق: وھو من لایتدین بدین أو أباحی، لأنہ أباح أکل المنخنقۃ واللہ تعالی أعلم.

أمر برسمہ: الفقیر إلی اللہ عزّ شانہ محمد امین بالی مفتی الأحناف بالمدینۃ المنورۃ.

ترجمہ: ہاں! یہ شخص (پیر نیچر) اُن عقائد کے باعث کافر ہے، بل کہ اُس کا پہلا عقیدہ (کہ ابلیس کا وجود خارج میں نہیں) اُس کے کافر ہونے کے لئے کافی ہے؛ اس لئے کہ وہ قرآن کا منکر ہے تو اگر مسلمان تھا تو اب مرتد ہو گیا۔ اُس نے ضروریاتِ دین میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تکذیب کی، علمائے مذہب مثل امام ابن ہمام وعلامہ ابن کمال پاشا وعلامہ بیری وغیر ہم کے کلام سے جو مستفاد ہوا، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ

شخص (پیر نیچر سر سید) ملحد ہے یا زندیق یا اباحی کہ گلے گھونٹے جانور کو مباح جانتا ہے۔

فتوی علمائے مکہ معظّمہ در عدمِ جوازِ امداد و اعانت علی گڑھ کالج:

سوال:

ماقولکم دام فضلکم فی مدرسة شخص (سر سید) یقول: إن حدیثا لا یوثق به وأن الفقه وأصولها أمور واهیة وأن ابلیس والسمٰوات لا وجود لها فی الخارج وینکر المعراج الجسمانی له صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وینکر أیضاً قصة آدم وسجود الملائکة له قائلا إنما هو کنایة عن القوی، ویقول: إن أهل الإسلام لا تتهذب أخلاقهم إلا أن یقلدوا أهل یورب فی ضرورتهم السّت اللتی مهدها فلاسفتهم الجدیدون وأن جمیع العلوم القدیمة اللتی دونها المسلمون لا تنتفع بشئی، فلزم أن تقام مدرسة تدرس فیها العلوم الجدیدة الفلاسفة وتعلم فیها الضروریات السّت علی نهیجهم ووصفهم وأن تنتخب الکتب الدینیة انتخاباً لا یخل وضع الفلسفة الجدیدة ولما انکر علیه المسلمون وقالوا: ان مدرستک هذه تکون مدرسة الإلحاد والزندقة وأبوا عن الإمداد والإعانة فیها کتب الیهم وقال: إنی لا توب عن المعتقد أتی ولا رجع عن دعوتی إلا أن اجعل جمیع امور المدرسة علی وفق رای المشورة، والحال أن أهل ذالک المجلس أکثرهم حزبه وجماعته واراءهم تتبدل دائماً ولاحقها ینسخ سابقها، ففی هذه الحالة هل الصحیح للمسلمین إمدادها وإعانتها أو لا؟ بینوا توجروا

(المستفتی: علی بخش عفی عنہ)

ترجمہ: کیا ارشاد ہے ایسے شخص (سر سید) کے مدرسے کے باب میں جس کا اعتقاد ہو کہ حدیث پر کچھ اعتماد نہیں اور فقہ واصول واہی (نکمے) ہیں اور ابلیس وافلاک خارج میں موجود نہیں اور معراج جسمانی بھی نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وقصہ آدم وسجدہ ملائکہ کا منکر ہے۔ ملائکہ کو قوائے بشری سے کنایہ بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں میں تہذیب نہ آئی گی، جب تک وہ ضروریاتِ ستہ میں یورپ والوں کی تقلید نہ کریں، جس طرح ان کی فلاسفہ جدید نے تمہید کی ہے اور علومِ قدیمہ جو مسلمانوں نے تدوین کئے، کچھ نافع

نہیں تو ضرور ہوا کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں نئے فلسفہ کے علوم پڑھائے جائیں اور ضروریاتِ ستہ یورپین طرز پر سکھائے جائیں اور دینی کتابوں کی نصاب ایسی چھانٹی جائے جس سے فلاسفہ جدید کے تقرّر کو ضرر نہ پہنچے اور جب مسلمانوں نے اس پر انکار کیا اور کہا کہ یہ تیسرا مدرسہ الحاد وزندقہ کا مدرسہ ہوگا اور اس کی امداد واعانت سے انکار کیا تو انہیں لکھ بھیجا کہ اپنے عقیدوں سے توبہ نہیں کرتا اور نہ اپنی ندا سے باز آوں، مگر یہ کہ مدرسہ کے سب اراکین کی رائے سے موافق کردوں، حالاں کہ اکثر اراکین اس کے گروہ کے ہیں اور ان کی رائیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، پچھلی پہلی کو فسخ کرتی ہیں تو کیا ایسی حالت میں مسلمانوں کو اس مدرسہ کی امداد واعانت جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

الحمدلله من بیده الکون، أستمد به التوفیق و العون.

فی الصورة المذکورة لا تجوز إعانة تلک المدرسة- هدمها الله و قتل بانیها- و الله سبحانه تعالی أعلم.

أمر برقمه: خادم الشریعة و المنهاج عبدالرحمن بن عبدالله سراج الحنفی مفتی مکة المکرمة.

ترجمہ: صورتِ مذکورہ میں اُس مدرسہ کی اعانت جائز نہیں، اللہ تعالیٰ اُس مدرسہ کو ڈھائے اور اُس کے بانی کو قتل کرے۔

تیسرے سوال کا جواب:

یہ ہے کہ علمائے اہل سنت سے ناحق بغض رکھنا اور اُن کی اہانت اور توہین کرنا بہت

سخت کبیرہ گناہ، سرحدِ کفر تک پہنچانے والا ہے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَمَنْ أَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ وَلَوْ صَغَّرَ الْفَقِيهَ أَوْ الْعَلَوِيَّ قَاصِدًا الِاسْتِخْفَافَ بِالدِّينِ كَفَرَ. (1)

[یعنی، جس نے کسی عالم دین سے بغیر سبب ظاہر کے بغض رکھا، اُس پر کفر کا خوف ہے۔ اور اگر اُس نے دین کو ہلکا جاننے کا قصد و ارادہ کرتے ہوئے فقیہ یا علوی کی حیثیت گرائی تو وہ کافر ہے۔]

اور بھی اُس میں دوسرے مقام میں ہے:

وَيُخَافُ عَلَيْهِ الْكُفْرُ إِذَا شَتَمَ عَالِمًا أَوْ فَقِيهًا مِنْ غَيْرِ سَبَب. (2)

[یعنی، جب کسی عالم یا فقیہ کو بغیر کسی سبب کے گالی دے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

في "النِّصَابِ": من أَبْغَضَ عَالِمًا من غَيْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِيفَ عليه الْكُفْر وَيُخَافُ عليه الْكُفْرُ إِذَا شَتَمَ عَالِمًا أو فَقِيهًا من غَيْرِ سَبَب. (3)

[یعنی، "نصاب الاحتساب" میں ہے: جس نے کسی عالم دین سے بغیر کسی سبب ظاہر کے بغض رکھا، اس پر کفر کا خوف ہے۔ یوں ہی جب کسی عالم یا فقیہ کو بلا سبب گالی دے تو اس پر کفر کا خوف ہے۔]

سائل کے الفاظِ منقولہ کے تیور سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ بکنے والے ضرور کسی علی گڑھی نیچری کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہیں کہ اُن علی گڑھیوں بد بختوں کا تو شیوہ ہی شب و روز دین کی تخریب اور علما کی توہین کرنا ہے۔ ناحق کسی سنی کو وہابی یا الہابی

---

(1)۔۔: بحر الرائق: باب احکام المرتدین 209/5

(2)۔۔: بحر الرائق: باب احکام المرتدین 207/5،

(3)۔۔: الفتاوى الهندية: كتاب السير ،الباب التاسع في أحكام المرتدين ،مطلب في موجبات الكفر أنواع منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام، 270/2)

کہنا سخت گناہ ہے، لیکن اس زمانہ میں بہت سے رشیدیے، گنگوہیے، دیوبندیے، وہابی، اہل سنت کا جامہ، فریب سے پہن کر لوگوں کو دھوکے دے رہے ہیں، ایسوں کی جتنی تحریر و تقریر سے سر کوبی کی جائے، تھوڑی ہے۔

چوتھے سوال کا جواب:

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرض دار کو جس قدر سے اُس کا قرض ادا ہو جائے، دینا افضل و بہتر ہے۔ اسی طرح مستحقِ زکوۃ کو جس کے پاس بالغہ لڑکی کے نکاح کے ضروری شرعی اسباب پہنچانے کے قدر روپیہ نہیں ہے، اس کو اُس کی یہ حاجت دفع کرنے کے واسطے دینا بہتر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مستحقِ زکوۃ عیال دار ہے، اس کو بھی دو سو درہم یعنی، نصاب سے زائد دینا اگر تقسیم کیا جائے تو اُس کے عیال کے ہر فرد کو نصاب سے کم آئے، جائز ہے۔ ورنہ ایک شخص مستحقِ زکوۃ کو کامل نصاب یا زائد دینا بغیر حاجت کے مکروہ ہے، لیکن زکوۃ ادا ہو جاتی ہے اور وہ اُس کا مالک ہو جاتا ہے اور جب وہ اُس کا مالک ہوا تو وہ اُس کو اپنے ہر صرف میں لا سکتا ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

"وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى رَجُلٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا وَإِنْ دَفَعَهُ جَازَ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ "هذا إذا لم يَكُنْ الْفَقِيرُ مَدْيُونًا فَإِنْ كان مَدْيُونًا فَدَفَعَ إِلَيْهِ مِقْدَارَ ما لو قضى بِهِ دَيْنَهُ لَا يَبْقَى له شَيْءٌ أو يَبْقَى دُونَ الْمِائَتَيْنِ لَا بَأْسَ بِهِ وَكَذَا لو كان مُعِيلًا جَازَ أَنْ يُعْطَى له مِقْدَارُ ما لو وُزِّعَ على عِيَالِهِ يُصِيبُ كُلَّ وَاحِدٍ منهم دُونَ الْمِائَتَيْنِ كَذَا في "فَتَاوَى قَاضِي خَان". [1]

[یعنی، ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دے تو جائز ہے یہ "ہدایہ" میں لکھا ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ فقیر قرض دار نہ ہو اور اگر قرض دار ہو تو اگر اس کو اس قدر دے کہ اس کے قرض کے ادا ہونے کے بعد اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے یا دو سو درہم سے کم باقی رہے تو جائز ہے اور اگر اس کے اہل

---

(1)۔۔:فتاوی ہندیہ: کتاب الزکوۃ الباب السابع فی المصارف، 188/1)

وعیال زیادہ ہوں تو اس قدر دینا جائز ہے کہ اگر وہ سب اہل وعیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو دو سو درہم سے کم پہنچے۔ اسی طرح "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے۔]

اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَأَطْلَقَ فِي اسْتِحْبَابِ الْإِغْنَاءِ عَنْ السُّؤَالِ ، وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِأَدَاءِ قُوتِ يَوْمِهِ كَمَا وَقَعَ فِي "غَايَةِ الْبَيَانِ" ، لِأَنَّ الْأَوْجَهَ النَّظَرُ إلَى مَا يَقْتَضِيهِ الْأَحْوَالُ فِي كُلِّ فَقِيرٍ مِنْ عِيَالٍ وَحَاجَةٍ أُخْرَى كَدَيْنٍ وَثَوْبٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ.[1]

[یعنی، زکوۃ ادا کرتے وقت فقیر کو اتنا دینا کہ اب اسے مزید سوال کی حاجت نہ ہو مستحب ہے اسے مطلق رکھا اور اسے مقید نہ کیا ایک دن کے کھانے جتنا ادا کرنے کے ساتھ جیسا کا "غایۃ البیان" میں ہے؛ کیوں کہ زکوۃ ادا کرتے وقت فقرا کے اہل وعیال اور ان کی دیگر ضروریات مثل قرض و کپڑے وغیرہ پر نظر رکھتے ہوئے زکوۃ ادا کرنا زیادہ مناسب ہے۔]

پانچویں اور چھٹے سوال کا جواب :

پانچویں اور چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسب پر قدرت رکھتا ہو اور اُس کو کسب و مزدوری سے اس قدر مل سکتا ہے کہ اُس سے اُس کی اور اُس کے عیال کی ایک دن کی گزر ہو جاتی ہے اور بدن چھپانے کے واسطے اُس کے پاس کپڑا بھی ہے۔ پس ایسے شخص کو سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر بغیر سوال کے اُس کو کوئی دے تو اُس کو لینا جائز ہے، لیکن فقیر[2]، طالبِ علم دین اور غازی جب کہ علم دین اور جہاد میں مشغول ہوں اور کسب نہ کر سکیں تو ان کو بقدر حاجت سوال کرنا جائز ہے۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَمِنْهَا الْمِسْكِينُ وهو من لَا شَيْءَ له فَيَحْتَاجُ إلَى الْمَسْأَلَةِ لِقُوَّتِهِ أو ما يُوَارِي بَدَنَهُ وَيَحِلُّ له ذلك بِخِلَافِ الْأَوَّلِ حَيْثُ لَا تَحِلُّ الْمَسْأَلَةُ له فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمَنْ

---

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوۃ باب دفع الزکوۃ بتحر فبان انہ غنی او ھاشمی 2/435)

(2)۔۔: یہاں فقیر کی جگہ "مسکین" ہونا چاہئے، اس لئے کہ فقیر کو نہیں، بلکہ مسکین کو سوال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ مابعد عبارت اس کی تائید کر رہی ہے۔ مرتبین

يَمْلِكُ قُوتَ يَوْمِهِ بَعْدَ سُتْرَةِ بَدَنِهِ كَذَا فِي "فَتْحِ الْقَدِيرِ". [1]

[یعنی، مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور اپنے کھانے کے لئے یا بدن چھپانے کے لئے سوال کا محتاج اور سوال اس کو حلال بھی ہو، بر خلاف فقیر کے کہ اس کے لئے سوال حلال نہیں؛ کیوں کہ سوال اس کو حلال نہیں جو اپنا بدن چھپا لے اور ایک دن کی خوراک کا مالک ہو۔ "فتح القدیر" میں اسی طرح ہے۔]

اور "کنز الدقائق" اور اس کی شرح "بحر الرائق" میں ہے:

(قَوْلُهُ: وَلَا يَسْأَلُ مَنْ لَهُ قُوتُ يَوْمِهِ) أَيْ لَا يَحِلُّ سُؤَالُ قُوتِ يَوْمِهِ لِمَنْ لَهُ قُوتُ يَوْمِهِ لِحَدِيثِ "الطَّحَاوِيِّ": «مَنْ سَأَلَ النَّاسَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى فَإِنَّهُ يَسْتَكْثِرُ مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ، قُلْت: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا ظَهْرُ غِنًى، قَالَ: أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ عِنْدَ أَهْلِهِ مَا يُغَذِّيهِمْ وَمَا يُعَشِّيهِمْ»، قَيَّدْنَا بِسُؤَالِ الْقُوتِ، لِأَنَّ سُؤَالَ الْكِسْوَةِ الْمُحْتَاجِ إلَيْهَا لَا يُكْرَهُ وَقَيَّدْنَا بِالسُّؤَالِ، لِأَنَّ الْأَخْذَ لِمَنْ مَلَكَ أَقَلَّ مِنْ نِصَابٍ جَائِزٌ بِلَا سُؤَالٍ كَمَا قَدَّمْنَاهُ، وَقَيَّدَ بِمَنْ لَهُ الْقُوتُ، لِأَنَّ السُّؤَالَ لِمَنْ لَا قُوتَ يَوْمِهِ لَهُ جَائِزٌ، وَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ الْقَوِيُّ الْمُكْتَسِبُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ سُؤَالُ الْقُوتِ لَهُ إذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، لِأَنَّهُ قَادِرٌ بِصِحَّتِهِ وَاكْتِسَابِهِ عَلَى قُوتِ الْيَوْمِ فَكَأَنَّهُ مَالِكٌ لَهُ، وَاسْتَثْنَى مِنْ ذَلِكَ فِي "غَايَةِ الْبَيَانِ" الْغَازِيَ فَإِنَّ طَلَبَ الصَّدَقَةِ جَائِزٌ لَهُ، وَإِنْ كَانَ قَوِيًّا مُكْتَسِبًا لِاشْتِغَالِهِ بِالْجِهَادِ عَنْ الْكَسْبِ اهـ. وَيَنْبَغِي أَنْ يَلْحَقَ بِهِ طَالِبُ الْعِلْمِ لِاشْتِغَالِهِ عَنْ الْكَسْبِ بِالْعِلْمِ. [2]

[یعنی، سوال نہ کرے وہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یعنی، سوال کرنا حلال نہیں اس کو جس کے پاس آج کے دن کا کھانا ہو، اس وجہ سے کہ حدیثِ "طحاوی" ہے، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس اتنا ہے جو اسے بے پرواہ کرے تو وہ شرابِ جہنم کی زیادتی چاہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی: وہ کیا مقدار ہے، جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں؟ ارشاد فرمایا: صبح وشام کا

---

(1)۔۔: فتاوی هندیه: کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف، 187/1
(2)۔۔: بحر الرائق: کتاب الزکوة، باب دفع الزکوة بتحر فبان انه غنی او هاشمی 436/2

کھانا۔(صاحبِ "بحر الرائق" مزید فرماتے ہیں:) ہم نے کہا: کھانے کا سوال کرنا حلال نہیں؛ کیوں کہ اگر اس کے پاس کھانے کے لئے تو ہے مگر پہننے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہو تو اسے کپڑے کا سوال کرنا مکروہ نہیں اور ہم نے سوال کرنے کا کہا؛ کیوں کہ جو نصاب سے کم کا مالک ہے اسے بغیر سوال کئے لینا جائز ہے اور مقید کیا ایک دن کے کھانے کے ساتھ؛ کیوں کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا نہ ہو، اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے اور اس پر وارد نہ ہو گا وہ جو تندرست ہو اور کما سکتا ہو؛ کیوں کہ اس کے لئے کھانے کا سوال کرنا حلال نہیں، اس کے تندرست ہونے اور ایک دن کے کھانے کے کمانے پر قادر ہونے کی وجہ سے، گویا کہ یہ مالک ہے اس کھانے کا اور "غایہ البیان" میں غازی کو اس صورت سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے لئے صدقہ لینا جائز ہے، اگر چہ صحیح تندرست اور کمانے پر قادر ہو، جہاد میں مشغول ہونے کے سبب اور کسب علم دین میں مشغولیت کی بنا پر طالب علم دین کا مستثنیٰ ہونا بھی مناسب ہے (طالبِ علم کو بھی سوال کرنا جائز ہے)۔]

اور علامہ شامی عَلَیهِ الرَّحمَه "حاشیہ در مختار" میں لکھتے ہیں:

والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال.[1]

[یعنی، اس صورت کو فقیر کے ساتھ مقید کرنا زیادہ بہتر ہے اور طلبِ علم اگر چہ کمانے پر قادر ہو، اس کے لئے زکوۃ وغیرہ کا سوال کرنے کے جواز کا سبب، رخصت ہے؛ کیوں کہ اس کے بغیر اس کے لئے سوال کرنا حلال نہیں۔]

اور خاص کفنِ میت کی نسبت یہ حکم ہے کہ چوں کہ اُس کی تجہیز، تکفین، تدفین فرض کفایہ ہے؛ اس وجہ سے اگر اُس کا مال نہ ہو تو اُس کا کفن اُس پر واجب ہے جس پر اُس کی پرورش زندگی میں واجب تھی، اگر وہ نہ ہو تو اگر وہاں بیت المال ہو تو اُس میں سے لے کر اُس کو کفن دیا جائے، اگر بیت المال نہ ہو تو وہاں کے تمام مسلمانوں پر اُس کو کفن

---

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب الزکوۃ باب المصرف 335/3)

دینا واجب ہے، اگر وہ بھی اُس پر قادر نہ ہو تو اور لوگوں سے سوال کر کے اُس کو کفن دیں۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ مَالٌ فَكَفَنُهُ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَتُهُ وَكِسْوَتُهُ فِي حَيَاتِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَنْ تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَيْهِ فَكَفَنُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَعَلَى الْمُسْلِمِينَ تَكْفِينُهُ ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا سَأَلُوا النَّاسَ لِيُكَفِّنُوهُ [1]

[یعنی، اگر میت کا مال نہ ہو تو اس کا کفن اس پر واجب ہے جس پر اس کی پرورش زندگی میں واجب تھی، اگر وہ نہ ہو تو اگر وہاں بیت المال ہو تو اس میں سے لے کر اس کو کفن دیا جائے، اگر بیت المال نہ ہو تو وہاں کے تمام مسلمانوں پر اس کو کفن دینا واجب ہے اگر وہ بھی اس پر قادر نہ ہوں تو اور لوگوں سے سوال کر کے اس کو کفن دیں۔]

مختصراً اب اگر وہ چیز اُس کے کفن سے زائد ہو کر بچ گئی تو اگر اُس کا دینے والا معلوم ہو تو اُس کو دے دینا چاہئے۔ اگر وہ معلوم نہ ہو تو ایسا ہی محتاج میت دوسرا کوئی ہو تو اُس کو کفن دینا چاہیئے۔ اگر ایسا کوئی میت نہیں ہے تو فقیروں پر صدقہ کر دینا چاہئے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

فَإِنْ سَأَلُوا لَهُ وَفَضَلَ مِنَ الْكَفَنِ شَيْءٌ يُرَدُّ إِلَى الْمُتَصَدِّقِ ، وَإِنْ لَمْ يُعْلَمْ يُتَصَدَّقُ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ اعْتِبَارًا بِكِسْوَتِهِ كَذَا فِي "الْمُجْتَبَى" وَفِي "التَّجْنِيسِ" وَ "الْوَاقِعَاتِ" : إِذَا لَمْ يَعْلَمِ الْمُتَصَدِّقُ يُكَفَّنُ بِهِ مِثْلُهُ مِنْ أَهْلِ الْحَاجَةِ ، وَإِنْ لَمْ يَتَيَسَّرْ يُصْرَفُ إِلَى الْفُقَرَاءِ. [2]

[یعنی، پھر اگر لوگ میت کے لئے کفن کا سوال کریں اور کفن دینے کے بعد کپڑا زائد ہو کر بچ جائے تو اسے صدقہ کرنے والے کو واپس کر دیا جائے اور اگر صدقہ کرنے والا معلوم نہ ہو سکے، دیگر کپڑوں کی طرح اس کو بھی فقراء پر صدقہ کر دیا جائے، اسی

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الجنائز تکفین المیت 312/2)

(2)۔۔: بحر الرائق: کتاب الجنائز تکفین المیت 312/2)

طرح ''مجتبی ''میں ہے اور '' تجنیس'' میں ہے: جب صدقہ کرنے والے کا علم نہ ہو تو ایسے ہی کسی محتاج میت کو کفن دے دیا جائے اور یہ بھی میسر نہ ہو تو فقرا پر صرف کر دیا جائے۔]

هذا ماظهر لی فی الجواب بعون الله الملک الوهاب وصلّی الله تعالی علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمّد وآله وأصحابه وأولیاء أمّته أجمعین.

قال بقلمه وأمر برقمه: العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی عفاالله تعالی عنه.

تقریظات وتصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

جوابات مجیب لبیب صحیح وصواب ہیں، خدشوں سے صاف بلا ارتیاب ہیں، خداوندِ عالم مجیب کو جزائے خیر دارین میں عطا فرمائے۔

حرّرہ: الفقیر الراجی إلی رحمة ربه الشکور عبد الغفور - صانه اللّٰه تعالی عن الأفات والشرور -.

(۲)

حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

عبارات الکتاب تدلّ علی صحة الجواب، فللّٰه درّ المجیب المصیب اللبیب حیث أتی بالتحقیق العجیب.

حرّرہ: المسکین محمد بشیر الدین عفی عنه

(۳)

حضرت علامہ مولانا سیّد حیدر شاہ حنفی قادری

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً علی رسوله سیدنا محمد وآله وأصحابه وأولیاء أمته ومتبعیهم أجمعین.

مجیب لبیب - جزاہ اللّٰه خیر الجزاء - نے جو سائل کے چھؤں سوالوں کے جوابات لکھے ہیں، وہ سب حق اور صحیح ہیں، اُن پر عمل کرنے والے نجیح ہیں اور منکر اُن فتاوٰوں کے فضیح ہیں، اُن فتاووں کے برعکس جو فتاوے ہیں، وہ من اوّلہ الی آخرہ قبیح ہیں۔

اس فقیر نے از ابتدا تا انتہا ان فتاووں کو ملاحظہ کیا، مولانا مجیب نے محققانہ تحقیق فرمائی، گویا بین السطور تحقیقِ انیق کا دریا بہادیا ہے۔ خدا تعالیٰ جلّ شانہ بتصدّق سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّم وبحرمتِ سراجِ امت، رئیس الائمہ، ابی حنیفۃ النعمان-أوصلہ اللہ تعالی فی روضۃ الجنان-وبطفیلِ غوث الثقلین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اُن کے سعی جمیلہ کو مشکور فرمائے۔

سب سے عمدہ ترین یہ بات ہے کہ تردیدِ نیچریہ ملاحدہ میں علمائے دین متین ومفتیانِ شرع مبین سکانِ حرمین شریفین-زَادَھُمَا اللہ تعالی شرفاً وکرماً وتعظیماً- کے دو فتوے-جن میں پیر نیچر سر سیّد علیہ ماعلیہ کے علی گڑھ کالج کی تعلیم وامداد وبانی ومعاون کا حکم منقول ہے- نقل فرمادیئے۔

ان علماؤں کی شان رفیع البیان میں قرآن واجب التکریم گواہ ہے۔ سورۂ انفال میں خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ [الانفال:۳۴]

یعنی، مسجدِ حرام کے مالک وہی ہیں، جو پرہیز گار ہیں۔

سلطان المفسّرین سیّدنا حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنی تفسیر میں تحت میں اس آیۃ کریمہ کے فرماتے ہیں:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ(ما أولیاءہ) اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾من الکفر الشرک والفواحش.

یعنی، مسجد الحرام کے مالک پرہیز گار ہیں اور کفر وشرک وبُرے کاموں سے احتراز کرنے والے ہیں۔

اور ایسا ہی "تفسیر روح البیان" و"حسینی" و"عرائس البیان" و"کبیر" و"ابو سعود" و"بیضاوی" و"مدارک" و"خازن" و"بغوی" وغیرہ میں ہے۔

علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ سے انکار کرنے والے کو بے دین، دشمن اسلام و وہابی نجدی نیچری مخبوط الحواس نہ کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا؟۔ پس اہلِ اسلام سنت وجماعت پر لازم، بلکہ فرض ہے کہ اُن فتاووں پر عمل کریں، سرمو خلاف نہ کریں، اُن

سے خلاف عمل کرنے والے کے ساتھ نشست وبرخاست سلام وپیام نہ رکھیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالحق والصواب وإلیه المرجع والمآب.

حرّرہ: الراجی إلی لطف ربه القوی عبد النبی الأمی السید حیدر شاہ القادری الحنفی، تجاوز اللہ تعالی عن ذنبه الجلی والخفی وحفظه عن موجبات الکی والغی بحرمة النبی الهاشمی الأمی صلی اللہ تعالی علیه وآله وأصحابه وأتباعه وسلم

متوطن کچھ بوجھ المعروف بہ پیر بھڑوالہ نزیل بمبئی

مواہیر علمائے بدایوں شریف وپیلی بھیت:

(۴)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر حنفی قادری بدایونی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ کما هو أهله والصلاۃ والسلام علی الحبیب المصطفی وآله وصحبه وأولیاء أمته أبداً ما لا یحصی عدده ولا أجله

جوابات مجیب مصیب بحمد اللہ تعالیٰ صحیح وصواب ہیں اور وہ مستحقِ اجر وثواب۔ والعلم عند اللہ العلیم فی کل باب.

حرّرہ: العبد المفتقر مطیع الرسول عبدالمقتدر الحنفی القادری البدایونی کان اللہ تعالی له. از: مدرسہ قادریہ بدایوں

(۵)
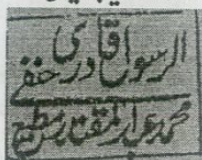
حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد حنفی قادری بدایونی

الجواب الصحیح والرائ نجیح

حرّرہ: العبد المعتصم بذیل النبی الأمجد عبد الرسول محب أحمد الحنفی البدایونی عفی عنہ المدرّس بالمدرسۃ الشمسیۃ الکائنۃ بجامع بلدۃ بدایوں

(۶)

حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش انولوی

صح الجواب فللہ در المجیب المصیب المثاب.

کتبہ: محمد حافظ بخش انولوی عفی عنہ المدرّس بالمدرسۃ المحمدیۃ الکائنۃ بمقام چودھری گنج

(۷)

حضرت علامہ مولانا وصی احمد حنفی محدّثِ سورتی

عالم فہامہ، فاضل علامہ حضرت مولانا عمر الدین صاحب کا جواب قرین ثواب ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم و علمہ أتم و أحکم۔ فقط

نمقہ: وصی احمد سنی حنفی، کان اللہ لہ

مواہیر علمائے حیدرآباد دکن و لکھنؤ:

(۸)

حضرت علامہ مولانا الٰہی بخش

الجواب صحیح والقول نجیح، من أنکر، فقد أنکر الحق الصریح

حرّرہ: العبد المذنب الھی بخش عفی عنہ

صدر المدرسین فی المدرسۃ ابو العلائی الواقعۃ فی بلدۃ حیدر آباد دکن أعاذھا اللہ عن الشرور والفتن

(۹)

حضرت علامہ مولانا عبد الرحمن

ھذا الجواب صحیح، لا شک فیہ، من أنکر فقد ضل ضلالاً بعیداً

حرّرہ: العبد المذنب الراجی إلی رحمۃ اللہ المنان المسمی بعبد الرحمن عفی ذنوبہ الخفی والجلی بحق النبی الھاشمی الأمی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

(۱۰)

حضرت علامہ مولانا محمد ہدایۃ الرسول حنفی قادری لکھنوی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

میں، حضرت مفتی مصیب اور مجیب لبیب مَدَّ ظِلُّہُ العَالی کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔ اب رہی انگریزی تعلیم اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر آج کل کی دنیاوی ضرورت کے موافق محض رفعِ حاجت کے لئے بشرطِ صحتِ عقائد کوئی شخص انگریزی پڑھے تو خود اُس پڑھنے والے کے حق میں جائز ہے۔ رہا ایسے پڑھنے پڑھانے والے کی

مدد کرنا، وہ فرض و واجب تو کیا، کسی مسلمان کے ذمے ضروری بھی نہیں اور علی گڑھ کالج یا اُس کے نمونے کے دوسرے ابلیسی مدارس یا علی گڑھ و بمبئی کی نیچری ایجوکیشنل کانفرنسیں یا اُن کے فضلے ندوہ مخذولہ کی مدد کرنا تو قطعی حرام اور اُس کا حلال و دینی خدمت سمجھنے والا یقینی کافر و بے دین ہے۔ ملعون نیچریوں نے خوشنودیٔ نصاریٰ کے لئے حبِ جاہ میں گرفتار ہو کر انگریزی تعلیم کا جال پھیلا رکھا ہے، جس سے اس گروہ نابکار بندہ کفار کی غرضِ فاسد صرف یہ ہے کہ جوہرِ ایمان مسلمانوں کے نادان بچوں کے سینے سے گو مٹ جائے، مگر ان اشرار ناہنجار کو اس رہزنی کے صلے میں کوئی منصب یا جہنمی خطاب مل جائے اور بس۔

مبادا دل آن فرو مایه شاد　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

لہٰذا اس تعلیمِ کفر میں اس گروہ شقاوت پژدہ کی مدد کرنا، اسلامی بنیاد کو ڈھانا اور آتشِ کفر کا بھڑکانا ہے، جس کا انجام جہنم۔ خداوندِ کریم برادرانِ اہلِ سنت کو محفوظ رکھے۔ آمین

خاک سار: محمد ہدایۃ الرسول سنی حنفی قادری ابوالحسینی احمد رضائی لکھنوی عفی عنہ

مواہیر علمائے بنگلور:

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا سیّد شاہ محمد عبد الغفار حنفی قادری بنگلوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله الذی له البقاء و الدوام و الصلاة و السلام علی خیر الأنام محمد و اله و أصحابه و أتباعه العظام و علی إمامنا الإمام الأعظم و الهمام الأکرم أبی حنیفة الأکرم و علی مرشدنا و هادینا قطب الأقطاب السید عبد القادر الحسنی الحسینی الفخام.

بعد! یہ کل جواب صحیح اور موافق مذہبِ اہلِ سنت و جماعت ہیں۔ اب رہا انگریزی پڑھنا، ہاں! دنیا کی ضرورت کے موافق بشرطِ صحتِ عقائدِ اہلِ سنت جائز ہے، اگر قلیل

ہو اور وہ پڑھائی علی گڑھ کالج کی روش پر نہ ہو؛ اس لئے کہ سر سید علیہ ماعلیہ کی تبعیت عین دہریت و نیچریت وخروجِ اسلام کا سبب ہے، اس کی اعانت و پیرویت کفر وارتداد کا باعث ہے۔ فقہائے کرام نے صاف فرمایا ہے کہ إعانة الكفر كفر، اعانت کفر کی عین کفر ہے۔ جیسا کہ "اشباہ ونظائر" و"ردالمحتار" کے باب المرتد[میں] ہے۔ اللہ تعالی اہلِ سنت کو کیودِ نیچریہ سے محفوظ رکھے۔ علمائے ہندوستان نے اس مرتد کی شان میں فرمایا ہے: ع

بہر جمعیت زر حکم خدا رد کردی
ہیچ کافر نہ کند انچہ تو سید کردی

مسدّسِ حالی میں ہے:

بنا مدرسہ کی جو یاروں نے ڈالی
نئی راہ چندے کی پہلے نکالی
تو بننے لگا ایک ایوان عالی
جسے دیکھ کر کعبہ کہتے ہیں حالی

کہ پانی پتی دست از حق بشوید
قلندر چہ گوید ہمہ دیدہ گوید

بشارت ہو اے اُمتیانِ نیچر
علی گڑھ میں ہوتا ہے اب حج اکبر
یہ حج ہے کہیں حج لنڈن سے بڑھ کر
کہ ہے مدرسہ کعبہ اور اس کے در پر
کسی کا دل پاک ہو سنگ اسود
بڑھو کہہ کے لبیک یا سید احمد

اہلِ اسلام کو پہلے اپنے بچوں کے لئے عقائدِ حقہ کی تعلیم کرنا فرض وواجب ہے، جب اوّلاً عقائدِ صحیحہ اہلِ سنت کی اُن کو تعلیم کی جائے تو وہ اس گروہِ کفریہ نیچریہ کے

مکائد سے محفوظ رہیں گے اور دیگر فرقِ ضالہ مرتدیہ غیر مقلد ووہابیہ وندویہ سے کنارہ گزیں ہوں گے۔ ہر ایک کو ضرور ہے کہ آخرت کا خیال رکھے اور جانے سے پہلے جو عقائد واعمال وافعال وہاں زیادہ مفید ہیں، اُن کے عام کرنے میں یہاں سعی کی جائے اور جو وہاں مضر ہیں، اُن سے یہاں بچے جیسا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدّس سرّہ السّامی کتاب "مثنوی شریف" میں جو مقبول علماے شریعت وطریقت ہے، لسان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے ہیں:

این جہاں زندان و ما زندانیان
حفرہ کن زندان خود را و اربان
گفت دنیا لعب و لہو است و شما
کو دکید و راست فرماید خدا
صالحان را کار عقبی اختیار
جاہلان را کار دنیا اختیار
عمر تو مانند ہم یان زر است
روز و شب مانند دنیا را شمر است

کتبہ: أحقر المسکین السید شاہ محمد عبد الغفار قادری الحنفی أعلی المدرس لمدرسة الجامع العلوم الواقعة فی جامع المسجد لمعسکر بنگلور (صانہ اللہ عن الفتن والشرور)

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا قاضی سیّد شاہ محمد عبد القدوس حنفی قادری بنگلوری

ھذا الجواب صحیح

کتبہ: القاضی السید شاہ محمد عبد القدوس قادری الحنفی

ناظم المدرسة الجامع العلوم و خطیب و امام مسجد معسکر بنگلور

مہر عالم جلیل جبل پور:

(۱۳)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد السلام حنفی قادری جبل پوری

إن هذا هو الحق المبين مجيب له عند ربي ثواب على أنه قد أتى بالصواب

كتبه: أدون عباد الله ذى الجلال والإكرام الراصد إلى لطفه محمد عبد السلام السنى الحنفى القادرى الجبل فورى عفى عنه

مواہیر علمائے مدراس:

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا محمود بن صبغۃ اللہ

ما أجاب به الفاضل العلامة محمد عمر الدين سلمه رب العلمين هو الحق المبين، جزاه الله أحسن الجزاء

كتبه: محمود بن صبغة الله كان الله لهما

(۱۵)

حضرت علامہ مولانا محمد قدرت حلیم ناصری

الأجوبة المذكورة صحيحة بلا إرتياب

و الله أعلم بالصواب

كتبه: محمد قدرت حليم الناصرى

مہر عالم نبیل احمد آباد:

(١٦)
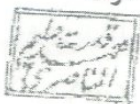
حضرت علامہ مولانا عبد الرحیم احمد آبادی حنفی

الحمد لله وحده و الصلاة و السلام على من لا نبي بعده

امّا بعد:

حضرت مجیب لبیب نے جو تمام اجوبہ کتب حضرات علمائے احناف و مفاتیٔ حرمین شریفین سے لکھے ہیں، وہ تمام حق ہیں، اس کے خلاف جتنی باتیں ہیں، وہ تمام زندقہ و بے دینی و گمراہی ہے۔ اللہ تعالی تمام سنی بھائیوں کو راہِ راست کی ہدایت کرے اور منافقوں کی پیروی سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

حرّره: المفتقر إلى ربه القديم عبد الرحيم الأحمد آبادى السنى الحنفى عفى عنه

حمد و سپاس ربِّ معبود

کہ مسئلہِ مفقود الخبر کی تحقیق انیق، پسندیدۂ اولی الالباب و تنقیح دافع وہم وارتیاب، منوّر بنور دلائل سنّت و کتاب اور ایک فتویٰ قاضی جی کا دندان شکن جواب، محلّی بحلیہ صدق و صواب، لائق مطالعہِ حضراتِ اہلِ سنت وجماعت، قابل معائنہ عُلمائے عالی مرتبت

مسمّٰی باسم محمود

ہدایۃ العنود إلی مسئلۃ المفقود

از تالیف منیف و مسعود

عالمِ اجل فاضل الجبل قامعِ بدعت قاطعِ ضلالت ناصرِ شریعت یاورِ سنت حضرت مولانا و سیّدنا مولوی مفتی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی صین عن شرور الغوی

بفرمائش

حامیٔ سنت ماحی بدعت جناب حافظ عبد الحلیم صاحب کریالوی

امام مسجد مستری محلہ بمبئی زید مجدہم السامی

باہتمام

ضیاء الدین المکنی بابی المساکین پیلی بھیتی تجاوز عنہ المولیٰ الغفار جمیع الخطایا والاوزار

مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ سے شائع ہوا

۷۸۶

حضرات

اس دورِ آخر میں کہ طرح طرح کے شرور وفِتَن کی گرم بازاری ہے اور قسم قسم کی شیطانیوں اور شرارتوں کی تحریراً و تقریراً اشاعت ہورہی ہے، آپ کو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اپنے دین کی حفاظت میں کمال مستعدی سے کام لیجئے اور اس پر جو حملے ہورہے ہیں، ان کو روکنے میں حتی الوسع کوتاہی نہ کیجئے۔ دیکھئے! اس رسالہ ہدایت قبالہ نے کیسا کچھ دینِ حق کا بول بالا اور بدمذہبی کا منہ کالا کیا۔

مسئلہ مفقود الخبر میں کس قدر طبع آزمائیاں کی گئیں، اِس نے اُن سب پر پانی پھیرا اور ساری مخالفین کی کوششوں کو دریابُرد کیا۔ بس اسی طرح کے کاموں کی فی زمانہ حاجت ہے۔ پروردگار اس کے مؤلّف اور اس کی اشاعت میں سعی کرنے والوں کو اجرِ جزیل عطا کرے اور آپ صاحبوں کو اعانتِ ملتِ حقّہ وحمایتِ سنّتِ سنیہ میں سرگرمیٔ تام و مستعدیٔ تمام بخشے اور تاقیامت، متاعِ برکاتِ دینیہ سے مالامال رکھے، آمین۔

عرض گزار

ابوالمساکین ضیاء الدین عفی عنہ

۵ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

سوال:

از: جیت پور
ضلع کاٹھیاواڑ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص پردیس گیا، ایک دو برس وہاں رہا، پھر گم ہو گیا، اُس کی کوئی خبر نہیں دیتا، اُس کو چار پانچ برس ہو گئے ہیں وہ غائب ہو گیا ہے، اُس کا کوئی پتہ بھی نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ ہے اور اُس کی عورت جوان ہے، اپنے نفس پر قابو نہیں اور زنا میں گرفتار ہونے کا بھی خوف ہے اور اُس شخص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ اب اِس کی عورت جوان ہے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور کتنی مدت بیٹھی رہے اور ضرورت کے وقت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

[جواب :]

الجواب ومنه الهداية إلى الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں حضورِ اقدس سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُس مفقود کی عورت کی نسبت یہ ارشاد ہے:

«امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا البيان أو الْخَبَرُ». اخرجه الدّارُ قطني في سُنَنِه عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ. [1]

یعنی، مفقود کی عورت اُسی کی عورت ہے؛ یہاں تک کہ اُس کی خبر آئے۔ [دارَ قطنی نے اپنی "سُنن" میں مُغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اس کو روایت کیا۔]

اور امیر المومنین سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا اُس کی نسبت یہ فرمان ہے:

«امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ هِيَ امْرَأَةٌ ابْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَأْتِيَهَا مَوْتٌ أَوْ طَلَاقٌ». أخرجه عبدُالرزاق في سننه عن الحكم بن عتبه. [2]

یعنی، مفقود کی عورت ایک بلا میں مبتلا ہو گئی ہے اُس کو چاہیے کہ صبر کرے؛ یہاں تک کہ اُس کی موت کی یا اُس کے طلاق کی خبر آئے۔ [عبد الرزاق نے اس کو اپنی "سُنن" میں حکم بن عتبہ سے روایت کی ہے۔]

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بھی اس مسئلے میں امیر المومنین سیّدنا حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے موافق ہیں۔

قَالَ ابنُ جُرَيْجٍ: بَلَغَنِي أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ وَافَقَ عَلِيًّا عَلَى أَنَّهَا تَنْتَظِرُ أَبَدًا. [3]

[یعنی، ابن جریج نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس مسئلہ میں حضرت علی کے قول کی موافقت کی ہے کہ عورت ہمیشہ انتظار کرے گی۔]

---

(1)۔۔۔:سننِ دارقطنی، کتاب النکاح باب المهر، 483/4، رقم 3849

(2)۔۔۔:مصنّف عبدالرزاق: کتاب الطلاق، باب اللّتی لاتعلم....، رقم 12330۔ 90/7

(3)۔۔۔:فتح القدیر: کتاب الطلاق، فصل ویقع الطلاق کل زوج 147/6

اور ایسے ہی تابعین میں سے حضرت ابو قلابہ، جابر بن یزید، شعبی اور نخعی عَلَيهِم الرَّحْمَه بھی اسی طرف گئے ہیں۔

وَأَخرَجَ ابنُ أَبِي شَيبَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَجَابِرِ بْنِ يَزِيدَ وَالشَّعْبِيِّ وَالنَخعِيِّ كُلُّهُمْ قَالُوا: لَيْسَ لَهَا أَنْ تَتزَوَّجَ حَتّى يَسْتَبِينَ مَوْتُهُ. كلّ ذالك ذَكَرَهُ الْإِمَامُ ابنُ الْهُمَّام فى "فتح القدير" ص ۲۷۲.(1)

[یعنی، ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضرت ابو قلابہ، جابر بن یزید، شعبی اور نخعی عَلَيهِم الرَّحْمَه نے فرمایا: عورت کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، یہاں تک کہ شوہر کی موت کا علم ہو جائے۔ امام ابن ہمام نے "فتح القدیر" ص ۲۷۲ میں ان سب کو ذکر کیا ہے۔]

یہاں تک کہ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنه نے اوّل مفقود کی عورت کی نسبت فتویٰ دیا تھا کہ وہ بعد چار برس کے عدّتِ وفات تمام کر کے دوسرے مرد سے نکاح کر لے، مگر آخر میں اس قول سے رجوع کر کے امیر المومنین سیّدنا حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنه اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنه کے قول پر فتویٰ دیتے تھے کہ مفقود کی عورت ایک بلا میں مبتلا ہو گئی ہے اُس کو چاہیے کہ صبر کرے؛ یہاں تک کہ اُس کی موت کی خبر آئے یا اُس کے طلاق کی خبر آئے۔

قَالَ فِی "فتحِ القَدِیر" ص ۲۷۲:

ذَكَرَهُ ابنُ أَبِي لَيلَى، قَالَ: ثَلَاثُ قَضِيَاتٍ رَجَعَ فِيهَا عُمَرُ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ: امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ، وَامْرَأَةُ أَبِي كَنَفٍ، وَالْمَرأَةُ الَّتِي تَزَوَّجَتْ فِي عِدَّتِهَا. وَقَوْلُنَا فِي الثَّلَاثِ قَوْلُ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ -. انتهى(2)

[یعنی، "فتح القدیر" ص ۲۷۲ میں ہے کہ ابن ابی لیلی نے فرمایا: حضرتِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنه نے تین مسائل میں حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجهَهُ الْکَرِیم کے قول کی جانب

(1)۔۔: فتح القدیر: کتاب الطلاق، فصل ویقع الطلاق کل زوج 147/6
(2)۔۔: فتح القدیر: کتاب الطلاق، فصل ویقع الطلاق کل زوج 147/6

رجوع فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ، ابی کنف کی بیوی اور وہ عورت جس نے دورانِ عدت نکاح کر لیا ہو اور ہمارا مذہب ان تینوں میں حضرت علی والا ہے۔]

یہی ہمارا حنفی مذہبِ مہذّب ہے کہ جب تک اُس کی موت یا طلاق کا علم نہ ہو، تب تک اُن دونوں میں تفریق نہ ہوگی۔

"ہدایہ" شریف ص ۳۷۱ میں ہے:

لَا یُفَرَّقُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ امرأتِه. الخ [1]

[یعنی، مفقود اور اُس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔]

اور "مجمع الانہر" ص ۷۲ میں ہے:

(وهو) أي: المفقود (حي في حقّ نفسه) بالاستصحاب حتى (لا تنكح امرأته). الخ [2]

[یعنی، مفقود اپنے حق میں زندہ ہے، یہاں تک کہ اُس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔]

اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" ص ۱۶۴ میں ہے:

(وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا) أَيْ: وَبَيْنَ زَوْجَتِهِ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ «إنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ» وَقَوْلِ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيهَا: هِيَ امْرَأَةٌ أُبْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ مَوْتٌ أَوْ طَلَاقٌ.... وَعُمَرُ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - رَجَعَ إلَى قَوْلِ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -. الخ، مختصراً [3]

[یعنی، مفقود اور اُس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، مفقود کی بیوی کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس فرمان کی وجہ سے "وہ اسی کی بیوی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت کی خبر آجائے" اور حضرتِ علی کے اس فرمان کی وجہ سے کہ "مفقود کی عورت ایک بلا میں مبتلا ہو گئی ہے اُس کو چاہئے کہ صبر کرے،

---

(1)۔۔: الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب المفقود، 424/2

(2)۔۔: مجمع الانهر: كتاب المفقود، 493/4

(3)۔۔: البحر الرائق: كتاب المفقود، 153/14

یہاں تک کہ اُس کی موت کی یا اُس کے طلاق کی خبر آئے" اور حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَحُكْمُهُ: أَنَّهُ حَيٌّ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا تَتَزَوَّجُ امْرَأَتُهُ وَلَا يُقْسَمُ مَالُهُ وَلَا تُفْسَخُ إِجَارَتُهُ. الخ (1)

[یعنی، مفقود شخص اپنے حق میں زندہ ہے، لہٰذا اُس کی بیوی نکاح نہیں کر سکتی اور نہ ہی اُس کے مال کو تقسیم کیا جائے گا، نہ ہی اجارہ کو فسخ کیا جائے گا۔]

اب رہا اس مفقود کی موت کا حکم۔ پس اُس میں روایات ہمارے مذہب میں مختلف ہیں۔ ایک روایت حضرت امام صاحبِ مذہب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه سے ایک سو بیس /۱۲۰ برس کی ہے اور ایک روایت امام ابو یوسف عَلَيْهِ الرَّحْمَه نے اُن سے ایک سو برس کی اختیار کی ہے۔

اور ایک روایت —تفویض إلی رأي الإمام أو القاضی الشرعی— [امام یا قاضی شرع کی رائے کی جانب تفویض] ہے، لیکن ظاہر الروایۃ اور ظاہر مذہبِ امام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه یہ ہے کہ جب اُس کے شہر میں اُس کے ہم عمر آدمی مر جائیں، تب اُس کی موت کا حکم کیا جائے گا اور اُس کی عورت عدّتِ وفات تمام کر کے غیر مرد سے نکاح کرے گی اور اُس کے مال کی تقسیم، اب جو اُس کے وارث موجود ہوں گے اُن میں ہو گی۔ چوں کہ اس ظاہر الروایۃ میں ایک طرح کا ابہام و اجمال ہے عوام کا اس میں حرج تھا، متاخّرین مجتہدین، اہل الترجیح نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق رفقاً للناس اس میں تفصیل اختیار کی ہے۔ کسی نے نوے /۹۰، کسی نے ساٹھ /۶۰ اور امام ابنِ ہمام نے جو اہلِ ترجیح سے بہت بڑے محقّق ہیں، بتائید حدیثِ صحیح ستر /۷۰ برس اختیار کئے ہیں۔

"ہدایہ" شریف میں ہے:

(وإذا تمّ له مائة وعشرون سنةً من يوم ولد حَكَمْنَا بموتِه)، قال رَضِيَ اللّٰهُ

---

(1)۔۔۔فتاوی ہندیۃ: کتاب المفقود 2/299

تَعَالٰی عَنْه، وهذه روايةُ الحسن عن أبي حنيفة، وفي ظاهر المذهب: يقدّر بموت الأقران، وفي المروي عن أبي يوسف: بمائة سنة. وقدّره بعضهم: بتسعين. والأقيس أن لا يقدّر بشيء. والأرفق أن يقدّر بتسعين وإذا حُكِمَ بموته، اعتدت امرأته عدّةَ الوفاة من ذالك الوقتِ. الخ[1]

[یعنی، جب وقتِ پیدائش سے ایک سو بیس سال مکمل ہو جائیں، تو ہم اُس کی موت کا حکم دیں گے۔ امام حسن نے اس کو امام اعظم سے روایت کیا ہے اور ظاہر مذہب میں ہے کہ اُس کے ہم عمر افراد کی موت سے اس کی موت کا اندازہ لگایا جائے گا، امام ابو یوسف سے سو سال کی روایت، جب کہ بعض فقہا نے اس کو ساٹھ سال سے مقرر کیا ہے۔ قیاس کے زیادہ قریب یہ ہے کہ کوئی مدّت مقرر نہ ہو، لوگوں کی آسانی اس میں ہے کہ ستّر سال پر اُس کی موت کا حکم دے دیا جائے اور جب اُس کی موت کا حکم ہو جائے تو اُس کی عورت اب سے عدّت وفات گزارے گی۔]

اور امام ابنِ ہمام عَلَيْهِ الرَّحْمَه "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْمُصَنِّفُ (وَالْأَرْفَقُ) أَيْ: بِالنَّاسِ (أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ) وَأَرْفَقُ مِنْهُ التَّقْدِيرُ بِسِتِّينَ. وَعِنْدِي الْأَحْسَنُ سَبْعُونَ لِقَوْلِهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: «أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى السَّبْعِينَ» فَكَانَتْ الْمُنْتَهَى غَالِبًا. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي.[2]

[یعنی، مصنّف فرماتے ہیں: لوگوں کے لئے زیادہ آسانی نوّے اور اس سے بھی زیادہ آسانی ساٹھ سال میں ہے، جب کہ میرے نزدیک احسن ستّر سال ہے، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ "میری امّت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ سے ستّر کے مابین ہے"، لہٰذا ستّر انتہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قاضی کی رائے کی طرف تفویض کر دی جائے۔]

---

(1)۔۔: الهداية: كتاب اللقطة، 182/2

(2)۔۔: فتح القدير: كتاب الطلاق، فصل ويقع الطلاق كل زوج 147/6

اور ”در مختار “میں ہے:

(وَلَا يَسْتَحِقُّ مَا أَوْصَى لَهُ إذَا مَاتَ الْمُوصِي، بَلْ يُوقَفُ قِسْطُهُ إلَى مَوْتِ أَقْرَانِهِ فِي بَلَدِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ)؛ لِأَنَّهُ الْغَالِبُ، وَاخْتَارَ الزَّيْلَعِيُّ تَفْوِيضَهُ لِلْإِمَامِ.[1]

[یعنی، مفقود کے حق میں جو وصیّت کی گئی ہو، وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ اس کا مستحق نہ ہو گا، بلکہ مذہبِ حنفی کے مطابق اُس کا حصہ اس کے شہر کے ہم عمر افراد کی موت تک موقوف رہے گا، یہ روایت اصلِ مذہب کے مطابق ہے؛ کیوں کہ یہی غالب ہے اور امام زیلعی نے رائے امام کی جانب تفویض والی روایت کو اختیار فرمایا ہے۔]

اور ”ردمختار حاشیہ در مختار “میں ہے:

(قَوْلُهُ: إلَى مَوْتِ أَقْرَانِهِ) هَذَا لَيْسَ خَاصًّا بِالْوَصِيَّةِ بَلْ هُوَ حُكْمُهُ الْعَامُّ فِي جَمِيعِ أَحْكَامِهِ مِنْ قِسْمَةِ مِيرَاثِهِ وَبَيْنُونَةِ زَوْجَتِهِ وَغَيْرِ ذَلِكَ (قَوْلُهُ: فِي بَلَدِهِ) هُوَ الْأَصَحُّ "بَحْرٌ"، (قَوْلُهُ: عَلَى الْمَذْهَبِ) وَقِيلَ: يُقَدَّرُ بِتِسْعِينَ سَنَةً بِتَقْدِيمِ التَّاءِ مِنْ حِينِ وِلَادَتِهِ وَاخْتَارَهُ فِي "الْكَنْزِ"، وَهُوَ الْأَرْفَقُ "هِدَايَةٌ" وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى "ذَخِيرَةٌ"، وَقِيلَ: بِمِائَةٍ، وَقِيلَ: بِمِائَةٍ وَعِشْرِينَ، وَاخْتَارَ الْمُتَأَخِّرُونَ: سِتِّينَ سَنَةً، وَاخْتَارَ ابْنُ الْهُمَامِ: سَبْعِينَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إلَى السَّبْعِينَ» الخ، مختصراً.[2]

[یعنی، (قَوْلُهُ: إلَى مَوْتِ أَقْرَانِهِ) یہ حکم وصیّت ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تقسیمِ وراثت، بیوی کی بینونۃ، جیسے تمام احکامات کو عام ہے اور (قَوْلُهُ: فِي بَلَدِهِ) یہی اصح ہے ”بحر“۔(قَوْلُهُ: عَلَى الْمَذْهَبِ) اور کہا گیا ہے کہ اس کی ولادت کے وقت سے نوّے سال مقرر ہوں گے اور ”کنز “میں اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی رفقاً للناس ہے ”ھدایہ“۔اسی پر فتویٰ ہے ”ذخیرہ“۔ایک قول میں سو سال، ایک قول میں ایک سو

(1)۔۔۔: در مختار: کتاب المفقود 4/296۔297

(2)۔۔۔: ردالمحتار: کتاب المفقود 3/17

بیس سال ہیں۔ متاخّرین فقہا ساٹھ سال، جب کہ امام ابنِ ہمام نے ستّر سال کے قول کو اختیار کیا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ "میری امّت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ سے ستّر کے مابین ہیں۔"]

جب ہمارے ائمۂ مذہب متقدّمین و متاخّرین محقّقین اہلِ ترجیح کے اقوالِ مختارہ مؤیّدہ حدیث وآثار صحابہ کرام وتابعینِ عظام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ معلوم ہو گئے کہ ساٹھ / ۶۰ برس سے کم کا فتویٰ کسی ہمارے امام نے نہیں دیا، تو اب اُس عورت حنفیہ مذکورۂ سوال کو چاہیے کہ صبر کرے، کم سے کم اُس کے خاوند کی ولادت سے ساٹھ / ۶۰ برس تک۔ بعد ازاں عدّت تمام کر کے اگر اُس کو خواہش ہو تو دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے کم ہمارے مذہبِ حنفی میں اُس کو ہر گز اجازت نہیں۔

[امام قہستانی کا فتویٰ بوجوہ قابلِ عمل نہیں:]

اور وہ جو امام قہستانی نے حضرت امام مالک کے قول پر بوقتِ ضرورت فتویٰ دیا ہے۔ چناں چہ "ردمحتار حاشیہ درمختار" میں ہے:

قَالَ الْقُھُسْتَانِيُ: لَوْ أَفْتَی بِهٖ فِي مَوْضِعِ الضَّرُورَةِ، لَا بَأْسَ بِهٖ عَلَی مَا أَظُنُّ. الخ[1]

[یعنی، امام قہستانی نے فرمایا: اگر امام مالک کے قول پر عند الضرورت فتویٰ دیا جائے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں]

کئی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہے۔

اوّلًا:

اس وجہ سے کہ قہستانی مجتہدین کے کسی طبقہ میں نہیں ہیں اور ہم کو اُن کی اتّباع کا حکم ہے جو اہلِ فتویٰ ہیں۔

"درمختار" میں ہے:

وَأَمَّا نَحْنُ فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُ مَا رَجَّحُوهُ وَمَا صَحَّحُوهُ كَمَا لَوْ أَفْتَوْا فِي

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب المفقود مطلب فی الافتاء بمذہب مالک فی زوجۃ 295/4

حَيَاتِهِمْ. الخ[1]

[یعنی، جس قول کو فقہانے راجح و صحیح قرار دیا ہو تو ہم پر ان کے فتویٰ و قول کی اتباع اُسی طرح لازم و ضروری ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے (تو ہوتی)۔]

ثانیاً:

قطع نظر اس سے، قہستانی خود چنداں معتبر شخص نہیں، اپنے زمانے میں کسی محقّق کے پاس تحقیق سے فقہ کو نہیں پڑھا اور نہ تحقیق و تدقیق سے کام لیا اور نہ تنقیحِ مسائل کی طرف توجّہ کو دخل دیا۔ چناں چہ اُس کی کتاب "جامع الرموز" میں رطب و یابس، ضعیف و خلافِ تحقیق ہر طرح کے مسائل بھرے ہیں۔

علامہ علی قاری عَلَیہ الرَّحمَہ "شَمُّ العَوارِضِ في ذمِّ الرَّوَافِضِ" میں فرماتے ہیں:

لقد صدق المولی عصام الدین فی حق القهستانی: أنه لم یمکن من تلامذة شیخ الإسلام الهروی، لا من أعالیهم، ولا من أدانیهم وإنما کان دلال الکتب فی زمانه ولا یعرف بالفقه وغیره بین أقرانه. ویویده أنه یجمع فی شرحه هذا بین الغث والسمین والصحیح والضعیف من غیر تحقیق وتدقیق فهو کحاطب اللیل الجامع بین الرطب والیابس فی اللیل. الخ[2]

[یعنی، مولانا عصام الدین نے قہستانی کے بارے میں ٹھیک ہی کہا ہے کہ یہ شیخ الاسلام ہروی کے اعلیٰ تلامذہ میں سے ہیں نہ ہی ادنیٰ، یہ اپنے زمانے میں صرف کتابوں کی خرید و فروخت کرتے تھے اور اپنے ہم عصر علما کے درمیان نہ ہی بطورِ فقیہ مشہور تھے اور نہ ہی فقہ کے علاوہ کسی اور علم کے ماہر۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی اس شرح میں ہر کچی پکی بات اور صحیح اور ضعیف بات بغیر تصحیح اور تدقیق کے۔

---

(1)۔۔: ردالمحتار: مقدمة مطلب لو ادخل الماء من اعلی الحوض وخرج 193/1

(2)۔۔: شَمُّ العَوارِضِ في ذمِّ الرَّوَافِضِ:

رات میں خشک وتر ہر قسم کی لکڑیاں جمع کرنے والے حاطب اللیل [1] کی طرح۔ جمع کر دی ہے۔]

پس ایسے شخص کا فتویٰ اُس کے گمان سے محقّقینِ مذہب کے مقابل قابلِ عمل نہیں ہے۔

ثالثاً:

یہ کہ ہمارے فقہائے محقّقین حضرت امام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے قولِ محقّق پر فتویٰ دینے کی سخت تاکیدیں کریں، غیر کے قول کے اختیار سے منع فرمائیں۔ مسئلہ مبحوثہ کو دیکھو، باوجود یہ کہ نوّے، ستّر، ساٹھ برس کے اقوال اُسی حضرت امام کے قولِ مجمل کی تفصیل ائمہ اہلِ ترجیح نے کی، یہ کوئی غیر اقوالِ امام نہیں ہیں، لیکن علاّمہ محقّق ابن نجیم مصری عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ان ائمہ پر سخت تعجّب کرتے ہیں کہ انھوں نے کیوں امام کے قول کے خلاف اقوال اختیار کئے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں وہ لکھتے ہیں:

وَالْعَجَبُ مِنَ الْمَشَايِخِ كَيْفَ يَخْتَارُونَ خِلَافَ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ، مَعَ أَنَّهُ وَاجِبُ الِاتِّبَاعِ عَلَى مُقَلِّدِي أَبِي حَنِيفَةَ. الخ [2]

[یعنی، مشائخ کرام پر تعجّب ہے کہ وہ امام اعظم کے مقلّد ہونے کے باوجود ظاہر مذہب کے خلاف کو کیسے اختیار کرتے ہیں۔]

جس کا جواب علامہ شامی کو "منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق" میں مشائخ کی طرف سے یہ دینا پڑا:

قُلْتُ: وَقَدْ يَكُونُ هَذَا التَّقْدِيرُ تَفْسِيرًا لِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِأَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ الْأَقْرَانُ

---

(1)۔۔: "حاطب لیل" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی شخص رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والا ہو، تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس قسم کی لکڑیاں چُن رہا ہے، اسی طرح قہستانی نے بھی اپنی کتاب میں ہر طرح کے مسائل جمع کر دیئے ہیں اور انہیں کوئی خبر نہیں کہ انھوں نے کیسے مسائل جمع کیے ہیں، اس کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ عمدہ ہیں یا غیر عمدہ، محقّق ہیں یا غیر محقّق۔

(2)۔۔:البحر الرائق شرح کنز الدقائق ، کتاب المفقود 178/5

غَالِبًا لٰكِنَّهُمُ اخْتَلَفُوا فِي الْغَالِبِ هَلِ الْمُرَادُ أَطْوَلُ مَا يَعِيشُ إِلَيْهِ الْأَقْرَانُ أَوْ أَغْلَبُ مَا يَعِيشُونَ إِلَيْهِ كَالسِّتِّينَ كَمَا بَيَّنَّاهُ آنِفًا. الخ[1]

[یعنی، کبھی کبھی یہ مقدار ظاہر الروایۃ کی تفسیر ہوتی ہے، اس طرح کہ اکثر اس سے ہم زمانہ افراد مراد ہوتے ہیں، لیکن فقہائے کرام نے اکثر کی تعیین میں اختلاف کیا ہے کہ اکثر سے کیا مراد ہے؟ وہ طویل عرصہ، جس تک ہم زمانہ لوگوں زندہ رہتے ہوں یا اس زمانے کی اکثریت جتنے سال زندہ رہتی ہو، جیسے ساٹھ سال؟ جیسا کہ ہم اس کو ابھی بیان کر چکے ہیں۔]

لیکن قہستانی تو غیر مذہب کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، یہ کیسے اُن فقہا کے نزدیک قابلِ عمل ہو سکتا ہے؟

رابعاً:

یہ کہ ہمارے اس ملک ہندوستان میں بسبب نہ ہونے حکومتِ اسلام کے، بے شمار مذاہبِ باطلہ نکل پڑے ہیں خصوصاً وہابیت غیر مقلدی کی تو کچھ حد ہی نہیں۔ پس ایسے وقت یہاں اس ملک میں اس قسم کی نفسانی خواہشوں کو ضرورتِ شرعیہ بنا کر ترکِ تقلید کا فتویٰ اگر دیا جائے گا تو غیر مقلدی کا دروازہ اچھی طرح سے کھل جائے گا، جس کی بندش کی اشدّ ضرورت ہے، لہٰذا اگر قہستانی کی ضرورت بالفرض مان بھی لی جائے تو اس ملک میں قابلِ عمل نہیں۔

خامساً:

بنظر انہیں وجوہ کے غالباً صاحبِ "تنویر الابصار" عَلَیْهِ الرَّحْمَه نے اپنی کتاب متن "تنویر الابصار" میں ضمناً قہستانی کے قول کے ردّ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ وہ اُس میں لکھتے ہیں:

وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا وَلَوْ بَعْدَ مُضِيِّ أَرْبَعِ سِنِينَ. الخ[2]

---

(1)۔۔:البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بالحاشیۃ: منحۃ الخالق لابن عابدین ، کتاب المفقود تحت قولہ والعجب من المشائخ 5/178۔179

(2)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب المفقود، ص360

[یعنی، مفقود اور اُس کی بیوی کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی، اگرچہ چار سال گزر جانے کے بعد ہو۔]

بالجملہ بوجوہ متعدّدہ وہ قہستانی فتویٰ قابل تعمیل کے نہیں ہے اور وہ جو ایک نام کے (نہ شرعی) قاضی نے ایک مفقود کے بارے میں عجیب و غریب سوال گڑھ کے اُس کا جواب اس بھی عجیب تر دیا ہے؛ چوں کہ یہ جواب بھی مفقود کے متعلّق ہے؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تھوڑی سی حقیقت اُس قاضی جی[1] کے فتوے کی بھی لکھی جائے۔

[خلاصۂ سوال:]

واضح ہو کہ اُس لمبے چوڑے سوال کا خلاصہ[2] یہ ہے کہ ایک شخص مفلس، تنگ دست، غائب ہو کر مفقود الخبر ہو گیا ہے، اُس کی عورت تنگی کی حالت میں شافعی مذہب ہو کر شافعی قاضی سے استدعا کرتی ہے کہ اُس کے شوہر یعنی، زید مفقود الخبر کا عُسر بشہود ثابت کرے، اُس سے تفریق حاصل کرے۔

[قاضی جی کا جواب:]

خلاصہ جواب کا یہ ہے: بعد ثبوت مافی السّوال و تتبّع کتبِ معتمدہ فقہیہ، مذہبِ امام اعظم ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وامام شافعی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ واضح ہوتا ہے کہ فسخ نکاحِ مذکور، در صورتِ اثباتِ عُسر و تنگی شوہر، بتقلید مذہبِ شافعی درست و جائز ہے۔

"ردالمحتار حاشیہ درالمختار" میں ہے:

قَالَ فِي "غُرَرِ الْأَذْكَارِ": ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ مَشَايِخَنَا اسْتَحْسَنُوا أَنْ يَنْصِبَ الْقَاضِي الْحَنَفِيُّ نَائِبًا مِمَّنْ مَذْهَبُهُ التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ حَاضِرًا وَأَبَى عَنِ الطَّلَاقِ؛ لِأَنَّ دَفْعَ الْحَاجَةِ الدَّائِمَةِ لَا يَتَيَسَّرُ بِالِاسْتِدَانَةِ، إِذِ الظَّاهِرُ أَنَّهَا لَا تَجِدُ مَنْ يُقْرِضُهَا

---

(1)۔۔: یہ صاحب ممبئی کے ہیں۔ ۱۲

(2)۔۔: وہ لمبا چوڑا، تفصیلی سوال مع الجواب اس رسالہ کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

وَغِنَى الزَّوْجِ مَآلًا أَمْرٌ مُتَوَهَّمٌ، فَالتَّفْرِيقُ ضَرُورِيٌّ إِذَا طَلَبَتْهُ.[1]

[یعنی، "غرر الاذکار" میں ہے: جان لو! ہمارے مشائخ نے حنفی قاضی کے لئے اُس کو نائب مقرّر کرنا مستحسن قرار دیا، جس کے مذہب میں شوہر اور بیوی کے مابین شوہر کے حاضر ہونے اور طلاق سے انکار کرنے کی صورت میں تفریق کرنا جائز ہو؛ اس لئے کہ قرض لے کر ہمیشہ کی ضروریات کو رفع کر دینا بہت دشوار ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ عورت قرض دینے والے کو نہ پائے گی اور مستقبل میں شوہر کا غنی ہو جانا بھی ضروری نہیں، لہذا عورت کی طرف سے جب تفریق کا مطالبہ ہو تو اُس وقت تفریق کرنا ضروری ہے۔]

اور بعد نقل عباراتِ "فتح المعین" کے لکھتے ہیں: پس صورتِ مذکورہ میں قاضی شافعی، نکاح مذکور السّوال کو فسخ کرے تو نافذ ہو گا، اگر حنفی قاضی ہے تو شافعی نائب کو حکم کرے یا اُس کا نکاح فسخ کرے۔

چناں چہ "ردالمحتار شرح درالمختار" کے اس باب میں مرقوم ہے:

(ولا يفرّق بينهما بعجزه عنها) بأنواعها الثلاثة (ولا بعدم إيفائه) لو غائبا (حقها ولو موسرا) وجوّزه الشافعي بإعسار الزوج وبتضررها بغيبته ولو قضى به حنفي لم ينفذ، نعم! لو أمر شافعيا فقضى به نفذ إذا لم يرتش الآمر والمأمور.[2]

[یعنی، تینوں صورتوں میں نفقہ سے عاجز اور غائب ہو جانے کی صورت میں عورت کا حق پورا نہ کرنے کے سبب اگرچہ شوہر خوش حال ہو، دونوں کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی اور امام شافعی نے شوہر کے تنگ دست اور غائب ہو جانے کی صورت میں تفریق کو جائز کہا ہے، اگر حنفی قاضی نے امام شافعی کے قول پر تفریق کا حکم دیا تو وہ نافذ نہ ہو گا اور اگر وہ شافعی قاضی کو حکم دے اور پھر وہ تفریق کا فیصلہ کرے تو اب یہ نافذ ہو جائے گا، جب کہ اُمر اور مامور کے مابین رشوت کا لین دین نہ ہو۔]

---

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقۃ 13/130

(2)۔۔: ردالمحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقۃ 13/130

اقول :

اوّل تو سوال ہی میں کلام کہ وہ شخص ایسا نہ تھا، جس پر مفلس کا اطلاق ہو سکے ؟ جس طرح اُس کی جماعت کے اورادنیٰ استطاعت والے اپنے بال بچوں کے ساتھ کوٹھریوں میں رہتے ہیں۔ اِسی طرح یہ شخص بھی اپنی بی بی کے ساتھ ویسی ہی کوٹھری میں رہتا تھا اور جو مزدوری اُس کے اور ہم پیشہ لوگ کرتے ہیں، ویسی ہی مزدوری وہ شخص بھی کرتا تھا، دس بارہ آنہ روز کماتا تھا، اُسی میں سے اپنا اور بی بی کا گذر کرتا تھا اور کوٹھری کا کرایہ بھی دیتا تھا، چناں چہ اُس کی جماعت کے بہت لوگ اس پر گواہ ہیں۔ ایسی حالت میں غالباً اُس کو خیال پیدا ہوا کہ ہمارے کام کی اور کسی شہر میں زیادہ قدر ہے، وہاں سے زیادہ روپیہ کما کر لاؤں گا۔ اس خیال سے وہ شخص کسی شہر کو چلا گیا اور پھر وہ مفقود الخبر ہو گیا، اس کے علاوہ اتنا تو خود قاضی جی کے سوال میں بھی موجود ہے کہ

" ایک حجرہ صغیرہ کرایے سے لیا تھا، اس اثنا میں اپنا کُل اثاث البیت، دس بیس روپیہ سے بیچا، الخ۔"

کیا کوئی مفلس مکان کرایہ پر رکھ سکتا ہے ؟ اور اُس کے گھر میں بیس روپیہ کا اسباب ہو، پھر بھی وہ مفلس کہلا سکتا ہے ؟ ہر گز نہیں اور پھر جب وہ شخص مفقود الخبر ہے تو اُس کی عورت اس کا عُسر کس طرح ثابت کر سکتی ہے ؟ کیا وہ شہود صاحبِ کشف ہیں کہ اُن کو کشف سے معلوم ہو گیا کہ وہ بالفعل مفلس اور اپنی عورت کو نفقہ دینے سے عاجز ہے ؟ اور جب اُن کو اُس کا افلاس کشف سے معلوم ہوا، تو پھر وہ مفقود الخبر کس طرح ہوا ؟

اصل بات یہ ہے کہ قاضی جی نے "غائب" کا لفظ اس واسطے لکھا؛ تا کہ "در مختار" کی روایتِ مرجوحہ (جس کو قاضی جی نے "رد المحتار حاشیہ در مختار" کی طرف منسوب کیا ہے) سے اپنا مدعا ثابت کریں اور "مفقود الخبر" اس واسطے لکھا؛ تا کہ "فتح المعین" کی روایتِ مرجوحہ سے اپنا مطلب حاصل کریں، لیکن ایسی چالاکیوں سے کیا ہوتا ہے، مبصّرین جان لیتے ہیں اور نیز اس کی عورت جاہلہ کیا جانے کہ شافعی مذہب میں کیا حکم ہے ؟ یہ ساری پٹی قاضی جی کی پڑھائی ہوئی ہے۔

یہ تو سوال کا حال ہے۔ اب جواب کا حال دیکھو کہ وہ ضعیف اور مرجوح روایتوں اور محرّفہ عبارتوں پر مبنی ہے۔ قاضی جی نے دیکھا کہ یہ شخص تو مفقود ہے، اگر اس کا حکم لکھتا ہوں تو حنفی مذہب کی رُو سے تو بہت زمانہ دراز چاہیئے اور مالکی یا شافعی مذہب کا حکم لکھتا ہوں تو بھی کم سے کم چار سال چاہیں اور یہاں تو ساڑھے تین سال ہوئے ہیں۔ اگر کہتا ہوں کہ چھ ماہ صبر کرو تو شکار ہاتھ سے نکل جاتا ہے، پھر واپس آئے یا نہ آئے، اس لئے اُس کو غائب، مفلس اور مفقود الخبر بنا کر ایسی روایتیں دونوں مذہب سے تحریف کے ساتھ چُن کر بے چارے سائل جاہل کو فتویٰ تصنیف کر کے دے دیا۔ اگر کوئی نادان قاضی جی کے غلط فتویٰ پر عمل کا مرتکب ہوتا اور پھر اُس عورت کا خاوند بھی آجاتا تو پھر اُس عامل اور قاضی جی کو اُس انگریزی عمل داری میں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔

واضح ہو کہ ہمارے مذہبِ حنفی میں عاجز عن النفقہ کا یہ حکم ہے کہ اگر زوج، نفقہ دینے سے عاجز ہو جائے تو عورت مرد میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ ہاں! اگر قاضی شرعی کے پاس عورت فریاد کرے تو قاضی اُس کو حکم کرے کہ وہ قرض لے کر گزارہ کرے۔

"ہدایہ" شریف میں ہے:

ومن أعسر بنفقة امرأته لم يفرّق بينهما ويقال لها: استديني عليه. الخ [1]

[یعنی، جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہو جائے تو دونوں کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی، بلکہ عورت سے کہا جائے گا کہ مرد پر قرض لے کر گزارا کرے۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

وَلَا يُفَرِّقُ بِعَجْزِهِ عَنِ النَّفَقَةِ وَتُؤْمَرُ بِالِاسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ كَذَا فِي "الْكَنْزِ". الخ [2]

[یعنی، شوہر کا نفقہ سے عاجز ہو جانے کی صورت میں دونون کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی، بل کہ عورت کو مرد پر قرض لے کر گزر بسر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اسی

---

(1)۔۔: الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب الطلاق، باب النفقة، 287/2

(2)۔۔: الفتاوى الهندية: كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الأول، 550/1

طرح ”کنز“ میں ہے۔]

اور ”تنویر الابصار“ میں ہے:

وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا بِعَجْزِهِ عَنْهَا وَلَا بِعَدَمِ إِيفَائِهِ حَقَّهَا وَلَوْ مُوسِرًا وَ يَأْمُرُهَا الْقَاضِي بِالِاسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ. الخ (1)

[یعنی، شوہر کا نفقہ سے عاجز اور غائب ہو جانے کی صورت میں اور عورت کا حق پورا نہ کرنے کے سبب اگرچہ شوہر خوش حال ہو، دونوں کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی اور قاضی عورت کو مرد پر قرض لے کر گزر بسر کرنے کا حکم دے گا۔]

یعنی، اگر مرد نفقہ دینے سے عاجز ہے تو تفریق ان دونوں میں نہیں کی جائی گی۔ہاں! قاضی شرعی عورت کو حکم کرے کہ وہ مرد پر قرض لے کر اپنا گزارہ کرے اور اگر اُس کے مرد پر اِس کو کوئی قرض نہیں دیتا تو عورت کو چاہئے کہ کسب اور مزدوری کر کے اپنا گزارہ کرے اور یہ مرد پر قرض رکھے، اگر اُس سے کسب اور مزدوری بھی نہیں ہو سکتی تو اپنے گزارے کے قدر روز لوگوں سے سوال کر لیا کرے اور قاضی کے حکم سے اُس کو مرد پر قرض رکھے۔

”ردالمحتار حاشیہ در مختار“ میں ہے:

فِي قَضَاءِ "الْحَاوِي الزَّاهِدِيِّ": فَإِنْ لَمْ تَجِدْ مَنْ تَسْتَدِينُ مِنْهُ عَلَيْهِ اكْتَسَبَتْ وَأَنْفَقَتْ وَجَعَلَتْهُ دَيْنًا عَلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي، وَإِنْ لَمْ تَقْدِرْ عَلَى الِاكْتِسَابِ لَهَا السُّؤَالُ لِيَوْمِهَا وَتَجْعَلُ مَسْئُولَهَا دَيْنًا عَلَيْهِ أَيْضًا بِأَمْرِهِ بِهِ. الخ (2)

[یعنی، ”حاوی زاہدی“ کے کتاب القضاء میں ہے کہ اگر عورت کسی ایسے شخص کو نہیں پاتی جو اس کے شوہر پر قرض رکھ کر اسے قرض دے تو عورت کو چاہئے کہ کسب کر کے گزارا کرے اور قاضی کی اجازت سے اس کو شوہر پر قرض رکھے اور اگر عورت کو کسب پر قدرت نہ ہو تو اپنے گزر بسر کے لئے سوال کرے اور اس کو بھی قاضی کی

---

(1)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب الطلاق، باب النفقہ،ص 260

(2)۔۔:ردالمحتار: کتاب الطلاق، باب النفقۃ، مطلب فی الامر بالاستدانۃ علی الزوج 3/591

اجازت سے شوہر پر قرض رکھ دے۔]

یہ عام حکم ہے مرد حاضر ہو یا غائب کسی طرح ان دونوں میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ یہ مذہب ہمارے ائمہ متقدّمین کا ہے، اسی کو متون معتبرہ میں اختیار کیا ہے، لیکن بعض متاخّرین علما فرماتے ہیں کہ اگر حنفی قاضی اپنا نائب کرے، اُس قاضی کو کہ جس کے مذہب میں تفریق جائز ہے، عجز کی حالت میں اور وہ اپنے مذہب کے مطابق اُن کی تفریق کرے تو تفریق ہو سکتی ہے، جب کہ زوج حاضر ہو۔ اگر زوج غائب ہوا تین دن کی مسافت پر اور گواہوں نے اس کے عجز پر گواہی بھی دی اور اُن پر اُس قاضی نے تفریق کا حکم کیا تو یہ تفریق صحیح نہ ہو گی اور یہ حکم اس کا غائب پر صحیح ونافذ نہ ہو گا۔ یہی قول صحیح ہے ،اسی پر فتویٰ ہے؛ اس وجہ سے کہ وہ تین روز کے فاصلے پر دارالقضاء سے ہے، گواہوں کو آج کیسے معلوم ہوا کہ اُس کے پاس مال نہیں ہے، لہذا یہ گواہی ٹھیک نہیں۔

"فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

ظُهُورُ الْعَجزِ عن النَفَقَةِ إنَّمَا يَكُونُ إذَا كان الزَّوْجُ حَاضِرًا وَأَمَّا إذَا غَابَ الرَّجُلُ عن امْرَأَتِهِ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً ولم يَخْلُفْ نَفَقَةً لِهَذِهِ الْمَرْأَةِ فَرَفَعَتْ الْمَرْأَةُ إلَى الْقَاضِي فَكَتَبَ إلَى عَالِمٍ يَرَى في التَفْرِيقِ بِالْعَجزِ عن النَفَقَةِ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَهَلْ تَقَعُ الْفُرْقَةُ قال شَيْخُ الْإِسْلَامِ نعم إذَا تَحَقَّقَ الْعَجزُ عن النَفَقَةِ قال صَاحِبُ الذَّخِيرَةِ الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ فَإِنْ رُفِعَ هذا الْقَضَاءُ إلَى قَاضٍ آخَرَ فَأَجَازَ قَضَاءَهُ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَنْفُذُ لِأَنَّ هذا الْقَضَاءَ ليس في مُجْتَهَدٍ فيه لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْعَجزَ لم يَثْبُتْ كَذَا في "النِهَايَة". الخ[1]

[یعنی، نفقہ سے عاجز ہونا اسی وقت ثابت ہو گا جب کہ شوہر حاضر ہو۔ بہر حال جب شوہر غائب ہو اور اس عورت کو نفقہ دینے والا کوئی نہ ہو، پھر عورت اس مسئلہ کو قاضی کے پاس لے جائے اور قاضی اس عالم (دوسرے قاضی) کی طرف تحریر لکھے

---

(1)۔۔:فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، باب النفقہ، الفصل الاول فی النفقۃ الزوج، 550/1

گا، جو عجز عن النفقہ کی صورت میں تفریق کو جائز کہتے ہیں اور دوسرا قاضی تفریق بھی کردے تو کیا اس طرح ان دونوں کے مابین تفریق ہو جائے گی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ہاں! عجز عن النفقہ کے ثابت ہو جانے کی صورت میں تفریق ہو جائے گی۔ صاحبِ ذخیرہ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ اس کی قضا نافذ نہیں ہو گی، یہاں تک کہ اگر اس قاضی کے فیصلے کو کسی دوسرے قاضی کے پاس لے جایا گیا اور اس نے اِس قضا کو باقی رکھا تو صحیح قول کے مطابق یہ قضا بھی نافذ نہ ہو گی؛ کیوں کہ یہ قضا مجتہد فیہ مسائل میں سے نہیں ہے، اسی بنا پر جس کو ہم ذکر کر چکے کہ عجز ثابت ہی نہ ہوا۔ "نہایۃ" میں اسی طرح ہے۔]

اور "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَفِي "غَايَةِ الْبَيَانِ" مَعْزِيًّا إِلَى الْفُصُولِ: إِذَا ثَبَتَ الْعَجْزُ بِشَهَادَةِ الشُّهُودِ، فَإِنْ كَانَ الْقَاضِي شَافِعِيَّ الْمَذْهَبِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا نَفَذَ قَضَاؤُهُ بِالتَّفْرِيقِ، وَإِنْ كَانَ حَنَفِيًّا لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقْضِيَ بِالتَّفْرِيقِ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ مُجْتَهِدًا وَوَقَعَ اجْتِهَادُهُ عَلَى ذٰلِكَ، فَإِنْ قَضَى مُخَالِفًا لِرَأْيِهِ مِنْ غَيْرِ اجْتِهَادٍ، فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رِوَايَتَانِ، وَلَوْ لَمْ يَقْضِ وَلٰكِنْ أَمَرَ شَافِعِيَّ الْمَذْهَبِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمَا فِي هٰذِهِ الْحَادِثَةِ فَقَضَى بِالتَّفْرِيقِ نَفَذَ إِذَا لَمْ يَرْتَشِ الْآمِرُ وَالْمَأْمُورُ. فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ غَائِبًا فَرَفَعَتْ الْمَرْأَةُ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي وَأَقَامَتْ الْمَرْأَةُ الْبَيِّنَةَ أَنَّ زَوْجَهَا الْغَائِبَ عَاجِزٌ عَنِ النَّفَقَةِ وَطَلَبَتْ مِنَ الْقَاضِي أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ كَانَ الْقَاضِي حَنَفِيًّا فَقَدْ ذَكَرْنَا، وَإِنْ كَانَ شَافِعِيًّا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، قَالَ مَشَايِخُ سَمَرْقَنْدَ: جَازَ تَفْرِيقُهُ، لِأَنَّهُ قَضَى فِي فَصْلَيْنِ مُخْتَلَفٍ فِيهِمَا التَّفْرِيقُ بِسَبَبِ الْعَجْزِ عَنِ النَّفَقَةِ وَالْقَضَاءِ عَلَى الْغَائِبِ وَكُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُجْتَهَدٌ فِيهِ، وَقَالَ ظَهِيرُ الدِّينِ الْمَرْغِينَانِيُّ: لَا يَصِحُّ التَّفْرِيقُ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ عَلَى الْغَائِبِ إِنَّمَا يَصِحُّ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَيَنْفُذُ فِي إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا ثَبَتَ الْمَشْهُودُ بِهِ وَهُنَا لَمْ يَثْبُتْ الْمَشْهُودُ بِهِ عِنْدَ الْقَاضِي وَهُوَ الْعَجْزُ، لِأَنَّ الْمَالَ غَادٍ وَرَائِحٌ وَمِنَ الْجَائِزِ أَنَّ الْغَائِبَ صَارَ غَنِيًّا وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ الشَّاهِدُ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمَسَافَةِ فَكَانَ الشَّاهِدُ مُجَازِفًا فِي هٰذِهِ الشَّهَادَةِ، وَقَالَ صَاحِبُ الذَّخِيرَةِ: الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ، لِأَنَّ الْعَجْزَ

لَا یُعْرَفُ حَالَةَ الْغَیْبَةِ لِجَوَازِ أَنْ یَکُونَ قَادِرًا فَیَکُونَ هَذَا تَرْکَ الْإِنْفَاقِ لَا لِلْعَجْزِ عَنْ الْإِنْفَاقِ. فَإِنْ رُفِعَ هَذَا الْقَضَاءُ إِلَی قَاضٍ آخَرَ وَأَجَازَ قَضَاءَهُ فَالصَّحِیحُ أَنَّهُ لَا یَنْفُذُ؛ لِأَنَّ هَذَا الْقَضَاءَ لَیْسَ بِمُجْتَهَدٍ فِیهِ لِمَا ذَکَرْنَا أَنَّ الْعَجْزَ لَمْ یَثْبُتْ اهـ.(1)

[یعنی، "غایۃ البیان" میں "فصول" کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب گواہوں کی گواہی سے شوہر کا نفقہ سے عاجز ہونا ثابت ہو جائے اور شافعی المذہب قاضی اگر ان کے مابین تفریق کر دے تو اس تفریق کے سبب اس قاضی کی قضا نافذ ہو جائے گی اور حنفی قاضی کے لئے اپنے مذہب کے خلاف تفریق کا فیصلہ کر دینا جائز نہیں اِلّا یہ کہ وہ مجتہد ہو اور اس کا اجتہاد اس مسئلہ پر ہو چکا ہو، پھر اگر حنفی قاضی اپنے اجتہاد سے امام کی رائے کے خلاف فیصلہ کر دے تو امام اعظم سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں اور اگر خود فیصلہ نہ کرے، بلکہ شافعی قاضی کو ان کے مابین فیصلہ کرنے کا حکم دے تو اس قضا سے تفریق نافذ ہو جائے گی، جب کہ اُمر اور مامور کے درمیان رشوت کا لین دین نہ ہو، پھر اگر شوہر غائب ہو اور عورت اس مسئلہ کو قاضی کی عدالت میں لے جا کر شوہر کے غائب ہونے اور نفقہ سے عاجز ہو جانے پر گواہ قائم کرنے کے بعد تفریق کا مطالبہ کرے تو اگر قاضی حنفی ہو تو وہی صورت ہو گی جو ذکر کی جا چکی ہے اور اگر قاضی شافعی المذہب ہو تو وہ ان کے مابین تفریق کر دے گا۔ مشائخ سمرقند فرماتے ہیں: تفریق جائز ہے؛ اس لئے کہ اس نے اُن دو صورتوں کے بارے میں فیصلہ دیا، جن میں عجز عن النفقہ کے سبب تفریق کرنے میں اختلاف ہے اور قضا بھی غائب پر ہے جب کہ ان میں سے ہر ایک مجتہد بھی ہے۔ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں: تفریق درست نہیں؛ اس لئے کہ یہ قضا علی الغائب ہے، جو صرف امام شافعی کے نزدیک درست ہے اور امام اعظم سے ایک روایت میں ہے کہ مشہود بہ کے ثابت ہو جانے کی صورت میں قضا نافذ ہو جائے گی جب کہ یہاں قاضی کے پاس مشہود بہ یعنی، نفقہ سے عاجز ہونا ثابت ہی نہیں؛ کیوں کہ مال ہاتھوں کا میل ہے آج ہے کل نہیں، ممکن ہے غائب شخص غنی ہو جائے اور ایک

---

(1)۔۔: بحر الرائق کتاب النکاح فصل فی الزوجیۃ 268/11

دوسرے سے دوری کے سبب گواہ کو اس کے غنی ہونے کا علم ہی نہ ہوا ہو تو پھر گواہ اندازے سے گواہی دینے والا ہو جائے گا۔ صاحبِ ذخیرہ فرماتے ہیں: صحیح یہی ہے کہ اس کی قضا درست نہیں؛ کیوں کہ شوہر کے غائب ہونے سے اس کا نفقہ سے عاجز ہونا نہیں جانا جاسکتا؛ اس لئے کہ اس کا کسب پر قادر ہونا ممکن ہے تو اب یہ ترکِ انفاق ہو گا، نہ کہ عجز عن الانفاق، پھر اگر یہ قضا کسی دوسرے قاضی کی عدالت میں لے جائے اور وہ اس قضا کو جائز کردے تو بھی صحیح قول کے مطابق قضا نافذ نہ ہو گی؛ کیوں کہ یہ وہ قضا نہیں، جس میں اجتہاد کیا جائے؛ اس لئے کہ عجز کا ثبوت نہیں ہے۔]

یہاں سے معلوم ہوا کہ قاضی جی کی روایتِ منقولہ "در مختار" مرجوحہ ہے، چناں چہ اس کی تصریح خود "رد محتار حاشیہ در مختار" میں بھی پوری تفصیل سے موجود ہے اور شروع فتویٰ میں جو قاضی جی نے اَدھوری عبارت "رد محتار" کی نقل کی ہے، اُس کے بعد بلا فصل "در مختار" کا رد موجود تھا، مگر قاضی جی نے فرطِ دیانت سے اُس کی طرف رُخ نہ کیا۔ اب میں پوری عبارت "رد محتار" کی نقل کئے دیتا ہوں، تاکہ ناظرین قاضی جی کی دیانت اور تحریف اچھی طرح جان لیں۔

"رد محتار" میں ہے:

قَالَ فِي "غُرَرِ الْأَذْكَارِ": ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ مَشَايِخَنَا اسْتَحْسَنُوا أَنْ يَنْصِبَ الْقَاضِي الْحَنَفِيُّ نَائِبًا مِمَّنْ مَذْهَبُهُ التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ حَاضِرًا وَأَبَى عَنِ الطَّلَاقِ؛ لِأَنَّ دَفْعَ الْحَاجَةِ الدَّائِمَةِ لَا يَتَيَسَّرُ بِالِاسْتِدَانَةِ، إِذِ الظَّاهِرُ أَنَّهَا لَا تَجِدُ مَنْ يُقْرِضُهَا وَغِنَى الزَّوْجِ مَآلًا أَمْرٌ مُتَوَهَّمٌ، فَالتَّفْرِيقُ ضَرُورِيٌّ إِذَا طَلَبَتْهُ، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا لَا يُفَرَّقُ؛ لِأَنَّ عَجْزَهُ غَيْرُ مَعْلُومٍ حَالَ غَيْبَتِهِ، وَإِنْ قُضِيَ بِالتَّفْرِيقِ لَا يَنْفُذُ قَضَاؤُهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ، لِأَنَّ الْعَجْزَ لَمْ يَثْبُتْ. اهـ.

وَنَقَلَ فِي "الْبَحْرِ" اخْتِلَافَ الْمَشَايِخِ وَأَنَّ الصَّحِيحَ كَمَا فِي "الذَّخِيرَةِ: عَدَمُ النَّفَاذِ لِظُهُورِ مُجَازَفَةِ الشُّهُودِ كَمَا فِي "الْعِمَادِيَّةِ" وَ"الْفَتْحِ".

وَذَكَرَ فِي قَضَاءِ "الْأَشْبَاهِ" فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي لَا يَنْفُذُ فِيهَا قَضَاءُ الْقَاضِي أَنَّ مِنْهَا التَّفْرِيقَ لِلْعَجْزِ عَنِ الْإِنْفَاقِ غَائِبًا عَلَى الصَّحِيحِ لَا حَاضِرًا. اهـ.

وَالْحَاصِلُ: أَنَّ التَّفْرِيقَ بِالْعَجْزِ عَنِ النَّفَقَةِ جَائِزٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ حَالَ حَضْرَةِ الزَّوْجِ وَكَذَا حَالَ غَيْبَتِهِ مُطْلَقًا أَوْ مَا لَمْ تَشْهَدْ بَيِّنَةٌ بِإِعْسَارِهِ الْآنَ كَمَا عَلِمْتَ مِمَّا نَقَلْنَاهُ عَنِ "التُّحْفَةِ"، وَالْحَالَةُ الْأُولَى جَعَلَهَا مَشَايِخُنَا حُكْمًا مُجْتَهَدًا فِيهِ فَيَنْفُذُ فِيهِ الْقَضَاءُ دُونَ الثَّانِيَةِ، وَبِهِ تَعْلَمُ مَا فِي كَلَامِ الشَّارِحِ حَيْثُ جَزَمَ بِالنَّفَاذِ فِيهِمَا فَإِنَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى خِلَافِ الصَّحِيحِ الْمَارِّ عَنِ "الذَّخِيرَةِ". الخ [1]

[یعنی، "غرر الاذکار" میں ہے: جان لو! ہمارے مشائخ نے حنفی قاضی کے لئے اُس کو نائب مقرر کرنا مستحسن قرار دیا، جس کے مذہب میں شوہر اور بیوی کے مابین شوہر کے حاضر ہونے اور طلاق سے انکار کرنے کی صورت میں تفریق کرنا جائز ہو؛ اس لئے کہ قرض لے کر ہمیشہ کی ضروریات کو رفع کر دینا بہت دشوار ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ عورت قرض دینے والے کو نہ پائے گی اور مستقبل میں شوہر کا غنی ہو جانا بھی ضروری نہیں، لہذا عورت کی طرف سے جب تفریق کا مطالبہ ہو تو اُس وقت تفریق کرنا ضروری ہے۔ "بحر" میں اسی مسئلے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف منقول ہے اور صحیح یہ ہے کہ گواہی کے اندازے سے ظاہر ہونے کی وجہ سے قضا نافذ نہیں ہو گی، جیسا کہ "ذخیرہ"، "عمادیہ" اور "فتح" میں ہے۔

"اشباہ" "کتاب القضا میں ہے: وہ مسائل جن میں قاضی کی قضا نافذ نہیں ہوتی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح قول کے مطابق شوہر کے غائب، نہ کہ حاضر ہونے کی حالت میں نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے ان کے مابین تفریق کر دی جائے۔

حاصل یہ کہ امام شافعی کے نزدیک شوہر کا نفقہ دینے سے عاجز ہو جانے کے سبب تفریق کر دینا جائز ہے، چاہے وہ حاضر ہو یا غائب یا جب تک اس کے تنگ دست ہونے پر گواہ قائم نہ ہوں، جیسا کہ آپ نے جانا، جس کو ہم "تحفہ" سے نقل کر چکے ہیں اور ہمارے مشائخ کرام نے پہلی حالت کو مجتہد فیہ حکم کر دیا، لہذا اس صورت میں قضا نافذ ہو جائے گی، نہ کہ دوسری حالت میں۔ اسی سے آپ کو وہ معلوم ہو گیا، جو کلامِ شارح میں

---

(1)۔۔: ردالمحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقۃ 130/13

ہے، جہاں اُنہوں نے دونوں کے مابین نفاذِ قضا پر جزم کیا؛ کیوں کہ اس کی بنا اُس اختلاف پر ہے جس میں "ذخیرہ" کے حوالہ سے صحیح قول گزر چکا ہے۔]

اور جب وہ روایتِ "در مختار" مرجوح ہوئی تو اس پر فتویٰ دینا ہر گز جائز نہیں ہے۔ خود "در مختار" میں ہی موجود ہے:

أَنَّ الْحُكْمَ وَ الْفُتْيَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوحِ جَهْلٌ وَ خَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ. الخ[1]

[یعنی، قولِ مرجوح پر فتویٰ دینا یا قضا کرنا جہالت اور خَرقِ اجماع ہے۔]

اور میں حیران ہوں کہ قاضی جی نے اَدھوری عبارت "ردالمحتار" کی خلاف اپنے مطلب کے کیوں نقل کی! شاید قاضی جی کے اجتہاد میں حاضر و غائب کے ایک معنی ہوں گے۔ بہر حال قاضی جی کا فتویٰ حنفی مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ اب رہا شافعی مذہب! اُس کا حال یہ کہ گو ایک روایتِ مرجوحہ شافعی مذہب میں ویسے ہی ہے جیسی قاضی جی نے "فتح المعین" سے نقل کی ہے، لیکن معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ منقطع الخبر کی عورت کے نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے اور اسی طرح جس غائب کا حال یسر و عسر معلوم نہیں ہے، اُس کے نکاح کا فسخ بھی جائز نہیں، بلکہ اگر گواہ گواہی دیں کہ وہ مفلس ہو کر غائب ہوا ہے، جب بھی فسخ جائز نہیں۔ ہاں! جب گواہ گواہی دیں کہ وہ بالفعل محتاج ہے نفقہ دینے سے عاجز ہے، تو اُس کا فسخ ہو سکے گا، ورنہ نہیں اور صورتِ مسؤلہ قاضی جی میں تو کوئی بات نہیں ہے، نہ اُس کے افلاسِ شرعی کے گواہ ہیں، نہ اُس وقت گواہوں نے گواہی دی ہے کہ وہ بالفعل نفقہ دینے سے عاجز ہے، یہاں تو خود اُس کی خبر نہیں کہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مردہ کچھ خبر نہیں تو پھر اُس کے نکاح کا فسخ کسی طرح بقولِ صحیح و معتمد مذہبِ شافعی کے جائز نہیں ہے۔ قاضی جی کی سندِ معتمد اُسی "ردمحتار حاشیہ در مختار" میں ہے:

وَالْحَاصِلُ: أَنَّ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ إِذَا أَعْسَرَ الزَّوْجُ بِالنَّفَقَةِ فَلَهَا الْفَسْخُ، وَ كَذَا إِذَا غَابَ وَتَعَذَّرَ تَحْصِيلُهَا مِنْهُ عَلَى مَا اخْتَارَهُ كَثِيرُونَ مِنْهُمْ، لٰكِنَّ الْأَصَحَّ الْمُعْتَمَدَ

---

(1)۔۔: ردالمحتار، مطلب الدخول فی النکاح الاول 526/3

عِنْدَهُمْ أَنْ لَا فَسْخَ مَا دَامَ مُوسِرًا وَإِنِ انْقَطَعَ خَبَرُهُ وَتَعَذَّرَ اسْتِيفَاءُ النَّفَقَةِ مِنْ مَالِهِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي "الْأُمِّ".

قَالَ فِي "التُّحْفَةِ" بَعْدَ نَقْلِهِ ذَلِكَ: فَجَزَمَ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ مَنْهَجِهِ بِالْفَسْخِ فِي مُنْقَطِعِ خَبَرٍ لَا مَالَ لَهُ حَاضِرٌ مُخَالِفٌ لِلْمَنْقُولِ كَمَا عَلِمْتَ. وَلَا فَسْخَ بِغَيْبَةِ مَنْ جُهِلَ حَالُهُ يَسَارًا وَإِعْسَارًا، بَلْ لَوْ شَهِدَتْ بَيِّنَةٌ أَنَّهُ غَابَ مُعْسِرًا فَلَا فَسْخَ مَا لَمْ تَشْهَدْ بِإِعْسَارِهِ الْآنَ. الخ [1]

[یعنی، حاصل یہ کہ امام شافعی کے نزدیک جب شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کے لئے فسخِ نکاح جائز ہے۔یوں ہی شوہر کے غائب اور عورت کا اس کی طرف سے کسب کے متعذر ہونے کی صورت میں فسخ نکاح جائز ہے، یہی کثیر فقہاشافعیہ کا مختار ہے، لیکن صحیح ترین اور معتمد قول ان کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک شوہر خوش حال ہے، اگر چہ اس کی خبر منقطع ہو جائے اور اس کے مال سے نفقہ پورا کرنا متعذر ہو، فسخ نکاح نہیں ہو سکتا، جیسا کہ انہوں نے "کتاب الام" میں اس کی صراحت کی ہے، اس کو نقل کرنے کے بعد "تحفہ" میں کہا: "شرح منہج" کے فسخ نکاح کے قول کا رد کرتے ہوئے ہمارے مشائخ نے اس کے خلافِ منقول ہونے پر جزم کیا ہے، جیسا کہ آپ جان چکے ہیں اور اس کی حالت خوش حال اور تنگ دست سے جہالت کی صورت میں غائب ہونے کے سبب فسخ نہیں ہو گا ،بلکہ اگر گواہ اس کی تنگ دستی کی گواہی بھی دے دیں، اس طرح کہ وہ تنگ دست ہونے کی حالت میں غائب ہوا، تب بھی فسخ نکاح نہیں ہو سکتا، جب تک گواہ اس کے اس دن، تنگ دست ہونے کی گواہی نہ دے دیں۔]

اور بھی اُسی کے دوسرے صفحے میں ہے:

وَذَكَرَ فِي "الْفَتْحِ": أَنَّهُ يُمْكِنُ الْفَسْخُ بِغَيْرِ طَرِيقِ إِثْبَاتِ عَجْزِهِ بَلْ بِمَعْنَى فَقْدِهِ، وَهُوَ أَنْ تَتَعَذَّرَ النَّفَقَةُ عَلَيْهَا. وَرَدَّهُ فِي "الْبَحْرِ" بِأَنَّهُ لَيْسَ مَذْهَبَ الشَّافِعِيِّ.

قُلْتُ: وَيُؤَيِّدُهُ مَا قَدَّمْنَاهُ عَنِ "التُّحْفَةِ" حَيْثُ رَدَّ عَلَى "شَرْحِ الْمَنْهَجِ" بِأَنَّهُ

---

(1)۔۔: ردالمحتار: كتاب النكاح مطلب فى فسخ النكاح بالعجز عن النفقة 130/13

خِلَافُ الْمَنْقُولِ، فَعَلَى هَذَا مَا يَقَعُ فِي زَمَانِنَا مِنْ فَسْخِ الْقَاضِي الشَّافِعِيِّ بِالْغَيْبَةِ لَا يَصِحُّ، وَلَيْسَ لِلْحَنَفِيِّ تَنْفِيذُهُ سَوَاءٌ بَنَى عَلَى إِثْبَاتِ الْفَقْرِ أَوْ عَلَى عَجْزِ الْمَرْأَةِ عَنْ تَحْصِيلِ النَّفَقَةِ مِنْهُ بِسَبَبِ غَيْبَتِهِ، فَلْيُتَنَبَّهْ لِذَلِكَ. الخ (1)

[یعنی، "فتح القدیر" میں ہے کہ شوہر کے عجز کو ثابت کئے بغیر فسخ نکاح ممکن ہے، بلکہ اس کے مفقود ہونے کے معنی میں ہے۔ یعنی، شوہر کا عورت کو نفقہ دینا متعذر ہو اور "بحر" میں اس کا ردیوں کیا کہ یہ امام شافعی کا مذہب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید "تحفہ" کی عبارت سے ہو چکی، جہاں انہوں نے "شرح منہج" کی عبارت کا ردّ خلافِ منقول کہہ کر کیا؛ لہذا ہمارے زمانے میں شوہر کے غائب ہو جانے پر شافعی قاضی کا نکاح فسخ کرنا اور حنفی قاضی کا اس کو نافذ کرنا جائز نہیں ہے، چاہے یہ فقر کے ثابت ہونے پر مبنی ہو یا عورت کا تحصیل نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے ہو، اس سے آگاہ ہو جا!]

الغرض: قاضی جی کا فتویٰ باقوالِ صحیحہ و معتمدہ، نہ حنفی مذہب کے مطابق ہے اور نہ ہی شافعی مذہب کے، بناءً علیہ اُس پر عمل کرنا شرعاً جائز نہیں، اُس کی رو سے اُن دونوں میں تفریق ہرگز نہیں ہو سکتی، اُن کے نکاح کا فسخ شرعاً صحیح نہیں ہے اور اُس انگریزی عمل داری اور حکومت میں جہاں قاضی شرع نہیں ہے، اگر کوئی اُس نکاح کو فسخ کرے گا، وہ فسخ نافذ نہ ہو گا۔

هذا ما عندی والعلم الأتمّ عند ربّی وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه وأولیاء أمته أجمعین وبارک وسلم.

حرَّرَه: العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی عفا اللہ تعالی عنه.

(1)۔۔۔: ردالمحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقة 13/130

تفصیلی سوال مع الجواب :

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

سوال :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین زادھم اللہ شرفاً وتعظیماً اس صورت میں کہ ہندہ عاقلہ بالغہ حنفیہ منکوحۂ زید ہے اور زید کے ساتھ اُس کا نکاح منعقد ہوا اور بعدِ انعقادِ نکاح ہندہ زید کے ساتھ کہ ایک حجرۂ صغیرہ کرایہ سے لیا تھا، اُس میں ایک مدّت تک رہی اور عسر و تنگی کی حالت میں زید کا گزارہ تھا، پس بوجہ عُسر وافلاس کے اس اثنا میں اپنا کل اثاث البیت دس بیس روپے سے بیچ کے کوٹھری کو خالی کر کے ہندہ کو اُس کی ماں کے گھر پہنچا کے خود افلاس کی حالت میں غائب ہوا اور آج تین سال چھ مہینے ہوئے کہ غائب ومفقود الخبر ہے اور ہندہ اُس کی عورت بوجہ تنگی وناداری کے شکستہ حال ومصیبت زدہ وپریشان خاطر وحیران ہے، اس لئے وہ مقلد بمذہبِ امام شافعی رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیہ ہو کے خاص اس کام میں مذہبِ شافعی قبول کر کے بہ تقلید مذہبِ امام شافعی چاہتی ہے کہ اس کا نکاح فسخ کیا جائے اور قاضی شافعی المذہب سے استدعا کرتی ہے کہ اس کے شوہر یعنی، زید مفقود الخبر عسر بشہود ثابت کرے اور اس سے تفریق حاصل کرے، تاکہ بعد اتمام عدّت دوسرے سے اپنا نکاح منعقد کرے۔ پس شرعاً صورتِ مذکورہ میں نکاح اس کا بہ تقلیدِ مذہبِ شافعی فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں اور مابین ان دونوں کے تفریق ازروئے حکم شریعتِ علیّہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب :

ھو اللہ الملھم بالحق والصواب:

بعد ثبوت مافی السوال وتتبع کتبِ معتمدہ فقہیہ مذہبِ امام اعظم ابی حنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہ وامام شافعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہ واضح ہوتا ہے کہ فسخِ نکاحِ مذکور در صورتِ اثباتِ عسر و تنگیٔ شوہر بتقلیدِ مذہبِ شافعی درست وجائز ہے۔ "ردالمحتار حاشیہ درالمختار" میں مرقوم ہے:

قال في "غرر الأذكار": ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائبا ممن مذهبه التفريق بينهما إذا كان الزوج حاضرا وأبى عن الطلاق؛ لأن دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة، إذ الظاهر أنها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مآلا أمر متوهم، فالتفريق ضروري إذا طلبته.(1)

[یعنی، "غرر الاذکار" میں ہے: جان لو! ہمارے مشائخ نے حنفی قاضی کے لئے اُس کو نائب مقرر کرنا مستحسن قرار دیا، جس کے مذہب میں شوہر اور بیوی کے مابین شوہر کے حاضر ہونے اور طلاق سے انکار کرنے کی صورت میں تفریق کرنا جائز ہو، اس لئے کہ قرض لے کر ہمیشہ کی ضروریات کو رفع کر دینا بہت دشوار ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ عورت قرض دینے والے کو نہ پائے گی اور مستقبل میں شوہر کا غنی ہو جانا بھی ضروری نہیں، لہذا عورت کی طرف سے جب تفریق کا مطالبہ ہو تو اُس وقت تفریق کرنا ضروری ہے۔]

اور "فتح العین شرح قرۃ العین" میں مرقوم ہے:

فرع فی فسخ النكاح وشرع دفعاً لضرر المراة، يجوز لزوجة مكلفة أي: بالغة عاقلة لا لولی غير المكلفة فسخ نكاح من أیٔ زوج أعسر مالاً و كسباً لائقا به حلالاً بأقل نفقة تجب وهو مد أو أقل كسوة تجب كقميص وخمار وجبة شتاء. الخ وأيضاً أو أعسر بمسكن.(2)

پس اگر شوہر حاضر ہو اور نفقہ سے عاجز ہو اور قادر ادائے نفقہ پر نہ ہو تو قاضی یا نائب قاضی بعد فریاد کے اُس کو کچھ دنوں کی مہلت دے اور بعد گزرنے تین رات اور تین دن کے چوتھے روز صبح کو اُس کا نکاح فسخ کرے اور غائب کا نکاح بلا مہلت بعدِ ثبوتِ عسر فسخ کرے۔

چناں چہ "فتح المعین" میں مرقوم ہے:

---

(1)۔۔۔: رد المحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقۃ 130/13)

(2)۔۔۔: فتح العین شرح قرۃ العین:

يمهل القاضی أو المحكم وجوبأثلثة من الأيام وإن لم يستمهله الزوج ولم يرج حصول شيئ فی المستقبل ليتحقق اعساره فی فسخ لغيره اعساره بمهر؛ فإنه علی الفور، وأفتی شيخنا أنه لا إمهال فی فسخ نكاح الغائب، ثم بعد إمهال الثلاث بليلاليها يفسخ هو أي: القاضی أو المحكم اثناء الرابع لخبر "الدار قطنی" و"البيهقی" فی الرجل لايجد شيئا ينفق علی امراته يفرق به عمرو علی وابو هريرة رضی اللہ تعالی عنهم، ولا أعلم أحداً من الصحابة خالفهم، وأيضاً فيه فی باب الفسخ فان انقطع غيره ولا مال له حاضر جاز لها الفسخ.[1]

پس صورتِ مذکورہ میں قاضی شافعی نکاح مذکور السوال کو فسخ کرے تو نافذ ہو گا، اگر قاضی حنفی ہو تو شافعی نائب کو حکم کرے، تا کہ اس کا نکاح فسخ کرے۔

چناں چہ "ردالمحتار شرح درالمختار" کے اس باب میں مرقوم ہے:

(ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) بأنواعها الثلاثة (ولا بعدم إيفائه) ولو غائبا (حقها ولو موسرا) وجوزه الشافعي بإعسار الزوج وبتضررها بغيبته ولو قضی به حنفي لم ينفذ نعم وأمر شافعيا فقضی به نفذ إذا لم يرتش الآمر والمأمور.[2]

[یعنی، شوہر اگر (ناداری کے سبب) نفقہ کی تینوں قسمیں (کھانا، کپڑا اور رہنے کا مکان) دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے دونوں کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی۔ یوں ہی اگر شوہر موجود نہیں ہے، اگرچہ مال دار ہے، عورت کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے تفریق نہیں کی جائے گی اور امام شافعی نے شوہر کے تنگ دست اور غائب ہو جانے کی حالت میں عورت کو ضرر ہونے کی صورت میں تفریق کو جائز کہا ہے، اگر حنفی قاضی نے امام شافعی کے قول پر تفریق کا حکم دیا تو وہ نافذ نہ ہو گا، ہاں! اگر وہ شافعی قاضی کو حکم دے اور پھر وہ تفریق کا فیصلہ کرے تو اب یہ نافذ ہو جائے گا، جب کہ اٰمر اور مامور ایک دوسرے سے رشوت نہ لیں۔]

---

(1)۔۔:فتح المعین:

(2)۔۔:ردالمحتار: کتاب النکاح مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقة 130/13)

غرض کہ دونوں مذکورتَین فی السّوال کی تفریق شرعاً ہوسکتی ہے اور فسخ جائز ونافذ ہوگا۔ واللہ اعلم والیہ المرجع والماب

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

جوابِ مجیب صحیح وصواب ہے، نہ اس میں کسی طرح کا شک وارتیاب ہے- کما لا یخفی عند أولی الألباب- اور وہ جو مجیب لبیب نے کسی قاضی صاحب کا فتویٰ مفقود کے بارے میں اس فتوے میں نقل کیا ہے، وہ فتوی خلاف مذہبِ حنفی ہے اور عبارت "ردالمحتار" میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

کتبہ: الراجی الی رحمۃ ربہ الشکور عبدالغفور صانہ اللہ تعالی عن الآفات والشرور.

(۲)

حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

قال الزمخشری:

قضاۃ زماننا صاروا لصوصاً　　عموما فی القضایا لا خصوصاً

خشینا منھم لو صافحونا　　الصوا من خواتمنا فصوصاً

جب زمانۂ زمخشری کے قضاۃ کا یہ حال ہے تو آج کے قاضیوں کی شکایت کیا! اسی تحریرِ قاضی کو ملاحظہ اور اس کی دیانت کا اندازہ کیجئے کہ قطع وبُریدِ عبارات میں لصِّ فصِ خاتم کو شرما دیا، لیکن مجیب لبیب کو خداوندِ کریم اجرِ عظیم بخشے کہ تحقیقِ عجیب سے اس کی قلعی کھول دی اور اس کی ساختہ گرد ضلالت، ہوائے تحقیق سے اُڑا دی۔

حرّرہ: المسکین محمد بشیر الدین عفی عنه.

(۳)

حضرت علامہ مولانا محمد فیروز الدین

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

أقول: قد اختلف الصحابة رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ أوّلا، ثم رجع عمر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنہ إلی قول علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ. فبیانه: أنّ عمر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنہ ذهب أوّلاً إلی أنّ امراة المفقود إذا مضی علی غیبوبة زوجها أربع سنین یفرق القاضی بینه وبینها، وذهب علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ إلی أنّ امراة المفقود امراته حتی یاتیها البیان أي: موته وطلاقه. وأقوالها فی کتب الأحادیث مصرّحة، لکن قول علی رضی اللّٰہ عنه، ومن وافقه کابن مسعود وجابر بن زید والشعبی والنخعی وغیرهم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہم، هو المعتمد المنصور المرجّح بترجیحات بیّنة عدیدة.

منها: أنه مؤیّد بالحدیث المرفوع الذی رواه الدارقطنی فی "سننه" عن سواد بن مصعب: امرآة المفقود امرآته حتی یاتیها البیان، وفی بعض النسخ: حتی یاتیها الخبر. وهذا الحدیث صحیح ولو سلم ضعفه کما ذهب الیه البعض فهو یصلح للترجیح کما حققه شیخ الإسلام ابن الهمام فی "فتح القدیر".

ومنها: أنّ النکاح ثابت بیقین تقربه المرآة وغیرها من الأقرباء وموت زوجها وطلاقه لم یثبت، بل وهمی، والیقین لا یزول بالشک والوهم، کما حقّقه ابن نجیم مصری وغیره.

ومنها: أنه موافق بآیة "والمحصنات" وقع قطع النظر عن الترجیح، قد صحّ رجوع عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ إلی قول علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ، قاله ابن أبی لیلی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ ونقل عنه فی کتب الثقات ولذا قال المحقّق فی "الجوهر":

ما قد صح رجوعه إلی قول علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ.

وأما ما قال المولوی عبد الحی اللکهنوی فی "عمدة الرعایه":

أن رجوعه لم یثبت بنقل یعتد به لا یعتد به، لأنه مجازفة بالکلام وإثبات للوهم المقرّر فی فهمه کیف وقد صرّح به العلماء الذین یعتمد علی کلامهم فی باب الدین بلفظ "صحّ وثبت". ولو سلّم هٰذه المجازفة لارتفع الأمان من ناقلی

الدین وهٰذا لیس عجبا منه، بل مثله فی کلماته موجود فی مواضع عدیدة، ومع أن عدم الثبوت عنده لا یضر الثبوت عند أصحابنا الذین هم أقطاب الأرض ماهرون بکلام الله وکلام الرسول،وهو لیس بهٰذه الشان وإن کان فی زعمه یدعی الإجتهاد کما یعلم من کلماته إذ من عاداته إذا خالف المذهب المهذب الحنفی الحنیفی، یقول: إنه قوی من الدلیل وإنی لست فی جمود التقلید وأعجب من هٰذا إنه قال فی حق إمام الحدیث الإمام محمد رحمه الله تعالی: إنه وهمی، وقال فی حق الإمام الطحاوی: إنه سلک مسلک الجدال.

وبالجملة: إن شناعة کلماته لا تعدّ ولا تحصی کما لا یخفی علی من نظر إلی تصانیفه والعجب من بعض أبناء الزمان أنهم أخذوا بقوله مع کونه مخالفا لأصل المذهب المهذب الثابت بالأخبار الصحیحة والآثار القویة التی وصلت إلی صاحب المذهب بواسطة أو بواسطتین ولا یضرها الضعف المتاخر وإن هٰذا إلا جهالة وضلالة منهم ولکن الله یهدی من یشاء وهو ذو الفضل العظیم.

وأما ما نقل عن "القهستانی" فهو مخالف للمذهب ومردود فی حد ذاته ؛ لأنه حاطب اللیل وجامع بین الرطب والیابس والصحیح والضعیف، فمع هٰذا لم ینقل هٰذا القول عن أحد فهو مفرد فیه، والعجب من الشافعی رحمه الله أنه نقل قوله وسکت علیه، وقد صرح فی "رد المحتار" فی مواضع: أنه حاطب اللیل لا یعتمد علی قوله بغیر نقل معتبر وهو فی هٰذا القول مفرداً فضلاً عن نقل ولو ضعیفا وقد اغتر بکلام من لا یعلم الحق والباطل والصحیح والفاسد.

وبالجملة: أنه لا یجوز لأحد أن یفتی بقول مالک رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه وبترک المذهب المهذب الثابت بالدلائل القویة والآثار الصحیحة وقد صرح الشامی: أنه لا ینفذ قضاة المجتهد بخلاف مذهبه، فکیف یجوز قضاء المحکمین فی هٰذه الأزمنة بخلاف مذهبه کما لا یخفی. ولو شئت التفصیل فارجع إلی ما أجاب به المجیب العلام والفاضل الطمطام، حامی الملة والمسلمین، ماحی البدعة والمبتدعین، مرکز دائرة التحقیق، منطقة کرة

التدقیق،عم فیضه لعلک ترضی وتحصل لک مآرب أخری ،والله أعلم بالصواب.

حرّره:المحتاج إلی ربّه المتین محمد فیروز الدین عفی عنه.

(۴)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد القادر

الحمدلله ونستعینه

مسئلہ مسؤلہ میں اہم، ضروری یہ امر ہے کہ عورت مفقود الزوج کا نکاح آیا بعد گزرنے چار سال کے درست ہے یا نہ؟ تو علامہ مجیب نے نہایت دیانت ومتانت سے بادلّہ قویہ ومعتبرہ بمذہبِ حنفیہ عدمِ ثبوتِ نکاحِ زن مفقود الزوج کو خوب ہی ثابت کر کے کرسی مُسندِ مقصود پر بٹھایا-جزاہ الله عنی وعن سائر المسلمین- آمین۔

حاصل الکلام و ملخّص المرام یہ ہے کہ علاوہ تفویض الی رای الامام کے اقوال حضرات احناف کے -زادهم الله تعالی فی الأطراف والأکناف- تعیینِ مدّتِ مفقود میں مختلف وارد ہیں، سب سے زیادہ معتمد، قوی اور مرجّح دو ہیں: یعنی، نوے برس اور ستر برس۔ قول نوے برس کا ہی مذہبِ مختار اور یہی معمول بہ ہے جملہ علمائے حنفیہ صغار وکبار۔ "خلاصہ ابو البرکات" میں لکھا:

وحکم بموته بعد تسعین سنة کذا فی "التبیین"، قال الفضلی ومحمد بن حامد فی "الکافی" وغیره: وعلیه الفتوی ،وفی "الهدایة": وهو أرفق بالنّاس؛ لأنه أقلّ المقادیر، وفی "الخلاصة": قال صدر الشهید: علیه الفتوی. انتهی

اور قول ستّر برس کا مجوّزہ علامہ ابن الهمّام کا (جو بہت بڑے محقّق اور صاحبِ ترجیح اعلی درجے کے ہیں) بتمسّک حدیثِ صحیح «أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى السَّبْعِينَ» ہے۔ پس قاضی حنفی المذہب کو چاہیے کہ فتویٰ مفقود میں ان دو قولوں کو اپنا معمول بہ گردانے والا ساٹھ برس سے کم ہر گز فتویٰ نہ دے، ورنہ قضا اُس کی نزدیک علمائے محقّقین حنفیہ نافذ نہ ہو گی اور قہستانی نے جو خلافِ مذہبِ حنفیہ عظام فتویٰ دیا ہے، وہ

علمائے محقّقین حنفیہ کے نزدیک مردود ونامقبول ہے۔ اسی دھوکے کی ٹٹّی میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی پھنس کر اپنے "فتاویٰ" اور "حواشی شرح الوقایۃ" فتویٰ لکھ رہے ہیں، مگر صرّافانِ علومِ حنفیہ ان کے فتوے کو دیکھ کر برملا کہہ دیتے ہیں۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را دگر ہست آشیانہ

بہرحال علمائے حنفیہ سے سخت تعجّب ہے کہ باوجود رجوع ثابت ہوجانے حضرتِ عمر فاروق، بطرف قول حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهما کے بھی راہِ راست سے پھسلتے جاتے ہیں۔ دیکھو "ہدایہ: ص۶۰۲" اور "غایۃ الاوطار: ص۵۳۹" کتاب المفقود اور "جوہرہ شرح قدوری:" جلد دوم، ص۴۴ میں لکھا ہے:

وعمر رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْه رجع إلى قول علي رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْه، ولو قضى في امرأة المفقود على قول عمر لا ينفذ؛ لأنه قد صح رجوع عمر إلى قول علي رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْه.

اور "مستخلص شرح کنزالدقائق" ص۱۹۶ میں ہے:

وقد صح رجوع عمر إلى قول علي رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهما. إنتهى

اور علامہ عینیؒ "شرح ہدایہ" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

وقال الكاكي: وذكر عبدالرحمن بن أبي ليلى أن عمر -رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ- رجع عن ثلاث قضيات إلى قول علي - رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ - أحدها مال المفقود وغيرها مذكور في "المبسوط".

وقال الأترازي: فلما ثبت أن عمر - رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ - رجع إلى قول علي - رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ -، كان ذالك إجماعاً على قول علي - رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ. إنتهى، ص۹۴۸، ج۲۔

اب بوجہ مذکورہ بالا کوئی عالم متمسّک بمذہبِ مہذّب حنفیہ کرام خلاف ان روایتوں کے فتویٰ نہ دے، وَاِلاَّ وہ زمرۂ وہابیہ نجدیہ میں شمار ہے؛ اس لئے کہ ملک ہزارہ اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں (مثلاً: لاہور، دہلی، آگرہ، جاوَرہ، اندور، بھوپال، رام پور، وغیرہ میں) سوائے اس فرقہ وہابیہ کے کوئی مالکی المذہب وشافعی

المذہب نہیں۔ یہ مذہب کچھ حضرت علی ہی کا نہیں، بلکہ حضرت ابن مسعود و جابر بن یزید و شعبی و نخعی وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

لأنه هو المعتمد المنصور والمرجح المقبول بترجيحات عديدة مذكورة في "المبسوط" ذكرها المجيب العلاّم قامع البدعة دافع الشكوك والأوهام للقوام وهو أخي في الدين والإسلام وإن شئت تفصيل المرام على وجه الإتمام فارجع إلى ما أجاب، لأن جوابه صحيح وهو في الجواب نجيح ومنكره فضيح. والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب.

حرّره: الأحقر والرّاجي إلى رحمة المقتدر المدعو بمحمد عبد القادر حنفي عفي عنه ٧ ذو الحجة الحرام ١٣٢٣ھ.

(۵)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر قادری بدایونی

بسم الله الرّحمٰن الرّحيم

حامداً ومصليًا ومسلماً

مولانا المعظّم حامی السنۃ ماحی الفتن مولانا مولوی عمر الدین صاحب نے دربارہ "مسئلہ مفقود" کے اچھی تقریر فرمائی اور راہِ ہدایت دکھائی ہے۔جزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء۔فی الواقع زوجہ مفقود کو ہرگز مطابق مذہبِ مقدّس حنفی کے اُس وقت تک نکاح کرنا نہیں چاہیے، جب تک خبر موتِ زوج کی یا طلاق کی نہ آئے یا اُس کا حکمِ موت نہ کیا جائے جس کی مدّت مجیب نے بیان کی۔فانّ هٰذا من حيث الدراية والرواية قويّ. والله تعالى أعلم وعلمه أتمّ وأحكم. فقط

حرّره: العبد المفتقر مطيع الرّسول عبد المقتدر القادري خادم المدرسة القادريه الكائنه ببلدة بدايون المحمية عفا الله عنه.

(٦)

حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی

الجواب الصحیح والمجیب اللبیب نجیح وفی عبارة "الشامی" التی نقلها القاضی کما رأیتها بعینی تحریف صریح.

وأنا کئیب الفقیر إلی المولی تعالی محمد المعروف بحامد رضا غفر له الله ذنوبه وستر عیوبه.

(۷)

امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خان حنفی قادری محدّثِ بریلوی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اللهم لک الحمد صلِ وسلّم وبارک علی بنی الحمد وآله وصحبه أجمعین.

فقیر غفر له المولی القدیر نے رسالہ "ھدایة العنود الی مسئلة المفقود" مصنّفہ مولانا وبالفضل اولانا حامی السّنۃ ماحی الفتن مولانا مولوی محمد عمر الدین جعله الله تعالی کإسمه عمر الدین وعمر به ربوع الدین المتین، آمین، مطالعہ کیا۔ فی الواقع صورتِ مسؤلہ میں وہ عورت نکاح نہیں کر سکتی، جب تک کہ شوہر کی موت ثابت نہ ہو یا اُس کی عمر سے ستّر سال گزر جائیں، اُس کے بعد عدّتِ وفات کر کے نکاح کی مجاز ہو گی اور دوسرا فتویٰ کہ فاضل مجیب نے کسی قاضی کا نقل کیا، اصلاً قابلِ عمل نہیں اور ادّعائے ضرورت کے شافی جواب فتاویٰ فقیر میں مشرّح و مفصّل ہیں۔ وبالله التوفیق والله سبحٰنه وتعالی أعلم.

کتبه: عبده المذنب أحمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمد المصطفی النّبیّ الأمّیّ صلّی الله تعالی علیه وسلّم.

محمدی سنّی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

(۸)
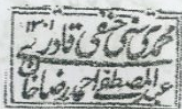
حضرت علامہ مولانا فضل احمد قادری بدایونی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

واقعی مولوی محمد عمر الدین صاحب مجیب نے اس مسئلۂ مفقود میں عمدہ تحقیق کی ہے، بموجبِ مذہبِ حضرت امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ابھی اُس مفقود کی منکوحہ کو اختیار دوسرے نکاح کرنے کا نہیں ہے، اگر نکاح دوسرا ابھی کرے گی تو گناہ گار ہوگی۔ واللہ تعالی أعلم بالصواب.

حرّرہ: فضل احمد قادری عفی عنہ بدایونی مدرّس مدرسہ احمدیہ واقع بمبئی محلہ گاؤقصابان

(۹)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الرزاق

الجواب صحیح.

احقر محمد عبد الرزاق بن المرحوم الحاج عبد الرحیم

(۱۰)

حضرت علامہ مولانا برکات احمد

ما حرّرہ مولانا المجیب فھو حق و صریح و ما کتبہ القاضی فھو لغو و قبیح.

راقم: محمد برکات احمد

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا حافظ عبد الحلیم کریالوی

لا شکّ فی صحۃ ھٰذا الجواب و المجیب علی الصواب و العلم الأتمّ عند اللہ الوھاب.

کتبہ: أحقر عباد اللہ الکریم حافظ عبد الحلیم کریالوی مقیم بمبئی امام مسجد مستری محلّہ.

الحمد للمولیٰ تعالیٰ

کہ مجموعہ مسائل ثلاثہ ضروری مدلّل بدلائل شرعی مبرہن ببراہین قوی قابل
تمسّک ہر
ادنیٰ و اعلیٰ
مسمّیٰ باسم تاریخی

اظہارِ صدق و ہُدیٰ

۱۳۲۶ھ

تالیف منیف

حامی السنن ماحی الفتن عالم نبیل فاضل جلیل جناب مولانا مولوی محمد عمر الدین
صاحب ہزاروی زید فیضھم

بتصحیح و اھتمام

بندہ کہین ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت منتظم تحفہ حنفیہ غفر لہ خالق
البریۃ

در مطبع حنفیّہ پٹنہ مطبوع گردید

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

[مسئلہ اولیٰ:]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ فرض نماز کا وقت بہت ہی تنگ ہو گیا ہو کہ نمازی اگر وضو کرے تو وقت نکل جائے۔ ایسی حالت میں تیمم کر کے وقتی نماز پڑھے یا وضو کر کے، اگر وقت نکل گیا ہو تو قضا نماز پڑھے؟ بینوا توجروا

[جواب:]

الجواب ومنہ الهداية الى الحق والصواب

صورتِ مسؤلہ میں ظاہر مذہب امام والا مقام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ یہ ہے کہ گو وقت جاتا ہو، نمازی وضو ضروری کرے۔ اگر بعد وضو وقت باقی ہے تو ادا پڑھے، ورنہ قضا کرے لیکن تیمم نہ کرے۔ اسی کو متونِ معتبرہ میں اختیار کیا ہے۔

"بدایۃ المبتدی" اور اس کی شرح "ہدایہ" شریف میں ہے:

وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْضِي مَا فَاتَهُ، لِأَنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خلف وَهُوَ الْقَضَاءُ. الخ[1]

یعنی، یوں ہی جب وضو کرنے سے وقت نکلنے کا خوف ہو، تو بھی تیمم نہ کرے اور وضو کر کے فوت شدہ نماز کی قضا کر لے؛ کیوں کہ یہاں بھی فوت صلاۃ ایک بدل اور نائب کی طرف منتقل ہوا ہے اور وہ قضا ہے۔

"کنز الدقائق" اور اس کی شرح "بحر الرائق" میں ہے:

قَوْلُهُ: لَا لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ أَيْ لَا يَصِحُّ التَّيَمُّمُ لِخَوْفِ فَوْتِ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَصَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ. الخ[2]

---

(1)۔۔: الهداية في شرح بداية المبتدي: كتاب الطهارة، باب التيمم 27/1

(2)۔۔: البحر الرائق شرح كنز الدقائق: كتاب الطهارة، باب التيمم، 167/1

[صاحبِ "کنز" کا قول (لَا لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ) یعنی، جمعہ اور فرض نماز کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تیمم نہیں کر سکتا۔]

"تنویر الابصار" اور اس کی شرح "درّ مختار" میں ہے:

لَا یَتَیَمَّمُ لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ وَلَوْ وِتْرًا لِفَوَاتِهَا إِلٰی بَدَلٍ. الخ[1]

[یعنی، جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تیمم کرنا صحیح نہیں اگرچہ وتر ہی کیوں نہ ہو، کہ ان کا بدل موجود ہے۔]

اور امام زفر عَلَیْهِ الرَّحْمَة -جو حضرت امام والا مقام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْه کے شاگردِ رشید ہیں اور ہمارے حنفی مذہب میں مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے ہیں- فرماتے ہیں کہ تیمم کر کے ادا نماز پڑھے، قضا نہ کرے۔

"کبیری شرح منیہ" میں ہے:

وَقَالَ زُفَرُ: یَتَیَمَّمُ وَلَا یَتَوَضَّأُ. الخ[2]

[یعنی، امام زفر عَلَیْهِ الرَّحْمَة نے فرمایا: تیمم کرے اور وضو نہ کرے۔]

"درمختار" میں ہے:

وَقِیلَ: یَتَیَمَّمُ لِفَوَاتِ الْوَقْتِ. الخ[3]

[یعنی، ایک قول یہ بھی ہے کہ وقت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو تیمم کرے۔]

علامہ شامی اُس کے "حاشیہ" میں لکھتے ہیں:

هُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ. الخ[4]

[یعنی، یہ امام زفر کا قول ہے۔]

اور علامہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام عَلَیْهِ الرَّحْمَة نے -جو اہلِ ترجیح میں

---

(1)۔۔۔:درمختار: کتاب الطھارۃ باب التیمم 246/1

(2)۔۔۔:غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی المشتھر بحلبی کبیر: کتاب الطھارۃ، فصل فی التیمم ص 83

(3)۔۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار: کتاب الطھارۃ باب التیمم 38/1

(4)۔۔۔:رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الطھارۃ باب التیمم سنن التیمم 246/2

سے ہیں۔ "فتح القدیر شرح ہدایہ" میں امام زفر عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

حَیْثُ قَالَ: (قَوْلُهُ وَكَذَا إِذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ لَوْ تَوَضَّأَ لَمْ يَتَيَمَّمْ) بَلْ يَتَوَضَّأُ وَيَقْضِيهَا خِلَافًا لِزُفَرَ. لَهُ أَنَّ التَّيَمُّمَ لَمْ يُشْرَعْ إِلَّا لِتَحْصِيلِ الصَّلَاةِ فِي وَقْتِهَا فَلَمْ يَلْزَمْهُ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْفَوَاتَ إِلَى خَلَفٍ كَلَا فَوَاتَ، وَلَمْ يَتَّجِهْ لَهُمْ سِوَى أَنَّ التَّقْصِيرَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ فَلَا يُوجِبُ التَّرْخِيصَ عَلَيْهِ وَهُوَ إِنَّمَا يَتِمُّ إِذَا أُخِّرَ لَا لِعُذْرٍ. الخ[1]

[یعنی، صاحبِ فتح القدیر نے اس مقام پر فرمایا کہ صاحبِ ہدایہ کا قول (یوں ہی اگر وضو کرنے کی صورت میں نماز کا وقت نکل جانے کا خوف ہو تو تیمم نہ کرے،) بلکہ وضو کرے اور جو فوت ہوئی اُس کی قضا کرے۔ بر خلاف امام زفر کے، آپ فرماتے ہیں کہ نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنے کے لئے ہی تیمم مشروع ہوا ہے، لہٰذا اسے وضو کرنا ضروری نہیں۔ جب کہ فقہا فرماتے ہیں کہ بدل یعنی قضا کی طرف نماز کا پھر جانا نماز کا فوت ہونا نہیں ہے اور امام زفر کے قول کی جانب فقہا کا میلان صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کہ کوتاہی بھی اسی کی جانب سے ہے، لہٰذا اس کے لئے جوازِ تیمم کی رخصت دینا واجب نہیں اور یہ رخصت اس وقت کامل ہو گی جب کہ بلا عذر شرعی نماز کو مؤخر کیا ہو۔]

اور علاّمہ شامی نے۔۔۔ ردالمحتار میں علاّمہ ابن ہمام کے قول کی تائید کی ہے:

حَيْثُ قَالَ فِيهَا: (قوله:) وَلَمْ يَتَّجِهْ لَهُمْ عَلَيْهِ. الخ[2]

أي، أن الفقهاء ردّوا على زفر لم يتوجّه لهم في الرّد عليه سوى أنهم قالوا: إن من أخر الصلاة إلى أخر الوقت كان مقصراً وتقصيره جاء من قبله فلا يستحق الترخيص له بجواز التيمم ولكن هذا الرّد على زفر إنّما يتمّ لو أخر لا لعذر فيلزمهم أن يرخصوا له التيمّم لو أخر لعذر على أنه لو أخر بلا عذر لا يتجه أيضاً، لأن غايته أنّه عاص بالتأخير والعاصي عندنا كالمطيع في ثبوت الترخص له. الخ

---

(1)۔۔:فتح القدیر: کتاب الطهارة، باب تیمم 251/1

(2)۔۔:ردالمحتار: کتاب الطهارة، باب التیمم سنن التیمم 246/2

[یعنی، امام زفر کا رد کرتے ہوئے فقہا فرماتے ہیں کہ جو شخص آخری وقت تک نماز کو موخر کرے تو وہ کوتاہی کرنے والا ہے اور کوتاہی اسی کی طرف سے آئی ہے، لہذا یہ جوازِ تیمم کی رخصت کا مستحق نہ ہو گا، لیکن امام زفر کی اس بات کا رد- کہ وہ تیمم کر سکتا ہے-اسی وقت ہو گا کہ جب اس نے نماز کو بلا عذر شرعی موخر کیا ہو، لہذا اب فقہا کے لئے ضروری ہے کہ عذر شرعی کی بنا پر نماز کو موخر کرنے والے کے لئے تیمم کی رخصت دیں؛ کیوں کہ غایت یہ ہے کہ تاخیر کے سبب وہ صرف گناہ گار ہو گا اور اس کے لئے رخصت کے ثابت ہونے کے میں ہمارے نزدیک عاصی مطیع کی مانند ہے۔]

اور ایک روایت حضرتِ امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے بھی موافق قول امام زفر عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے ہے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

لَكِنْ ظَفِرْت بِأَنَّ التَيَمَّمَ لِخَوْفِ فَوْتِ الْوَقْتِ رِوَايَةٌ عَنْ مَشَايِخِنا ذَكَرَها فِي "الْقُنْيَةِ". الخ[1]

[یعنی، مجھے یوں بھی تقویت اور کامیابی ملی ہے کہ وقت نکل جانے کے خوف کی وجہ سے تیمم کا جواز ہمارے مشائخ کی بھی ایک روایت ہے، اسے "قنیہ" میں بیان کیا ہے۔]

"کبیری شرح منیہ" میں ہے:

ونقل نجم الدين الزاهدى عن الحلوانى: المسافر إذا لم يجد مكاناً طاهراً بأن كان على الأرض نجاسات أو ابتلّت بالمطر واختلطت فإن قدر على أن يسرع المشي حتى يجد مكانا طاهراً قبل خروج الوقت وإلا يصلى بالايماء ولا يعيد. قال ثم الحلوانى اعتبر هنا خروج الوقت لجواز الايماء ولم يعتبره لجواز التيمم، وزفر رحمه الله سوّى بينهما.

وقد قال مشائخنا رحمهم الله تعالى فى التيمم: أنه يعتبر الوقت أيضاً،

(1)۔۔۔البحر الرائق: کتاب الطهارة، باب التيمم لخوف فوت صلاة الجمعة، 2/113، بتغير

والروایة فی ھٰذا روایة ثمہ إذ لا فرق بینھما والروایة فی فصل التیمم روایة ھنا، فاذافی المسئلتین جمیعاً روایتان، انتھیٰ. الخ[1]

[یعنی، نجم الدین زاہدی امام حلوانی سے نقل فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی وجہ سے زمین کیچڑ والی یا پھر ناپاک ہو جائے اور مسافر کو نماز کے لئے پاک زمین نہ مل سکے، تو اگر وقت نکلنے سے پہلے پہلے پاک جگہ تک پہنچنے پر قدرت ہو، تو ایسا ہی کرے، ورنہ اشارے سے نماز ادا کرے اور اس نماز کا اعادہ بھی نہ ہو گا۔ پھر کہا امام حلوانی نے یہاں اشارے کے ساتھ نماز کے جائز ہونے کے لئے تو خروجِ وقت کا اعتبار کیا لیکن تیمم کے جائز ہونے کے لئے نہیں۔ جب کہ امام زفر نے دونوں صورتوں میں خروجِ وقت کا اعتبار کیا ہے۔

اور ہمارے مشائخ نے تیمم کے بارے میں کہا کہ اس میں بھی وقت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس بارے میں اور بھی روایات ہیں؛ کیوں کہ ان دونوں روایتوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے اور "فصل التیمم" میں یہاں ایک روایت ہے، اب دونوں ہی مسئلوں میں دو روایتیں ہو گئیں۔]

چوں کہ ہمارے حنفی مذہب میں دونوں روایتیں موجود ہیں، اس لئے بنظرِ احتیاط محقّقین متاخّرین — مانند علاّمہ ابراہیم حلبی و علاّمہ ابنِ امیر حاج حلبی وغیرہ — نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ نمازی تیمم سے نمازِ ادا پڑھے اور پھر وضو کر کے اُس کا اعادہ کرے۔ صاحبِ "درمختار" عَلَیہِ الرَّحمَة نے اِسی کو مقرّر رکھا ہے۔

"درمختار" میں ہے:

قَالَ الْحَلَبِيُّ: فَالْأَحْوَطُ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُصَلِّيَ ثُمَّ يُعِيدَهُ. الخ[2]

[یعنی، امام حلبی فرماتے ہیں: زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ تیمم کرے، نماز پڑھے اور پھر اعادہ کر لے۔]

علاّمہ شامی عَلَیہِ الرَّحمَة نے "ردمختار" میں اسی کی بڑے زور و شور سے اور فقہاء

---

(1)۔۔:غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی المشتھر بشرح الکبیر، حلبی کبیر: کتاب الطھارة فصل فی التیمم ص 83

(2)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب الطھارة باب التیمم 38/1

کے کلام سے تائید کی ہے اور اس کو نہایت عمدہ طور پر مدلل کر کے خود اختیار کیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

حَيْثُ قَالَ: (قَوْلُهُ: وَقِيلَ: يَتَيَمَّمُ إلَخْ) هُوَ قَوْلُ زُفَرَ. وَفِي "الْقُنْيَةِ" أَنَّهُ رِوَايَةٌ عَنْ مَشَايِخِنَا، "بَحْرٌ" وَقَدَّمْنَا ثَمَرَةَ الْخِلَافِ. (قَوْلُهُ: قَالَ الْحَلَبِيُّ) أَيْ الْبُرْهَانُ إبْرَاهِيمُ الْحَلَبِيُّ فِي "شَرْحِهِ" عَنْ "الْمُنْيَةِ"، وَذَكَرَ مِثْلَهُ الْعَلَّامَةُ ابْنُ أَمِيرِ حَاجِّ الْحَلَبِيُّ فِي "الْحِلْيَةِ شَرْحِ الْمُنْيَةِ" حَيْثُ ذَكَرَ فُرُوعًا عَنْ الْمَشَايِخِ، ثُمَّ قَالَ مَا حَاصِلُهُ: وَلَعَلَّ هَذَا مِنْ هَؤُلَاءِ الْمَشَايِخِ اخْتِيَارٌ لِقَوْلِ زُفَرَ لِقُوَّةِ دَلِيلِهِ، وَهُوَ أَنَّ التَّيَمُّمَ إنَّمَا شُرِعَ لِلْحَاجَةِ إلَى أَدَاءِ الصَّلَاةِ فِي الْوَقْتِ فَيَتَيَمَّمُ عِنْدَ خَوْفِ فَوْتِهِ. قَالَ شَيْخُنَا ابْنُ الْهُمَامِ وَلَمْ يَتَّجِهْ لَهُمْ عَلَيْهِ سِوَى أَنَّ التَّقْصِيرَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ فَلَا يُوجِبُ التَّرْخِيصَ عَلَيْهِ، وَهُوَ إنَّمَا يَتِمُّ إذَا أَخَّرَ لَا لِعُذْرٍ. اهـ.

وَأَقُولُ: إذَا أَخَّرَ لَا لِعُذْرٍ فَهُوَ عَاصٍ. وَالْمَذْهَبُ عِنْدَنَا أَنَّهُ كَالْمُطِيعِ فِي الرُّخَصِ، نَعَمْ تَأْخِيرُهُ إلَى هَذَا الْحَدِّ عُذْرٌ جَاءَ مِنْ قِبَلِ غَيْرِ صَاحِبِ الْحَقِّ، فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَالَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي ثُمَّ يُعِيدُ الْوُضُوءَ كَمَنْ عَجَزَ بِعُذْرٍ مِنْ قِبَلِ الْعِبَادِ. وَقَدْ نَقَلَ الزَّاهِدِيُّ فِي "شَرْحِهِ": هَذَا الْحُكْمَ عَنْ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ. وَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ خِلِّكَانَ: أَنَّهُ كَانَ حَنَفِيَّ الْمَذْهَبِ، وَكَذَا ذَكَرَهُ فِي "الْجَوَاهِرِ الْمُضِيئَةِ فِي طَبَقَاتِ الْحَنَفِيَّةِ". اهـ مَا فِي "الْحِلْيَةِ".

قُلْت: وَهَذَا قَوْلٌ مُتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ، وَفِيهِ الْخُرُوجُ عَنْ الْعُهْدَةِ بِيَقِينٍ فَلِذَا أَقَرَّهُ الشَّارِحُ، ثُمَّ رَأَيْته مَنْقُولًا فِي "التَّتَارْخَانِيَّةِ" عَنْ أَبِي نَصْرِ بْنِ سَلَّامٍ وَهُوَ مِنْ كِبَارِ الْأَئِمَّةِ الْحَنَفِيَّةِ قَطْعًا، فَيَنْبَغِي الْعَمَلُ بِهِ احْتِيَاطًا وَلَا سِيَّمَا وَكَلَامُ ابْنِ الْهُمَامِ يَمِيلُ إلَى تَرْجِيحِ قَوْلِ زُفَرَ كَمَا عَلِمْته، بَلْ قَدْ عَلِمْت مِنْ كَلَامِ "الْقُنْيَةِ" أَنَّهُ رِوَايَةٌ عَنْ مَشَايِخِنَا الثَّلَاثَةِ، وَنَظِيرُ هَذَا مَسْأَلَةُ الضَّيْفِ الَّذِي خَافَ رِيبَةً فَإِنَّهُمْ قَالُوا يُصَلِّي ثُمَّ يُعِيدُ.(1)

[یعنی، علامہ شامی نے اس مقام پر فرمایا: (صاحبِ در کا قول: ایک قول یہ ہے کہ وہ

---

(1)۔۔: رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الطهارة باب التیمم سنن التیمم 246/2

تیمم کر سکتا ہے۔) یہ امام زفر کا قول ہے اور " قنیہ "میں ہے کہ ہمارے مشائخ سے ایک روایت یہی ہے "بحر" اور ثمرہ اختلاف ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ قولہ: قال الحلبی یعنی برہان ابراہیم حلبی نے "منیہ" پر اپنی شرح میں فرمایا اور اس کی مثل علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے " حلیہ شرح منیۃ "میں ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے مشائخ سے فروع ذکر کی ہیں۔ پھر فرمایا: اس کا حاصل یہ ہے کہ شاید یہ ان مشائخ سے امام زفر کے قول۔وقت میں نماز ادا کرنے کی وجہ سے تیمم مشروع ہوا، لہذا نماز کا وقت فوت ہونے کے خوف کی بنا پر تیمم کرنا جائز ہے۔کو اختیار کرنا ان کی قوتِ دلیل کی وجہ سے ہو لیکن شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام زفر کے قول کی جانب فقہا کا میلان صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کہ کوتاہی بھی اسی کی جانب سے ہے لہذا اس کے لئے جوازِ تیمم کی رخصت دینا واجب نہیں اور یہ رخصت اس وقت کامل ہو گی جب کہ بلا عذر شرعی نماز کو موخر کیا ہو۔

میں یہ کہتا ہوں کہ بلا عذر شرعی نماز کو موخر کرنے کے سبب وہ عاصی ہو گا اور ہمارے مذہب میں حقِ رخصت میں وہ مطیع کی طرح ہے، البتہ اس حد تک اس نماز کی تاخیر ایک ایسا عذر ہے جو صاحبِ حق کے غیر کی جانب سے آیا ہے، لہذا اسے یہ کہنا مناسب ہے کہ وہ تیمم کر کے نماز پڑھے اور پھر وضو کے ساتھ نماز کا اعادہ کرے اس شخص کی طرح کہ جو بندے کی جانب سے واقع ہونے والے کسی عذر کی وجہ عاجز آ چکا ہو۔ امام زاہدی نے اپنی شرح میں اس حکم کو لیث بن سعد سے نقل کیا ہے اور ابن خلکان لکھتے ہیں کہ لیث بن سعد حنفی المذہب تھے۔اسی کی مثل "جواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ" میں مذکور ہے، الخ مافی " الحلیہ "۔

میں کہتا ہوں کہ یہ درمیانی راہ ہے اور بالیقین اس میں خروج عن العھدۃ ہے، اسی وجہ سے شارح نے اس کو مقرر رکھا، پھر میں نے اس قول کو "تاتارخانیہ" میں ابو نصر بن سلام۔جو کبار ائمہ حنفیہ میں سے ہیں۔سے منقول پایا ہے، لہذا احتیاطاً اسی پر عمل ہونا چاہئے، خاص کر اس وقت کہ جب آپ یہ جان چکے ہیں کہ امام ابن ہمام کا میلان امام زفر کے قول کی طرف ہے، بلکہ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ "قنیہ" کا وہ کلام ہمارے ائمہ ثلاثہ کی طرف سے مروی ہے۔اس کی مثال اس مہمان کا مسئلہ ہے جسے خوف ہو تو علما

نے فرمایا: وہ نماز پڑھے، پھر اعادہ کرے۔]

هذا ما عندی و العلم الأتمّ عند ربی و صلّی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیّدنا و مولانا محمّد و اله و أصحابه و أولیاء أمّته أجمعین و بارک و سلّم

قاله بقلمه و أمر برقمه: العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی و عفا اللہ تعالی عنه

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

لا شکّ فی صحة هٰذا الجواب و العلم الأتمّ عند الله الوهاب

نمقه: الراجی الی وجه ربّه الشکور عبد الغفور صانه الله عن الاٰفة و الشرور

(۲)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرّسول عبد المقتدر القادری الحنفی البدایونی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مصلیاً و مسلماً علی نبیه الکریم و آله و صحبه و أولیاء أمّته أجمعین

هو المصوّب

تیمم خوفِ وقت کے لئے مطابق ظاہر مذہبِ حنفی کے ہر گز صحیح نہیں، امام زفر کے نزدیک یہ تیمم صحیح ہے۔ وهو فی روایة عن مشائخنا أیضاً.

بنابر آں متاخّرین حنفیہ نے بنظرِ احتیاط یہ حکم دیا کہ وقت پر تیمم کر کے ادا کرلے، پھر اعادہ کرے۔ کما فصّله المجیب المصیب اللبیب، لیکن اُس تیمم سے پڑھی ہوئی نماز پر اکتفاء کرنا ہر گز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، اُس نماز کی قضا اُس کے ذمہ مطابق ظاہر و معتمد مذہبِ حنفی کے ابداً لازم و واجب رہے گی۔ کما هو ظاهر من العبارات المنقولة فی الجواب.

والله تعالی أعلم بالصواب

حرّره: العبد المفتقر مطیع الرّسول عبد المقتدر القادری الحنفی البدایونی کان الله تعالی له و لمشائخه

(۳)

حضرت علامہ مولانا ابو الاحسان عبد السبحان

انّ ھٰذا الجواب صحیح.

حرّرہ: العاصی أبو الاحسان عبدالسبحان عفی عنہ

(۴)

حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

صح الجواب.

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حرّرہ: المسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ۔

مسئلہ ثانیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ بروز جمعہ وقت استوا کے اکثر عوام نوافل پڑھتے ہیں، پس اُن کو حنفی مذہب میں اس سے منع کرنا چاہئے یا نہیں؟

[جواب:]

الجواب و منه الهداية إلى الحق و الصّواب

صورتِ مسئولہ میں عوام کو نوافل سے منع نہ کرنا چاہئے۔

اوّلا:

اس وجہ سے کہ گو حضرت امام والا مقام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه کا مذہب ظاہر الروایۃ مطلق منع ہے جس کو صاحب "ہدایۃ" وعامہ متون وشروح نے ترجیح دی ہے، مگر ایک روایت جس کو حضرت امام ابو یوسف رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه نے اُن سے لیا ہے، بروز جمعہ نوافل پڑھنے میں جانبِ جواز بلا کراہت ہے اور اسی کو امام ابنِ ہمام اور علامہ ابنِ امیر حاج شارح "منیہ" وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔

"در مختار" میں ہے:

وَكُرِهَ تَحْرِيمًا، صَلَاةٌ مُطْلَقًا وَلَوْ عَلَى جِنَازَةٍ وَسَجْدَةِ تِلَاوَةٍ وَسَهْوٍ مَعَ شُرُوقٍ وَاسْتِوَاءٍ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى قَوْلِ الثَّانِي الْمُصَحَّحِ الْمُعْتَمَدِ، كَذَا فِي "الْأَشْبَاهِ". وَنَقَلَ الْحَلَبِيُّ عَنْ "الْحَاوِي": أَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى. الخ (1)

[یعنی، امامِ ثانی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے مصحّح معتمد قول کے مطابق سورج نکلنے اور استوا کے وقت ہر طرح کی نماز خواہ نماز جنازہ ہو، سجدہ تلاوت یا سجدہ سہو، ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے سوائے نماز جمعہ کے۔ اسی طرح "اشباہ" میں ہے اور امام حلبی نے "حاوی" سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے۔]

---

(1)۔۔۔: الدر المختار شرح تنوير الأبصار و جامع البحار: كتاب الصلوٰة، 54/1

"بحر الرائق شرح کنز الد قائق" میں ہے:

وَأَخْرَجَ أَبُو يُوسُفَ مِنْهُ النَّفَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقْتَ الزَّوَالِ لِمَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ: «نَهَى عَنْ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ»[1]

[یعنی، جمعہ کے دن استوا کے وقت نفل ادا کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف نے امام اعظم سے روایت بیان کی ہے اُس حدیث کی وجہ سے جس کو امام شافعی نے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار میں سوائے جمعہ کے دن کے ہر نماز سے منع فرمایا، یہاں تک زوالِ شمس ہو جائے۔]

اور بعد چند سطور کے ہے:

وَبَحَثَ فِيهِ الْمُحَقِّقُ ابْنُ الْهُمَامِ بِأَنَّهُ يُحْمَلُ الْمُطْلَقُ عَلَى الْمُقَيَّدِ لِاتِّحَادِهِمَا حُكْمًا وَحَادِثَةً وَلَمْ يُجِبْ عَنْهُ فَظَاهِرُهُ تَرْجِيحُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ فَلِذَا قَالَ فِي الْحَاوِي: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا عَزَاهُ لَهُ ابْنُ أَمِيرِ حَاجٍّ فِي شَرْحِ "الْمُنْيَةِ". الخ[2]

[یعنی، اس مسئلہ میں محقق ابن ہمام نے بحث یوں فرمائی کہ حکم اور حادثہ کے متحد ہونے کی وجہ سے مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جائے اور امام اعظم کی جانب سے یہ حکم واجب بھی نہیں، ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے اسی وجہ سے حاوی میں کہا: وعلیہ الفتوی (اسی پر فتوی ہے)۔ جیسا اس کو ابن امیر الحاج نے "شرح منیہ" میں انہی کی جانب منسوب بھی کیا۔]

اور "مراقی الفلاح شرح نور الایضاح" میں علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

وقال أبو يوسف: لا تكره النافلة حال الاستواء يوم الجمعة. الخ[3]

[یعنی، امام ابو یوسف نے فرمایا: جمعہ کے دن استوا کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔]

علامہ طحطاوی اُس کے "حاشیہ" میں فرماتے ہیں:

---

(1)۔۔۔: بحر الرائق: کتاب الصلوٰۃ، الاوقات المنھی عن الصلاۃ فیھا، 263/1

(2)۔۔۔: بحر الرائق: کتاب الصلوٰۃ، الاوقات المنھی عن الصلاۃ فیھا، 263/1

(3)۔۔۔: مراقی الفلاح: کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الاوقات المکروھہ، 121/1

(قوله:قال أبو یوسف الخ) قواه الکمال وفی "الحاوی القدسی": وعلیه الفتوٰی.الخ[1]

[یعنی، کمال الدین محقق ابن ہمام نے امام ابویوسف کے قول کو تقویت دی اور حاوی قدسی میں ہے:وعلیه الفتوٰی (اسی پر فتوی ہے)۔]

ثانیاً:

اس وجہ سے کہ باوجود یہ کہ ہمارے ائمہ مذہب کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ سورج نکلتے وقت کوئی نماز جائز نہیں، مگر عوام کو اِس وقت بھی فجر کی فرض نماز پڑھنے سے منع نہ کرنا چاہیے۔

"در مختار" میں "مَعَ شُرُوْق" کی شرح میں ہے:

إِلَّا الْعَوَامَ فَلَا یُمْنَعُوْنَ مِنْ فِعْلِهَا، لِأَنَّهُمْ یَتْرُکُوْنَهَا، وَالْأَدَاءُ الْجَائِزُ عِنْدَ الْبَعْضِ (أي بعض المجتهدین کالإمام الشافعی هنا "شامی حاشیة در المختار")[2] أَوْلَی مِنَ التَّرْکِ کَمَا فِي "الْقُنْیَةِ" وَغَیْرِهَا[3]

یعنی، اگر عوام کو اس وقت نمازِ فجر سے منع کیا جائے تو شاید وہ اس کو بالکل ہی ترک کر دیں؛ لہذا وہ ادا کہ عند البعض [بعض مجتہدین مثل امام شافعی کے نزدیک] جائز ہو، اولیٰ ہے ترک سے [جیسا کہ "قنیہ" وغیرہ میں ہے]۔

اس وجہ سے ان کو اس سے منع نہ کرنا چاہئے۔ بخلاف ما نحن فیہ کے کہ یہاں تو خود ہمارے مذہب میں ایک روایتِ اجازت ہے۔ بناءً علیہ صورتِ مسئولہ میں اُن کے نوافل سے منع نہ کرنا چاہیے۔

ثالثاً:

اس وجہ سے کہ نفل نماز پڑھنا قبل عید کے اور بعد نمازِ عید کے عید گاہ میں ہمارے حنفی مذہب میں عامہ مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر بوجود اس کے فرماتے ہیں

(1)۔۔:حاشیة الطحطاوی: کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الاوقات المکروهه 188/1

(2)۔۔:بریکٹ کی عبارت حضرت ہزاروی کی ہے۔

(3)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب الصلوٰۃ، 54/1 بتغیر

کہ عوام کو منع نہ کریں کہ امورِ خیر میں اُن کی ترغیب کم ہے، جس طرح نام خدا لیں، لینے دو۔ "در مختار" میں ہے:

وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِي مُصَلَّاهَا، فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ عِنْدَ الْعَامَةِ. الخ(1)

[یعنی، نمازِ عید کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ ہی نمازِ عید سے پہلے نوافل پڑھے، مسجد میں ہو یا گھر میں۔ یونہی نماز کے بعد عید گاہ میں بھی نوافل ادا نہ کرے کہ یہ مشائخ کرام کے نزدیک مکروہ ہے۔]

بعد اس کے اسی "در مختار" میں فرمایا ہے:

وَهَذَا لِلْخَوَاصِ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ أَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ. الخ(2)

[یعنی، یہ حکم خواص کے لئے ہے بہر حال عوام تو انہیں تکبیر کہنے اور نفل ادا کرنے سے نہ روکا جائے سے اس لئے کہ امورِ خیر میں اُن کی رغبت کم ہے۔]

علامہ شامی نے اس کے "حاشیہ" میں لکھا ہے:

(قَوْلُهُ: أَصْلًا) أَيْ لَا سِرًّا وَلَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيرِ وَلَا قَبْلَ الصَّلَاةِ بِمَسْجِدٍ أَوْ بَيْتٍ أَوْ بَعْدَهَا بِمَسْجِدٍ فِي التَّنَفُّلِ. الخ(3)

[یعنی، (اصلاً) سے مراد یہ ہے کہ تکبیر کہنے سے نہ روکا جائے نہ سراً نہ جہراً، یوں ہی قبل صلاۃ مسجد میں، نہ ہی گھر میں، یا بعد صلاۃ مسجد میں نفل ادا کرنے سے نہ روکا جائے۔]

---

(1)۔۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار :کتاب الصلوٰۃ،باب صلوٰۃ العیدین،112/1

(2)۔۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار :کتاب الصلوٰۃ،باب صلوٰۃ العیدین،112/1

(3)۔۔۔:رد المحتار:کتاب الصلوٰۃ،باب صلوٰۃ العیدین،مطلب یطلق المستحب علی السنۃ،171/2

جب یہاں باآں کہ عدم کراہت کی طرف تصحیح بھی نہیں، عوام کو منع کرنے سے منع فرمایا، تو وہاں تو ایک تصحیح میں کراہت بھی نہیں ہے، عوام کو کس طرح منع کیا جائے؟

بالجملہ بوجوہِ متعدّدہ صورتِ مسئولہ میں عوام کو اس تنفّل سے منع نہ کرنا چاہیے۔

هذا ماظهر لی فی الجواب بعون الله الملک الوهاب والله تعالى أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب وصلّى الله تعالى على خير خلقه سيّدنا محمّد وآله وأصحابه وأولياء أمّته أجمعين وسلّم

قاله بفمه وأمر برقمه: العبد الفقير محمد عمر الدين السنى الحنفى القادرى الهزاروى وعفا الله تعالى عنه

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان حنفی قادری

الحمد للہ وحدہ

الجواب صواب و للمجیب ثواب إن شاء الوھاب.

اور اس کی مؤید وہ ہے جو ہمارے علمائے کرام نے فرمایا کہ صلاۃ الرغائب و صلاۃ لیلۃ القدر وغیرہما نوافل کہ عوام بجماعتِ کثیرہ پڑھیں اُنھیں منع نہ کریں، اگرچہ ہمارے مذہب میں نوافل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ یا ممنوع ہے۔

عارف باللہ سیّدی عبد الغنی نابلسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں فرماتے ہیں:

صلاۃ الرغائب بالجماعۃ و صلاۃ لیلۃ القدر و نحو ذالک و إن صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا لا یفتی بذالک للعوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات.

واللہ تعالی أعلم

کتبہ: عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوی

عفی عنہ بحمد المصطفی النبی الأمی

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

(۲)
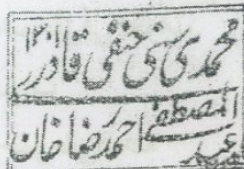
حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی حنفی قادری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ و الصّلاۃ علی حبیبہ و مصطفاہ ذی العز و الجاہ و آلہ و صحبہ و من والاہ و علینا معھم باللہ.

بسببِ اختلاف حضرت امام ابو یوسف کے اور تصحیحِ بعض علمائے متأخّرین کے اُن کے قول کو کراہتِ نفل وقت استوائے روز جمعہ میں ضعف عارض ہو گیا، پس اُس تنفّل پر نکیر و اعتراض ضرور نہیں اور اُس نفل کے سبب اُس پر مؤاخذہ و عتاب نہیں، اگرچہ بحسبِ تحقیق بعض محقّقین وہ تصحیحِ مذکور و افتائے بعض متأخّرین مقبول و مسلّم نہیں۔ کما ھو مذکور فی "ردالمحتار" للعلاّمۃ الشامی مفصّلا، لیکن رفعِ نکیر و اعتراض کے لئے کافی ہے۔ وھو المطلوب

و اللہ تعالیٰ أعلم

حررہ :العبد المفتقر مطیع الرسول عبدالمقتدر البدایونی الحنفی القادری. کان اللہ لہ و لمشائخہ

(۳)
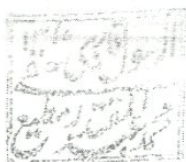
حضرت علامہ مولانا عبد الرحمن

قد أصاب المجیب المحقق فی الجواب.

و اللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

العبد الفقیر عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ

(۴)

حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

صح الجواب و اللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ: المسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ

(۵)

حضرت علامہ مولانا سید غلام حسین

هٰذا الجواب صحیح بلا ریب و ذیب و جزی اللہ تعالیٰ المجیب اللبیب.

کتبہ: أحقر الکونین السید غلام حسین عفی عنہ

(۶)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

ما أجاب بہ المجیب اللبیب فھو فیہ مصیب.

نمقہ: الراجی إلی رحمۃ ربّہ الشکور عبد الغفور صانہ اللہ تعالیٰ عن الآفات والشرور

(۷)

حضرت علامہ مولانا نور محمد

المجیب مصیب و لہ عند اللہ أجر و نصیب.

نمقہ: أضعف عباد اللہ الصمد نور محمد تجاوز اللہ عنہ

مسئلہ ثالثہ

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

ونحمده ونصلی علی رسوله الكريم

سوال:

از بڑودہ، مرسلہ: مولوی محمد بشیر الدین خان صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس امر میں کہ مثلاً: زید اپنی ملک خاص میں خاطر خواہ تصرّف کرنے کا بنابر روایتِ ظاہر بقول امام ہمام جس پر مطلقاً فتویٰ دیا جاتا ہے، مختار ہے، یہ اپنی دیوار میں جالی کھڑکی رکھ سکتا ہے، ہمسائے کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے، اسی کو "فتح القدیر" میں راجح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: "در مختار" کتاب القاضی الی القاضی۔ مولوی عبدالحی کے "مجموعۃ الفتاویٰ" جلد اوّل صفحہ ٦٦ میں گو اس کے بر خلاف فیصلہ ہے مگر اُس کو۔مِمّا لا یعبا بہ۔ قرار دے کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ محض یہاں تحقیق اتنی درکار ہے کہ اہل محلہ دیوار بالائی مسجد میں جالی باری رکھنے کی متولی کو فرمائش کرتے ہیں، اس بناپر متولی نے مسجد کے بالائی حصہ کی دیوار میں باری وضع کی ہے، پڑوسی کو ہر چند ضررِ بیّن نہیں ہے، تاہم وہ مزاحمت کرتا ہے۔ سُوال یہ ہے کہ زید اپنی ملکِ خاص میں تصرّف کا مختار تھا، یہاں تو مسجد کا کوئی مالک نہیں ہے، پھر متولی کو بصواب دید مصلیانِ مسجد اس قسم کا اختیار ہو سکے گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا، فقط

[جواب :]

الجواب ومنه الهداية إلى الحق والصواب

صورتِ مسؤلہ میں اوّلاً جاننا چاہیے کہ مالک کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرّف کا اختیار ہے پڑوسی کو ضرر ونقصانِ بیّن ہو یا نہ ہو، یہی ظاہر الروایۃ مذہب حضرت سیّدنا امام والا مقام رَضِیَ اللّٰہ تَعالٰی عَنْہ ہے۔اسی پر ایک جماعتِ مشائخ اہلِ ترجیح نے فتویٰ دیا ہے۔"فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

دار فيها ساحة بين رجلين اقتسما فصارت الساحة لاحدهما والبناء للاخر فأراد صاحب الساحة أن يجعل الساحة بيتاً وينسد بها الريح والشمس على صاحب البناء في ظاهر الرواية له ذالك وليس لصاحب البناء حق المنع وقال نصير رحمه الله تعالى: له أن يمنعه والفتوى على ظاهر الرواية وعلى هذا الوارد أن يبنى في الساحة اصطبلاً أو تنوراً او حماماً كان له ذالك. الخ[1]

[یعنی ،ایک گھر ہے جس میں ایک صحن بھی ہے، گھر دو شخصوں میں تقسیم ہوا ،ایک کے حصہ میں صحن اور دوسرے کے حصہ میں گھر کی عمارت۔اب صحن والا صحن کو گھر بنانا چاہتا ہے جس سے صاحبِ بنا پر ہوا اور دھوپ بند ہونے کا اندیشہ ہے تو بھی ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کے لئے گھر وغیرہ بنانا جائز ہے اور صاحب بنا کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ نصیر عَلَیہ الرَّحمَۃ فرماتے ہیں کہ اسے منع کرنے کا حق حاصل ہے اور فتوی ظاہر الروایۃ پر ہے۔یونہی اس کے لئے صحن کو اصطبل یا تنور یا حمام وغیرہ بنانا جائز ہے۔]

اور "وجیز" امام کردری عَلَیہ الرَّحمَۃ معروف بہ "فتاویٰ بزازیہ" میں ہے:

وفي "النوازل": اتخذ داره في غير النافذة خطيرة غنم ويتاذى الجيران من نتن السرقين ولا يامنون من الرعاة ليس لهم المنع في الحكم.[2]

---

(1)۔۔فتاویٰ قاضی خان: کتاب الصلح باب في الحيطان والطرق ومجاری الماء 589/2

(2)۔۔:

[یعنی، ایک شخص بغیر کھڑکی والے گھر کو بکریوں کا باڑہ بنادے اور پڑوسیوں کو مینگنیوں کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے اور وہ اس سے محفوظ نہیں ہیں تو بھی ان کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔]

اور بھی اُس میں چند سطر کے بعد ہے:

وفی "النوازل": أراد أن یتخذ فی دارہ خراسا و دورانہ یوھن جدار الجیران یمنع؛ لأنہ وإن تصرف فی ملکہ لکن تعدی إلی جارہ وھذا علی خلاف أصل الإمام ؛لأن عندہ لا یمنع من التصرف فی ملکہ وإن أضر بغیرہ. قال أبو القاسم: یمنع وبہ أخذ مشائخ بلخ وبخارا .قال فی " الفتاوٰی": وعن أستاذنا أنہ یفتی علی قول الإمام.الخ(1)

[یعنی، "نوازل" میں ہے جو شخص اپنے گھر میں کاشت کاری کا ارادہ کرے اور اس کے اس عمل کے سبب پڑوسی کی دیوار کمزور ہوتی ہو تو اسے کاشت کرنے سے روکا جائے گا؛ کیوں کہ اگرچہ وہ اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے لیکن اس کا تصرف پڑوسی کی ملک کی طرف متعدی ہوا ہے اور یہ امام کے مذہب کے خلاف ہے؛ کیوں کہ امام کے نزدیک اسے اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جائے گا، اگرچہ اس کے غیر کو ضرر ہو۔ ابو القاسم کہتے ہیں: منع کیا جائے گا اور یہی مشائخِ بلخ و بخارا کا مذہب ہے۔ فتاوی میں ہے: ہمارے استاذ سے روایت ہے کہ امام کے قول پر فتوی دیا جائے گا۔]

اور "در مختار میں" ہے:

وَجَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَدَمُ الْمَنْعِ مُطْلَقًا وَبِهِ أَفْتَى طَائِفَةٌ كَالْإِمَامِ ظَهِيرِ الدِّينِ وَابْنِ الشِّحْنَةِ وَوَالِدِهِ وَرَجَّحَهُ فِي "الْفَتْحِ "وَفِي "قِسْمَةِ الْمُجْتَبَى":وَبِهِ يُفْتَى، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ ثَمَّةَ، فَقَالَ:وَقَدْ اخْتَلَفَ الْإِفْتَاءُ،وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ.الخ(2)

---

(1)۔۔:

(2)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار: کتاب القضاء، باب کتاب القاضي إلی القاضي وغیرہ، 477/1

[یعنی، ظاہر الراویۃ میں ہے: اپنی ملک میں تصرف سے کسی بھی صورت میں منع نہیں کیا جائے گا، اسی پر ایک جماعت نے فتوی دیا ہے۔ امام ظہیر الدین، ابن شحنہ، ان کے والد اور اسی کو "فتح القدیر" میں ترجیح دی ہے۔ اور "قسمۃ المجتبی" میں ہے: وبہ یفتی (اسی پر فتوی ہے) اور مصنف نے اسی پر اعتماد کیا اور پھر کہا: فتوے بدل چکے ہیں اور اب ظاہر الروایۃ پر فتوی دینا مناسب ہے۔]

اور بہت مشائخ متاخّرین نے ظاہرِ روایت کے خلاف اس امر کو اختیار کیا ہے کہ اگر پڑوسی کو ظاہر نقصان وضرر ہو تو مالک کو ایسے تصرّف سے اپنی ملک میں منع کیا جائے ورنہ نہیں۔ راجح ان دونوں قولوں میں قولِ امام والا مقام رَضِیَ اللہُ تَعالٰی عَنہ ہے کہ وہ ظاہر روایت ہے۔

"بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

وَالْحَاصِلُ أَنَّ الَّذِي عَلَيْهِ غَالِبُ الْمَشَايِخِ مِنْ الْمُتَأَخِّرِينَ الِاسْتِحْسَانُ فِي أَجْنَاسِ هَذِهِ الْمَسَائِلِ وَأَفْتَى طَائِفَةٌ بِجَوَابِ الْقِيَاسِ الْمَرْوِيِّ وَاخْتَارَ فِي "الْعِمَادِيَّةِ" الْمَنْعَ إذَا كَانَ الضَّرَرُ بَيِّنًا وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ خِلَافُهُ، وَذَكَرَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ الشِّحْنَةِ أَنَّ فِي حِفْظِهِ أَنَّ الْمَنْقُولَ عَنْ أَئِمَّتِنَا الْخَمْسَةِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ لَا يُمْنَعُ عَنْ التَّصَرُّفِ فِي مِلْكِهِ وَإِنْ أَضَرَّ بِجَارِهِ، قَالَ: وَهُوَ الَّذِي أَمِيلُ إلَيْهِ وَأَعْتَمِدُهُ وَأُفْتِي بِهِ تَبَعًا لِوَالِدِي شَيْخِ الْإِسْلَامِ -رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى-.

وَرَجَّحَ فِي "فَتْحِ الْقَدِيرِ" أَيْضًا جَوَابَ الرِّوَايَةِ وَقَالَ: إنَّهُ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ، قَالَ: وَحُكِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إلَيْهِ مِنْ بِئْرٍ حَفَرَهَا جَارُهُ فِي دَارِهِ، فَقَالَ: احْفِرْ فِي دَارِك بِقُرْبِ تِلْكَ الْبِئْرِ بَالُوعَةً فَفَعَلَ فَتَنَجَّسَتْ الْبِئْرُ فَكَبَسَهَا صَاحِبُهَا وَلَمْ يُفْتِهِ بِمَنْعِ الْحَافِرِ بَلْ هَدَاهُ إلَى هَذِهِ الْحِيلَةِ. الخ[1]

[یعنی، حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں بہت سے مشائخ متاخرین نے استحسان کو لیا اور ایک جماعت نے قیاس پر فتوی دیا اور "عمادیہ" میں مختار یہ ہے اگر اپنی

(1)۔۔: بحر الرائق: کتاب الْقضاء، بَاب التَّحکِیم، 33/7

ملکیت میں تصرف کرنے سے پڑوسی کو ضرر بین ہوتا ہو تو مالک کو منع کیا جائے گا، ظاہر الروایۃ میں اس کا خلاف ہے اور علامہ ابن شحنہ نے ذکر کیا کہ ان کی یاداشت کے مطابق پانچوں ائمہ -امام اعظم، امام ابویوسف، امام محمد وزفر اور امام حسن بن زیاد- سے منقول ہے کہ مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے نہیں روکا جائے گا اگرچہ اس کے پڑوسی کو ضرر ہو اور فرمایا کہ اسی کی طرف میرا میلان اور اعتماد ہے اور اپنے والد شیخ الاسلام کی اتباع کرتے ہوئے اسی قول پر فتوی دیتا ہوں۔ "فتح القدیر" میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی اور کہا یہ ظاہر المذہب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے امام اعظم سے شکایت کی کہ اس کے پڑوسی نے اپنے گھر میں کنواں کھودا ہے، آپ نے فرمایا: تو اپنے گھر میں اس کنویں کے قریب ایک نالی کھود، اس نے ایسا ہی کیا تو کنواں کا پانی ناپاک ہو گیا، پھر اس کے مالک نے کنویں کو مٹی سے بھرنے کے بعد بند کر دیا، تو اس مثال میں امام اعظم نے اس شخص کو یہ فتوی نہ دیا کہ وہ حافر کو اپنی ملک میں کنواں کھودنے سے منع کرے، بلکہ اِس کو حیلہ بتا کر رہنمائی کی۔]

ثانیاً:

یہ کہ گو مسجد کا کوئی مالک نہیں ہے سوا خدا تعالیٰ کے، مگر اہلِ محلہ کو اُس کی مرمت اور تعمیر کا پورا اختیار اور اس کی ولایت حاصل ہے، بلکہ جو اُن میں سے نہ ہو، اگر مسجد تنگ ہو، اُس کو نماز سے اپنی مسجد میں سے منع کرنے کا اُن کو اختیار ہے اور جب وہ کسی شخص کو متولی مقرر کریں تو وہ بھی یہ امور کر سکتا ہے جب کہ وہ راضی ہوں۔ "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

فِي "الْكُبْرَى" "مَسْجِدٌ مَبْنِيٌّ أَرَادَ رَجُلٌ أَنْ يَنْقُضَهُ وَيَبْنِيَهُ ثَانِيًا أَحْكَمَ مِنَ الْبِنَاءِ الْأَوَّلِ لَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ، كَذَا فِي "الْمُضْمَرَاتِ". وَفِي "النَّوَازِلِ": إِلَّا أَنْ يَخَافَ أَنْ يَنْهَدِمَ، كَذَا فِي "التَّتَارْخَانِيَّة" وَتَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْبَانِي مِنْ أَهْلِ تِلْكَ الْمَحَلَّةِ وَأَمَّا أَهْلُ تِلْكَ الْمَحَلَّةِ فَلَهُمْ أَنْ يَهْدِمُوا وَيُجَدِّدُوا بِنَاءَهُ وَيَفْرِشُوا الْحَصِيرَ وَيُعَلِّقُوا الْقَنَادِيلَ لٰكِنْ مِنْ مَالِ أَنْفُسِهِمْ أَمَّا مِنْ مَالِ الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لَهُمْ ذٰلِكَ إِلَّا

بِأَمْرِ الْقَاضِي، كَذَافِي "الْخُلَاصَةِ". الخ، مختصراً[1]

[یعنی، "کبری" میں ہے کہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے پس ایک شخص نے چاہا کہ اس کو توڑ کر دوبارہ اس کو اس عمارت سے مضبوط عمارت کے ساتھ بنادے تو اس کو یہ اختیار نہیں؛ کیوں کہ اس کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، یہ "مضمرات'] میں ہے۔" نوازل" میں اسی مسئلہ میں لکھا ہے کہ وہ شخص نہیں توڑ سکتا مگر ایسی صورت میں توڑ سکتا ہے، جب کہ گر جانے کا خوف ہو، یہ "تاتارخانیہ" میں ہے۔ اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وہ بنانے والا اہل محلہ سے نہ ہو اور محلہ والوں کو اختیار ہے کہ کہ اگر جدید تعمیر سے اس کو بنوائیں اور اس میں بوریا کا فرش بچھائیں اور قندیلیں لٹکادیں، اسی طرح "خلاصہ "میں ہے۔]

اور "در مختار" میں ہے:

وَلِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ مَنْعُ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ عَنِ الصَّلَاةِ فِيهِ، وَلَهُمْ نَصْبُ مُتَوَلٍّ. وَجَعْلُ الْمَسْجِدَيْنِ وَاحِدًا وَعَكْسُهُ لِصَلَاةٍ. الخ، مختصراً[2]

[یعنی، اہلِ محلّہ کو اختیار ہے کہ جو شخص اہلِ محلّہ سے نہ ہو اس کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کر دیں اور اہلِ محلّہ کا مسجد کے کاموں کے لئے متوّلی مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ یوں ہی نماز کے لئے دو مسجدوں کو ایک کر لینا اور ایک کو دو کر لینا جائز ہے۔]

اور جس سے نمازیوں کو نماز پڑھتے وقت نفع اور آسائش ہو اس چیز کا احداث ان کے اختیار میں ہے گو واقف نے اُس کا ذکر صراحۃً نہ کیا ہو، جب کہ پڑوسی کو اُس باری سے کوئی نقصانِ ظاہر نہیں ہے اور نمازیوں کو اُس سے آسائش حاصل ہوتی ہے۔ پس متولی اور اہل محلہ کو اس کا بالاتفاق پورا اختیار حاصل ہے۔ "فتاویٰ بزازیہ" میں ہے:

وفی "الصغری": أنفق المتولی علی قنادیل المسجد من مال المسجد

---

(1)۔۔:فتاوی الهندیه: کتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الاول، 457/2

(2)۔۔:الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار: کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، 90/1

جاز. الخ، (1) وهكذافي "الهندية" ناقلاًعن "الخلاصة".

[یعنی، "صغریٰ" میں ہے کہ متولی کا مسجد کے مال سے مسجد کی قندیلوں پر خرچ کرنا جائز ہے، اسی طرح "فتاویٰ ہندیہ" میں "خلاصہ" سے منقول ہے۔]

اور "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے:

مَسجِدٌ بَابُهُ عَلَى مَهَبِ الرِّيحِ فَيُصِيبُ الْمَطَرُ بَابَ الْمَسْجِدِ فَيَفْسُدُ الْبَابُ وَيَشُقُّ عَلَى النَّاسِ الدُّخُولُ فِي الْمَسْجِدِ كَانَ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَتَّخِذَ ظُلَّةً عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ مِنْ غَلَّةِ الْوَقْفِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ لِأَهْلِ الطَّرِيقِ، كَذَا فِي "السِّرَاجِيَةِ". الخ، وهكذافي "الخانية". (2)

[یعنی، ایک مسجد کا دروازہ ہوا کے رخ پر ہے پس مسجد میں بوچھاڑ سے مینہ کا پانی پہنچتا ہے پس وہ خراب ہو جاتا ہے اور لوگوں پر مسجد میں جانا دشوار ہو جاتا ہے تو قیم کو روا ہے کہ وقف کی آمدنی سے مسجد کے دروازہ پر چھجا بنوا دے، بشرط کہ راستہ والوں کو اس چھجے سے ضرر نہ ہو۔ یہ "سراجیہ" میں ہے، اسی کی مثل "خانیہ" میں ہے۔]

جب متولی کا قندیلوں چراغوں پر خرچ کرنا مالِ مسجد سے جائز ہوا کہ اس سے نمازیوں کو شب کے وقت نماز پڑھتے اندھیرے میں تکلیف نہ ہو اور نیز رات پر کہ جو نہ واقف کا ہے اور نہ متولی کا مال مسجد کے دروازے کے سامنے سائبان بارش سے بچنے کے واسطے بنانا متولی کا مالِ وقف سے جائز ہوا، جب کہ راہ گیروں کو تکلیف نہ ہو کہ نمازیوں کو مسجد میں آتے اور نکلتے وقت بارش سے تکلیف نہ ہو تو مسجد کی حد میں، بلکہ اُس کی دیوار میں باری بنانا نمازیوں کی آسائش کے واسطے اہلِ محلہ اور متولی کا بطریقِ اولیٰ جائز ہے اور اُن کو اس کا پورا اختیار حاصل ہے، بلکہ "فتاویٰ قاضی خان" میں اس سے بھی بڑھ کر ہے:

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد فأخذوا من الطريق

---

(1)۔۔۔:الفتاوىٰ البزازية: كتاب الوقف، الفصل الرابع 144/3

(2)۔۔۔:فتاوىٰ هندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم 461/2

وأدخلوه في المسجد إن كان يضر ذلک بأصحاب الطريق فلا يجوز وإلا فلا بأس به۔الخ[1]

یعنی، جب مسجد نمازیوں پر تنگ ہوگی اور ان کو نماز میں تکلیف ہوگی تو مسجد کو کشادہ کرنے کے واسطے راستے سے کچھ حصہ مسجد میں لے لینا جائز ہے جب کہ راہ گیروں کو تکلیف وضرر نہ ہو، ورنہ جائز نہیں ہے۔

تو یہاں بھی جب کہ پڑوسی کو اُس باری سے ضرر بیّن نہیں ہے، اہلِ محلہ اور متولی کو باری بنانے کا پورا اختیار بالاتفاق حاصل ہے، بلکہ اگر اُس پڑوسی کی زمین علاوہ مکان کے متصل مسجد کے ہوتی اور یہ مسجد لوگوں پر تنگ ہوتی تو بغیر رضا واجازت اس کی کے وہ زمین قیمت سے مسجد کے واسطے لے لینا جائز ہوتی۔

"کبیری شرح منیہ" میں ہے:

وفی "المحیط":ضاق المسجد علی الناس وجنبه أرض لرجل يؤخذ أرضه بالقيمة كرها،قال:وقد صح عن عمر والصحابة رضی الله تعالی عنهم أنهم أخذوا أرضين يكره أصحابه وزادوها فی المسجد الحرام حين ضاق بهم،الخ. وهكذافی "الخانية" و "البزازية".[2]

[یعنی، "محیط" میں ہے کہ جب اہل محلہ کے لئے مسجد تنگ ہو جائے اور اس کے اطراف میں کسی شخص کی مملوکہ زمین ہو تو قیمت ادا کرکے جبراً اس سے زمین لی جائے گی۔ حضرت عمر اور دیگر صحابہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جب مسجد حرام لوگوں کے لئے تنگ پڑگئی صحابہ کرام نے لوگوں پر جبر کرکے زمینیں لیں اور انہیں مسجد حرام میں شامل کردیا۔ "خانیہ" اور "بزازیہ" میں اسی طرح ہے۔]

جب بلا رضا اُس کے مسجد کی کشادگی کے واسطے اُس کی زمین لے لینا جائز ہے تو یہ باری مسجد کی دیوار میں نمازیوں کی آسائش کے واسطے جس سے اُس کو نقصانِ بیّن نہیں

---

(1)۔۔:فتاویٰ قاضی خان: کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً او خانا...، 168/3

(2)۔۔:غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی المشتهر بشرح الكبير، حلبی كبير:احكام المسجد، مسائل متفرقہ،ص 615

ہے، اُن کا بنانا بالاتفاق جائز ہے۔

[حاصلِ بحث و تحقیق:]

الحاصل صورتِ مسؤلہ میں اہلِ محلہ اور متولی کو باری بنانے کا اختیار متقدّمین اور متاخّرین سب علماء کے نزدیک حاصل ہے۔ "فتاویٰ بزازیہ" میں ہے:

أهل المسجد إذا أرادوا أن يجعلوا المسجد رحبة أو الرحبة مسجدًا أو يحولوا الباب أو يجددوا بابًا آخر لهم ذالك. الخ[1] وهكذا في "الهندية".[2]

[یعنی، جب اہلِ مسجد، مسجد کو کشادہ کرنا چاہیں یا کھلی جگہ کو مسجد بنانا چاہیں یا پھر مسجد کے دروازہ کو بدلنا یا پھر نیا دروازہ نکالنا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہے اسی طرح "فتاویٰ عالم گیری" میں ہے۔]

اور "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

ولأهل المحلة تحويل باب المسجد من موضع إلى موضع آخر. الخ[3]

یعنی، اہلِ محلہ کو پورا اختیار ہے کہ وہ مسجد کے دروازے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلیں یا کوئی نیا دروازہ بنائیں، سب جائز ہے۔

هذا ما ظهر لي في الجواب بعون الله الملك الوهاب وصلى الله تعالى على خير خلقه ونور عرشه سيّدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه وأولياء أمّته أجمعين وبارك وسلم.

قاله بقلمه وأمر برقمه: العبد الفقير محمد عمر الدين السني الحنفي القادري الهزاروي وعفا الله تعالى عنه

---

(1)۔۔:الفتاویٰ البزازیة: کتاب الوقف، الفصل الرابع 143/3

(2)۔۔:فتاوٰی هندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الاول 456/2

(3)۔۔:فتاویٰ قاضي خان: كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خانا ...، 167/3

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا ابوالحسین عرف میاں صاحب احمد مارہروی

أصاب من أجاب.

حرّرہ: أبو الحسین عرف میاں صاحب أحمد المارھروی، بقلمه

(۲)

حضرت علامہ مولانا محمد ہدایۃ الرسول سنی حنفی قادری لکھنوی

مجیب شاب و مفتی علام وحاضر جواب کو غنی مجید جل شانہ اپنے عطائے خاص کے گراعنایہ خلعت سے ممتاز فرمائے، جنھوں نے اس سوال کے متعلق کوئی شق چھوڑی ہی نہیں اور دوسرے لکھنے والوں کو بالکل سبکدوش کر دیا اور حقِ فتویٰ نویسی ادا فرما دیا، اب حق طلب وحق پسند پاک دین کو ہر گز ہر گز جائے دم زدن باقی نہیں اور توفیق حضرت حق کی جانب سے ہے۔

واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم.

محمد ھدایۃ الرسول سنی حنفی قادری أبو الحسینی لکھنوی عفی عنه

(۳)

حضرت علامہ مولانا ابوالمسکین محمد بشیر الدین

قد صح الجواب واللہ تعالی أعلم بالصواب.

کتبه: أبو المسکین محمد بشیر الدین عفی عنه

(۴)

حضرت علامہ مولانا محمد فضل المجید فاروقی حنفی قادری

صح الجواب لا شک فیه ولا ارتیاب.

محمد فضل المجید فاروقی حنفی قادری عفی عنہ

(۵)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

لا شک فی صحۃ ھٰذا الجواب و العلم الأتم عند اللہ الوھاب.

نمقہ :الراجی إلی رحمۃ ربہ الشکور عبدالغفور صانہ اللہ عن الآفات والشرور

(۶)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر حنفی قادری بدایونی

الجواب صحیح و صواب و المجیب مصیب و مثاب.

حرّرہ:العبد المفتقر مطیع الرسول عبدالمقتدر القادری الحنفی البدایونی، کان اللہ تعالی لہ، خادم المدرسۃ العالیۃ القادریۃ.

(۷)
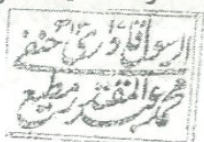
حضرت علامہ مولانا محمد حافظ بخش مدرّس مدرسہ محمدیہ واقعہ بدایوں

الجواب صحیح و الرأي نجیح.

محمد حافظ بخش عفی عنہ مدرس مدرسہ محمدیہ واقعہ بدایوں

(۸)

حضرت علامہ مولانا محمد فضل احمد

ذالک کذالک، واللہ الهادی إلی أرشد المسالک.

حرّرہ: محمد فضل أحمد عفا اللہ تعالی عنه

(۹)

حضرت علامہ مولانا محمد عبد الماجد حنفی قادری بدایونی

ماحرّرہ أستاذنا المعظم المفخم فهو أحق بالصواب.

واللہ تعالیٰ اعلم

حرّرہ: محمد عبد الماجد الحنفی البدایونی عفی عنه

(۱۰)

حضرت علامہ مولانا عبد الرسول محب احمد صدیقی حنفی بدایونی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً ومصلیاً

مطابق ظاہر روایت حضرت امام ہمام، بلکہ مطابق منقول صحیح از جملہ ائمہ خمسہ حنفیہ کرام، مالک اپنی ملک خاص میں ہر طرح کے تصرّف کا ہر صورت میں مختار ہے۔ جار کا ضرر بیّن ہو یا نہ ہو۔ بہت متاخّرین نے اسی ظاہر روایت کو مفتٰی بہ ٹھرایا اور بہت متاخّرین اربابِ فتویٰ نے بطورِ استحسان وترکِ قیاس یہ فتویٰ دیا کہ مالک اُس تصرّف سے جس میں ضرر بیّن جار کا ہوگا، ممنوع ہے۔ کما نقله المجیب اللبیب المصیب، لیکن صورت مذکورہ سوال کو اس صورتِ اختلافیہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسجد کی دیوار میں اگر بالائی حصہ میں کوئی جالی کھڑکی، ہَوا یا روشنی کی غرض سے رکھی جائے تو جار کا ہرگز یقیناً کوئی ضرر بیّن نہیں، اس صورت میں باجماع علماء جار کو منصبِ ممانعت نہیں پہنچتا۔ متاخّرین جس ضرر بیّن کو مدارِ ممانعت سمجھتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ لکھتے ہیں:

هو مایکون سبباً للهدم ومایوهن للبناء بسببه أو یخرج عن الانتفاع بالکلیة ومایمنع عن الحوائج الأصلیة کسدّ الضوء بالکلیّة نقله فی "الفتاوٰی الحامدیّة"

عن "حواشی الأشباه".

واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم

حررہ: العبد المعتصم بذیل النبی الأمجد عبد الرسول محب أحمد الصدیقی الحنفی البدایونی

المدرس بالمدرسہ الکائنۃ بجامع بدایون عفاعنہ اللہ الاحد

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری بدایونی

رأي أستاذی المفخم المحقق الأکرم حق محقق حقیق والاقتداء بہ یلیق.

محمد إبراھیم القادری عفی عنہ

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا سیّد حیدر شاہ قادری حنفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیاً و مسلماً علی رسولہ والہ وأصحابہ وأتباعہ وأولیاء أمّتہ أجمعین.

مجیب علام مفتی احلام -جزاہ اللہ خیر الجزاء- کا جواب صحیح ،بلکہ اصح ہے۔ صورتِ مسؤلہ میں اہلِ محلہ اور متولی کو باری بنانا دیوارِ مسجد میں برائے آسائشِ مصلیان مطابق ظاہرِ روایت اختیار ہے، اس میں انکارِ منکر بے کار ہے، اسی پر اتفاق اولی الابصار ہے۔واللہ تعالیٰ بالحقّ والصّواب الیہ المرجع والماٰب.

حررہ: الراجی إلی لطف ربہ القوی عبد النّبی الامّی السیّد حیدر شاہ القادری الحنفی، تجاوز اللہ تعالی عن ذنبہ الجلیّ والخفی و حفظہ عن موجبات الکیّ والغیّ بحرمۃ النّبی الھاشمی الأمّی، صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وأصحابہ وأتباعہ وسلّم۔

متوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر بھڑو والہ نزیل بمبئی

(۱۳)

حضرت علامہ مولانا محمد نعمت اللہ سنی حنفی نقشبندی سندھی

المجیب مصیب والجواب صحیح.

حررہ: محمد نعمت اللہ السنی الحنفی النقشبندی السندی عفا عنہ اللہ القوی

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا ابو المساکین محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی

مبسملاً وحامداً ومصلیاً ومسلّما

حق سبحانہ وتعالیٰ شانہ مفتی نبیل کو جزائے جزیل واجرِ جمیل عطا فرمائے کہ نہایت جان فشانی سے تحقیق وتنقیح مسائل فرمائی اور راہِ صدق وصواب پائی اور دکھائی۔ اہلِ اسلام کو چاہیے آنکھیں بند کر کے عمل فرمائیں اور ان مسائل کو دستاویزِ محکم بنائیں کہ انھیں میں نورِ رشد وہدایت کی تجلی اور شاہدِ حق وصواب کی جلوہ گری اور اس کے خلاف میں تباہی وخرابی اور نقصان وبربادی۔ یہی راہ، منزلِ مقصود کو پہنچانے والی۔ حیرانی وپریشانی، مصیبت وسرگردانی سے بچانے والی۔ واللہ الکبیر المتعالی أعلم بحقیقة الحال۔

کتبہ: أحقر عباد رب الغلمین محمد ضیاء الدین المکنی بأبی المساکین غفر لہ المولی المتین

چائے میں جایفل وغیرہ مصالحہ جات اور بریانی میں زعفران وغیرہ ڈالنے سے متعلق فتویٰ

اس امر کی تحقیق تام کی گئی ہے کہ چائے وغیرہ میں جایفل و دیگر مصالح کے داخل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس امر کی تصدیق میں اکثر علمائے محققین کی عبارات و مواہیر درج ہیں۔ (فہرست مضامین: تحفہ حنفیہ، بتصرف)

از

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ بمبئی اور اس کے اطراف کچھ وغیرہ میں اکثر اہل سنت، مجالس مولود شریف میں شیر کی چاہ نیازیں تقسیم کرتے ہیں اور اس کو پکاتے وقت اس میں الائچی و جایفل وغیرہ مصالح قدرے قلیل قلیل اس کی اصلاح کے واسطے ڈالتے ہیں اور اسی طرح شادی وغیرہ تقریبوں کے کھانوں میں بعض لوگ بریانی پکاتے ہیں اور اس میں قدرے قلیل زعفران ڈالتے ہیں، ایک شخص کہتا ہے کہ اس چاہ اور بریانی کا پینا، کھانا حرام ہے؛ اس لئے کہ جایفل اور زعفران دونوں مسکر یعنی نشہ لانے والے ہیں اور ہر نشہ لانے والی چیز، تھوڑی ہو یا بہت، سب حرام ہے۔ در مختار میں ہے:

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: مَاأَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ، وَهُوَ نَجِسٌ أَيْضًا. (1)

[امام محمد فرماتے ہیں: جس چیز کا کثیر نشہ آور ہے تو اس کا قلیل بھی حرام ہے اور ناپاک بھی۔]

تو جس چیز میں یہ دونوں پڑیں گے وہ چیز کھانی حرام ہے، پس اس شخص کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط اور اس چاہ اور بریانی کا پینا، کھانا جائز ہے یا حرام؟ بینوا و توجروا

الجواب:

ومنہ الھدایۃ الی الحق و الصواب

صورت مسؤلہ میں اس چائے و بریانی کا پینا، کھانا جائز ہے؛ اس واسطے کہ اگر جایفل و زعفران کو مسکر ہی فرض کیا جائے، تب بھی ان کا کثیر بقدر اسکار اور قلیل بطور لہو کے استعمال کیا جائے تو حرام ہے، اگر قلیل بطور دوا وغیرہ کے استعمال کیا جائے تو حرام نہیں ہے اور صورت مسؤلہ میں ان دونوں کا بطور قلت کے چائے اور بریانی کی اصلاح کے واسطے ہوتا ہے، پس اس قدر قلیل استعمال ان کا، اس طرح سے نہ حرام ہے اور نہ چائے

---

(1)۔۔: الدر المختار شرح تنویر الأبصار و جامع البحار: کتاب الاشربۃ 677/1

اور بریانی کو حرام کرتا ہے اور حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے مراد، مائعات یعنی درختوں اور پھلوں کے نچوڑے ہوئے پانی نشہ دار ہیں، جیسے تاڑی وغیرہ کہ ان کا البتہ قلیل و کثیر سب حرام و نجس ہے، نہ خشک چیزیں مانند زعفران وغیرہ کے۔

علامہ شامی نے اس قولِ امام محمد کی شرح و مراد "حاشیہ در مختار" میں اسی طرح کی ہے:

(قَوْلُهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إلَخْ) أَقُولُ: الظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا خَاصٌّ بِالْأَشْرِبَةِ الْمَائِعَةِ دُونَ الْجَامِدِ كَالْبَنْجِ وَالْأَفْيُونِ، فَلَا يَحْرُمُ قَلِيلُهَا بَلْ كَثِيرُهَا الْمُسْكِرُ، وَبِهِ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِي التُّحْفَةِ وَغَيْرِهِ، وَهُوَ مَفْهُومُ مِنْ كَلَامِ أَئِمَّتِنَا لِأَنَّهُمْ عَدُّوهَا مِنَ الْأَدْوِيَةِ الْمُبَاحَةِ وَإِنْ حَرُمَ السُّكْرُ مِنْهَا بِالِاتِّفَاقِ كَمَا نَذْكُرُهُ، وَلَمْ نَرَ أَحَدًا قَالَ بِنَجَاسَتِهَا وَلَا بِنَجَاسَةِ نَحْوِ الزَّعْفَرَانِ مَعَ أَنَّ كَثِيرَهُ مُسْكِرٌ، وَلَمْ يُحَرِّمُوا أَكْلَ قَلِيلِهِ أَيْضًا، وَيَدُلُّ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَا يُحَدُّ بِالسُّكْرِ مِنْهَا كَمَا يَأْتِي، بِخِلَافِ الْمَائِعَةِ فَإِنَّهُ يُحَدُّ، وَيَدُلُّ عَلَيْهِ أَيْضًا قَوْلُهُ فِي غُرَرِ الْأَفْكَارِ: وَهَذِهِ الْأَشْرِبَةُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَمُوَافِقِيهِ كَخَمْرٍ بِلَا تَفَاوُتٍ فِي الْأَحْكَامِ، وَبِهَذَا يُفْتَى فِي زَمَانِنَا اهـ فَخَصَّ الْخِلَافَ بِالْأَشْرِبَةِ، وَظَاهِرُ قَوْلِهِ بِلَا تَفَاوُتٍ أَنَّ نَجَاسَتَهَا غَلِيظَةٌ فَتَنَبَّهْ، لَكِنْ يُسْتَثْنَى مِنْهُ الْحَدُّ فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ إلَّا بِالسُّكْرِ، بِخِلَافِ الْخَمْرِ.

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْكَثِيرِ الْمُسْكِرِ حُرْمَةُ قَلِيلِهِ وَلَا نَجَاسَتُهُ مُطْلَقًا إلَّا فِي الْمَائِعَاتِ لِمَعْنًى خَاصٍّ بِهَا.

أَمَّا الْجَامِدَاتُ فَلَا يَحْرُمُ مِنْهَا الْكَثِيرُ الْمُسْكِرُ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ حُرْمَتِهِ نَجَاسَتُهُ كَالسُّمِّ الْقَاتِلِ فَإِنَّهُ حَرَامٌ مَعَ أَنَّهُ طَاهِرٌ. (1)

[صاحبِ در مختار کا قول کہ امام محمد فرماتے ہیں: "جس چیز کا کثیر نشہ آور ہے تو اس کا قلیل بھی حرام ہے اور ناپاک بھی"۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ قول مائع مشروبات کے ساتھ خاص ہے نہ کہ جامد

---

(1)۔۔: ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الأشربة 455/6

کے ساتھ جیسے بنج، افیون۔ تو اس کا قلیل حرام نہیں، بلکہ کثیر حرام ہے جو نشہ دے۔ ابن حجر نے "تحفہ" وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی ہمارے ائمہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے؛ کیوں انہوں نے اسے مباح ادویہ میں شمار کیا ہے، اگرچہ اس سے نشہ لینا بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ عن قریب ہم ذکر کریں گے۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی نجاست کا قول کیا ہو اور نہ ہی زعفران کی نجاست کا قول کیا ہے، حالاں کہ اس کی کثیر مقدار نشہ آور ہوتی ہے اس کے قلیل کے کھانے کو بھی انہوں نے حرام قرار نہیں دیا۔ اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ جو چیز اس سے نشہ دے اس پر جاری نہ کی جائے گی جیسا کہ آگے آئے گا۔ مسئلہ مائع کا معاملہ مختلف ہے؛ کیوں کہ اس پر حد جاری کی جائے گی اور "غرر الافکار" میں جو قول ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مشروبات امام محمد علیہ الرحمۃ اور جو علما ان کی موافقت کرتے ہیں ان کے نزدیک خمر کی طرح ہیں، احکام میں کوئی تفاوت نہیں۔ ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ تو اختلافات مشروبات کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے قول "بِلَا تَفَاوُتٍ" کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے! لیکن اس سے حد کی استثنا کی گئی ہے؛ کیوں کہ یہ صرف نشہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ خمر کا معاملہ مختلف ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کثیر سکر کی حرمت سے اس کی قلیل کی حرمت لازم نہیں آتی اور نہ ہی مطلقاً اس کی نجاست لازم آتی ہے، مگر مائع میں نجاست اس کے خاص کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں موجود ہو۔ جہاں تک مسکر کا تعلق ہے تو اس میں صرف کثیر مسکر حرام ہے اس کی حرمت سے اس کی نجاست لازم نہیں آتی۔ جیسے ایسا زہر جو قاتل ہے، یہ حرام ہے باوجود اس کے کہ یہ طاہر ہے۔]

اور بھی علامہ شامی دوسرے مقام میں "قہستانی" کے رد میں، جہاں "قہستانی" نے بھنگ کی ایک قسم کو باوجود مخلِ عقل ہونے کے بھی، مطلقاً مباح لکھ دیا ہے، فرماتے ہیں:

أَقُولُ: هَذَا غَيْرُ ظَاهِرٍ، لِأَنَّ مَا يُخِلُّ الْعَقْلَ لَا يَجُوزُ أَيْضًا بِلَا شُبْهَةٍ فَكَيْفَ يُقَالُ إِنَّهُ مُبَاحٌ: بَلِ الصَّوَابُ أَنَّ مُرَادَ صَاحِبِ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهِ إِبَاحَةُ قَلِيلِهِ لِلتَّدَاوِي وَنَحْوِهِ وَمَنْ صَرَّحَ بِحُرْمَتِهِ أَرَادَ بِهِ الْقَدْرَ الْمُسْكِرَ مِنْهُ، يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ عَنْ شَرْحِ

شَيخِ الإِسلَامِ: أَكلُ قَلِيلِ السَّقمُونيا وَالبَنجِ مُبَاحٌ لِلتَّدَاوِي، مَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ إِذَا كَانَ يَقتُلُ أَوْ يُذهِبُ العَقلَ حَرَامٌ اهـ. فَهَذَا صَرِيحٌ فِيمَا قُلنَاهُ مُؤَيِّدٌ لِمَا سَبَقَ بَحثنَاهُ مِن تَخصِيصِ مَا مَرَّ مِن أَنَّ مَا أَسكَرَ كَثِيرُهُ حَرُمَ قَلِيلُهُ بِالمَائِعَاتِ، وَهَكَذَا يَقُولُ فِي غَيرِهِ مِنَ الأَشيَاءِ الجَامِدَةِ المُضِرَّةِ فِي العَقلِ أَوْ غَيرِهِ، يَحرُمُ تَنَاوُلُ القَدرِ المُضِرِّ مِنهَا دُونَ القَلِيلِ النَّافِعِ، لِأَنَّ حُرمَتَهَا لَيسَت لِعَينِهَا بَل لِضَرَرِهَا. وَفِي أَوَّلِ طَلَاقِ البَحرِ: مَن غَابَ عَقلُهُ بِالبَنجِ وَالأَفيُونِ يَقَعُ طَلَاقُهُ إِذَا استَعمَلَهُ لِلَّهوِ وَإِدخَالِ الآفَاتِ قَصدًا لِكَونِهِ مَعصِيَةً، وَإِن كَانَ لِلتَّدَاوِي فَلَا لِعَدَمِهَا، كَذَا فِي فَتحِ القَدِيرِ، وَهُوَ صَرِيحٌ فِي حُرمَةِ البَنجِ وَالأَفيُونِ لَا لِلدَّوَاءِ. وَفِي البَزَّازِيَّةِ: وَالتَّعلِيلُ يُنَادِي بِحُرمَتِهِ لَا لِلدَّوَاءِ اهـ. كَلَامُ البَحرِ. وَجَعَلَ فِي النَّهرِ هَذَا التَّفصِيلَ هُوَ الحَقَّ.

وَالحَاصِلُ أَنَّ استِعمَالَ الكَثِيرِ المُسكِرِ مِنهُ حَرَامٌ مُطلَقًا كَمَا يَدُلُّ عَلَيهِ كَلَامُ الغَايَةِ. وَأَمَّا القَلِيلُ، فَإِن كَانَ لِلَّهوِ حَرَامٌ، وَإِن سَكِرَ مِنهُ يَقَعُ طَلَاقُهُ لِأَنَّ مَبدَأَ استِعمَالِهِ كَانَ مَحظُورًا، وَإِن كَانَ لِلتَّدَاوِي وَحَصَلَ مِنهُ إِسكَارٌ فَلَا، فَاغتَنِم هَذَا التَّحرِيرَ المُفرَدَ. (1)

[میں کہتا ہوں: یہ ظاہر نہیں؛ کیوں کہ جو چیز عقل میں خلل ڈالتی ہے وہ بغیر کسی شبہ کے جائز نہیں ہوتی تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مباح ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ صاحب ”ہدایہ“ وغیرہ کی مراد یہ ہے کہ دوائی وغیرہ کے لئے اس کی تھوڑی سی مقدار مباح ہے جس نے اس کے حرام ہونے کا ارادہ کیا ہے تو اس نے اس سے اس کی نشہ دینے والی مقدار کی تصریح کی ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ”غایۃ البیان“ میں ”شرح شیخ الاسلام“ سے مروی ہے: سمقونیا اور بنج کی معمولی مقدار کھانا یہ دوائی کے لئے مباح ہے اور اس سے جو زائد ہو جب وہ مار ڈالے یا عقل کو ختم کر دے تو یہ حرام ہو گی۔ جو ہم نے کہا ہے یہ قول اس کی تصریح ہے اور جو قول گزر چکا ہے اس کی مؤید ہے۔ ہم نے بحث کی تھی کہ جو قول گزر چکا ہے کہ جس کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار

---

(1)۔۔: ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الأشربة 6/457-458

حرام ہے۔ یہ مائعات کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح کا قول جامد اشیاء میں کرتے ہیں جو عقل کے لئے مضر ہوں۔ ان کی اتنی مقدار جو مضر ہو اس کو کھانا حرام ہے اس میں سے قلیل جو نفع مند ہو وہ حرام نہیں؛ کیوں کہ ان کی حرمت اس کے عین کی وجہ سے نہیں ،بلکہ اس کے ضرر کی وجہ سے ہے۔ "البحر" کی کتاب الطلاق کے آغاز میں ہے: جس کی عقل بنج اور افیون کی وجہ سے غائب ہو جائے، اس کی طلاق واقع ہو جائے گی، جب وہ اسے لہو کے طور پر اور قصداً آفات کو داخل کرنے کے لئے استعمال کرے؛ کیوں کہ یہ عمل معصیت ہے۔ اگر وہ دوائی کے طور پر استعمال کرے تو طلاق واقع نہ ہو گی؛ کیوں کہ یہ معصیت نہیں۔ "فتح القدیر" میں اسی طرح ہے۔ یہ قول بنج اور افیون کی حرمت میں صریح ہے، دوا کے طور پر اس کے استعمال کی حرمت کے بارے میں صریح نہیں ہے۔ "بزازیہ" میں ہے: تعلیل اس کی حرمت کے بارے میں آگاہ کرتی ہے، نہ کہ اس کی دوا کے طور پر حرمت کے بارے میں باخبر کرتی ہے۔ "النہر" میں اس تفصیل کو ہی حق قرار دیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس میں سے کثیر مقدار جو مسکر ہو وہ مطلقاً حرام ہے جیسا کہ "الغایہ" کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ جہاں تک قلیل کا تعلق ہے اگر لہو ولعب کے لئے ہو تو یہ حرام ہو گا، اگر اس سے اسے نشہ آجائے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیوں کہ اس کے استعمال کا مبدا ممنوع ہے تھا، اگر اس کے استعمال کا مبدا دوائی کے لئے ہو اور اس سے نشہ آجائے تو یہ حرام نہیں ہو گا۔ یہ منفرد تحریر ہے، اس غنیمت جانو!!!]

اور بھی علامہ شامی تیسرے مقام میں، بعد ذکر خاص جایفل وعنبر وزعفران وغیرہ لکھتے ہیں:

فَهٰذَا كُلُّهُ وَنَظَائِرُهُ يَحْرُمُ اسْتِعْمَالُ الْقَدْرِ الْمُسْكِرِ مِنْهُ دُونَ الْقَلِيلِ كَمَا قَدَّمْنَاهُ فَافْهَمْ.[1]

---

(1)۔۔: ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الأشربة 458/6

[یہ سب اور اس کی مثل جو چیزیں ہیں ان کی اتنی مقدار استعمال کرنا حرام ہے جو نشہ دے اس کی قلیل تعداد حرام نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ فَافْهَمْ!]

پس چائے مذکور و بریانی مسطور کا پینا اور کھانا بلاشبہ جائز و مبرور ہے اور شخص مذکور کا قول غلط محض و مہجور ہے۔

هذا ما ظهر لي في الجواب بعون الله الملك الوهاب و صلى الله تعالى و سلم على خير خلقه سيدنا محمد و آله و صحبه و أولياء أمته أجمعين. آمين ثم آمين، ثم آمين.

قاله بفمه و أمر برقمه العبد الفقير محمد عمر الدين السني الحنفي القادري الهزاروي عفا الله تعالى عنه.

تقاریظ و تصدیقات

(۱)

حضرت علامہ مولانا عبد الغفور

ما أجاب المجيب وهو فيه مصيب.

نمقه الراجي إلى رحمة ربه الشكور عبد الغفور صانه الله عن الافات والشرور.

(۲)

حضرت علامہ مولانا مرزا محمد

قد أصاب المجيب في الجواب جزاه الله الموفق بالحق والصواب.

حرره الراجي إلى رحمة ربه الصمد مرزا محمد عفا الله عنه.

(۳)

حضرت علامہ مولانا فضل مجید

قد صح الجواب.

نمقه فضل مجيد عفي عنه.

(۴)

حضرت علامہ مولانا قاضی شیخ محمد مرگھی

قد صح الجواب والله أعلم بالصواب.

كتبه خادم شرع قاضی شيخ محمد مرگھی عفي عنه وعن والديه وعن جميع المسلمين آمين.

(۵)
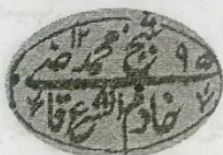
حضرت علامہ مولانا محمد بشیر الدین

قد أصاب و أجاد من أجاب و أفاد.

حرره المسكين محمد بشير الدين عفي عنه.

(۶)

حضرت علامہ مولانا مطیع الرسول عبد المقتدر القادری البدایونی

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و آله و صحبه و اولیاء امته اجمعین

ماأفاد المولى المجيب فهو الحق الحقيق بالقبول و القائل بحرمة أمثال الزعفران و غيره من الأدوية و النباتات الجامدة على الإطلاق بعيد عن معرفة الفقه و جهول، و الله أعلم.

كتبه العبد المفتقر مطيع الرسول عبد المقتدر القادري البدايوني كان الله له في الدنيا و الآخرة آمين.

(۷)

حضرت علامہ مولانا ابو الامانت محمد ہدایت الرسول اللکھنوی

الجواب صحيح و المجيب نجيح.

العبد الفقير أبو الأمانة محمد هداية الرسول اللكنوي صانه الله عن شر كل غوي.

(۸)

حضرت علامہ مولانا قاضی اسماعیل الجلمائی

المجيب اللبيب مصيب.

كتبه خادم الشرع القاضي إسمعيل الجلمائي عفا الله تعالى عنه و عن و الديه و عن أستاذيه و عن جميع المؤمنين آمين يا رب العلمين.

(۹)

حضرت علامہ مولانا قاضی اسماعیل المھری

الجواب صحیح واللہ أعلم.

خادم الطلبة القاضي إسمعيل المهري عفا الله تعالى عنه وعن والديه آمين.

(۱۰)

حضرت علامہ مولانا حسن بن نور محمد

المجيب مصيب وله أجر عظيم.

حرره أحقر العباد حسن بن نور محمد عفي عنهما.

(۱۱)

حضرت علامہ مولانا نعمت اللہ المعروف علی اکبر علوی نقشبندی

ذالک الكتاب لا ريب فيه

حرره فقير نعمة الله المعروف علي أكبر علوي نقشبندي

(۱۲)

حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ الحنفی القادری

الجواب صحيح والمجيب مصيب.

صورت مسؤلہ میں جاننا چاہئے کہ اوّلا فقیر کو بھی اس مسئلہ میں تردد تھا اور۔۔۔یعنی جائفل کے قلیل وکثیر کو مسکر وحرام جانتا تھا اور مجالس میلاد شریف میں خود بھی چائے نہ پیتا تھا اور اپنے معتقدوں وشاگردوں کو بھی منع کرتا تھا، پس

بعد تحقیق کے معلوم ہوا حال اس کا جیسا کہ مجیب لبیب جزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء نے تحریر فرمایا، پس میں نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب وإلیه المرجع والمآب.

حرره الراجي عفو ربه القوي عبد النبي الأمي السيد حيدر شاه القادري الحنفي تجاوز الله تعالى عن ذنبه الجلي والخفي وحفظه عن مؤجبات الكي والغي، متوطن کچھ بھوج المعروف به پیر بھڑو اله نزیل بمبئی.

(۱۳)

خاتمۃ المحدّثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدّث سورتی

ما كتبه الفاضل اللبيب فهو فيه مصيب.

حرره العبد المسكين وصي أحمد الحنيفي الحنفي السني المعروف بالمحدث السورتي حماه الله تعالى عن شر كل غوي وغبي.

(۱۴)

حضرت علامہ مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی

الجواب صواب والمجیب مثاب.

خادم السنة وأهل السنة عبد الصديق محمد وحيد الحنفي السني الفردوسي عفا الله عنه القوي.

❁❁❁❁

عکسیات

(رسائل کے قدیم نسخوں کے ٹائٹل اور پشتی صفحات کے عکوس)

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

بعد الحمد والمنۃ درین زمان فرحت قرآن این رسالہ فیض مقالہ در جواز جہر کلمہ طیبہ بعد جنازہ

الاجازۃ فی الذکر الجہر مع الجنازۃ

۱۳۱۵ھ

حسب فرمائش صاحبان ہمم اہل جماعت اہلسنت میمنان کولسہ محلہ بمبئی

در مطبع مجتبائی واقع بمبئی طبع گردید

فتوی العلماء

تحفۂ حنفیہ جلد ۴ ۲۹ بابت ماہ جمادی الاخری ۱۳۱۶ھ

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

الحمد للہ دریں ایام فیض انسجام این رسالہ فیض مقالہ در تردید اوہام باطلہ

المسمّی

فتوی الثقات

بجواز

سجدۃ الشکر بعد الصلاۃ

از تالیف لطیف حامی الاسلام والدین ماحی شرور الکفرۃ والمبتدعین ناصر الشرع المتین فاضل کامل مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی مد ظلہ

بسعی و اہتمام خیف القوی

محمد عبد الوحید مدعو بہ غلام ... الفردوسی

کان اللہ لہ

در مطبع ... حنفیہ ... طبع گردید

۱

التحقیق المحکم ماھو عن الامامۃ بغیر العمامۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمای دین و مفتیان شرع متین کہ کرتا پاجامہ ٹوپی سے بغیر پگڑی کے امامت کرانا مکروہ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الہدایۃ الی الحق والصواب

صورت مسئولہ میں نماز پڑھنا یا امامت کرانا ٹوپی سے بغیر پگڑی کے جائز بلا کراہت ہے تفصیل اس اجمال کی بقدر ضرورت یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد کپڑے موجود ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپکر نماز پڑھی ہے اور اسیطرح آپنے صرف ایک کپڑے سے امامت بھی کرائی ہے ہمارے حضرت امام اعظم سید المجتہدین سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد متوشحا بہ یعنی حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے سے تمام بدن شریف کو ڈھانپکر نماز ادا فرمائی اور امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرتے ہیں ایک طویل حدیث میں قالت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فسکبت لہ غسلا فاغتسل ثم صلی فی ثوب واحد مخالفا بین طرفیہ ثمان رکعات یعنی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد غسل کے ایک کپڑے سے آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں اور بھی حضرت عبد اللہ ابن عباس

الحمد للہ

قبور مسلمانان کی تکریم و توقیر اور وہابیہ منکرین کی تعذیب و تعزیر مین

یہ مبارک مجموعہ مسمّٰی بنام تاریخی

اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین

۲۲ ھ ۱۳

جسمین (۱) تحقیق مسئلہ مین تحریر منیر حامی سنن ماحی فتن جامع الفضائل قامع الرذائل جناب مولٰنا مولوی محمد عمر الدین صاحب قادری برکاتی فاضل ہزاروی زید مجدہم و لمعت برکاتہم (۲) اوسکی تصدیق و توثیق اور خیالات باطلہ خبیثہ جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی تجہیل و تحمیق مین کلام عرش احتشام مجدد مأتہ حاضرہ صاحب حجت قاہرہ عالم اہل سنت و جماعت جناب مولٰنا مولوی محمد احمد رضا خانصاحب قادری برکاتی بریلوی دام ظلہم و عم فضلہم (۳) فتواۓ ذبیحہ اور وہابیہ کا رد خیالات قبیحہ بفرمائش جماعت اہل سنت بمبئی

مطبع اہلسنت و جماعت بریلی مین چھپا

٢٧

هذا الجواب صحیح کتبه القاضی السید ابو محمد عبد القدوس
قادری الحنفی ناظم المدارسة لجامع العلوم
وخطیب وامام جامع مسجد معسکر بنگلور

مہر عالم جلیل جبلپور

من اهو الحق المبین مجیب اه عند ربی ثواب وعلی انه قد اتی بالصواب۔
ادون عباد الله ذی الجلال والاکرام الراجی الی لطفه محمد
عبد السلام السنی الحنفی القادری الجبلپوری عفی عنه

مہر عالم عظیم مدراس

ما اجاب به الفاضل العلامة محمد عبد الدین سلمه رب الثقلین هو الحق المبین
جزاه الله احسن الجزاء کتبه محمود بن صبغة الله کان الله لها۔
الاجوبة المذکورة صحیحة بلا ارتیاب والله اعلم بالصواب
کتبه محمد قدرت الله حکیم الناصری

مہر عالم نبیل احمد آباد

الحمد لله وحده والصلاة والسلام علی من لا نبی بعده اما بعد حضرت مجیب لبیب
نے جو تمام جواب کتب حضرات علمائے اہل سنت و مفتیان حرمین شریفین سے لکھے ہیں وہ تمام حق
ہیں اسکے خلاف جو کچھ باتیں ہیں وہ تمام زندقہ و بدینی و گمراہی ہے اللہ تعالیٰ سب تمام سنی
بھائیوں کو راہ راست کی ہدایت کرے اور منافقوں کی پیروی سے بچائے آمین ثم آمین۔
المفتقر الی ربه القدیر عبد الرحیم الاحمد آبادی السنی الحنفی عفی عنه

الحمد للہ تعالیٰ

کہ مجموعۂ مسائل ثلثہ ضروری مدلل بدلائل شرعی مبرہن ببراہین قوی - قابل تمسک ہر ادنیٰ و اعلیٰ

مسمّیٰ باسم تاریخی

اظہار صدق وثیق

۱۳۲۶

تالیف منیف

حامی السنن ماحی الفتن - حافظ نبیل فاضل جلیل جناب مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی زید فیضہم

بتصحیح و اہتمام

بندۂ مسکین ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پلی بھیت منتظم تحفۂ حنفیہ غفرلہ خالق البریۃ

در مطبع حنفیہ پٹنہ مطبوع گردید

۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً علی رسولہ
والہ واصحابہ واتباعہ واولیاء امتہ اجمعین
مجیب علام مفتی اسلام جزاہ اللہ خیر الجزا کا جواب
صحیح بلکہ اصح ہے صورت مسؤلہ میں اہل محلہ
اور متولی کو بارہ دری بنانا دیوار مسجد میں برای
آسایش مصلیان مطابق ظاہر روایت
اختیار ہے اسمیں انکار منکر بیکار ہے اسی پر اتفاق
اولی الابصار ہے واللہ تعالی اعلم بالحق
والصواب والیہ المرجع والمآب
حررہ الراجی الی لطف ربہ القوی
عبد النبی الامی السید حمید شاہ
القادری الحنفی تجاوز اللہ تعالی عن
ذنبہ الجلی والخفی وحفظہ عن موجبات
الکی والغی بحرمۃ النبی الہاشمی الامی
صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہ
واتباعہ وسلم ستوطن کچہ بھوجہ المعروف
بہ پیر بہرڑوالہ نزیل بمبئی

المجیب مصیب والجواب صحیح حررہ محمد
نعمت اللہ السنی الحنفی النقشبندی
السندھی عفا عنہ اللہ القوی

مبسملاً وحامداً ومصلیاً ومسلماً حق سبحانہ وتعالی شانہ مفتی نبیل کو جزای جزیل اجر جمیل عطا فرمائے
کہ نہایت جانفشانی سے تحقیق وتنقیح مسائل فرمائی اور راہ صدق وصواب پائی اور دکھائی۔ اہل اسلام کو چاہیے
آنکھیں بند کرکے عمل فرمائیں ان مسائل کو دستاویز محکم بنائیں کہ انھیں میں نور رشد وہدایت کی تجلی اور رشاد حق
وصواب کی جلوہ گری اور اسکے خلاف میں تباہی خرابی اور نقصان وبربادی یہی راہ منزل مقصود کو
پہنچانیوالی حیرانی وپریشانی مصیبت وسرگردانی سے بچانیوالی واللہ الکبیر المتعال اعلم بحقیقۃ الحال

احقر عباد رب العلمین
محمد ضیاء الدین المکنی بابی المساکین
غفر لہ المولی المتین

ماخذ و مراجع

❁القرآن الکریم، کلامِ باری تعالیٰ

❁کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مترجم: امامِ اہلِ سنت امام شاہ احمد رضا خان محدّثِ بریلوی

❁❁❁

❁روح البیان، مؤلف: إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، المولى أبو الفداء (م: 1127ھ)، ناشر: دار الفكر -بيروت

❁تفسير أبي السعود/إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، مؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (م: 982ھ)، ناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت

❁مفاتيح الغيب/التفسير الكبير، مؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (م: 606ھ)، ناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت

❁❁❁

❁صحيح البخاري، مؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي، محقق: محمد زهير بن ناصر الناصر ناشر: دار طوق النجاة

❁سنن أبي داود، مؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275ھ)، محقق: شعَيب الأرنؤوط - محَمَّد كامِل قره بللي ناشر: دار الرسالة العالمية

❁سنن الترمذي، مؤلف: محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن

الضحاك، الترمذي أبو عيسى (م: 279هـ)، محقق: بشار عواد معروف، ناشر: دار الغرب الإسلامي - بيروت

❁سنن ابن ماجه، مؤلف: ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني وماجة اسم أبيه يزيد (م: 273هـ)، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، ناشر: دار إحياء الكتب العربية

❁موطأ الإمام مالک، مؤلف: مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحي المدني (م: 179هـ)، محقق: بشار عواد معروف - محمود خليل، ناشر: مؤسسة الرسالة

❁شرح معاني الآثار، مؤلف: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملک بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى: 321هـ)، حققه وقدم له: (محمد زهري النجار - محمد سيد جاد الحق) من علماء الأزهر الشريف، راجعه ورقم كتبه وأبوابه وأحاديثه: د يوسف عبد الرحمن المرعشلي، ناشر: عالم الكتب

❁المصنف، مؤلف: أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى: 211هـ)، محقق: حبيب الرحمن الأعظمي، ناشر: المكتب الإسلامي - بيروت

❁الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، مؤلف: أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، محقق: كمال يوسف الحوت، ناشر: مكتبة الرشد - الرياض

❁مسند أبي يعلى، مؤلف: أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي الموصلي (المتوفى: 307هـ)، محقق: حسين سليم أسد، ناشر: دار المأمون للتراث - دمشق

﴿مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (م: 241 هـ) محقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ناشر: مؤسسة الرسالة

﴿صحيح ابن خزيمة، مؤلف: أبو بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة بن صالح بن بكر السلمي النيسابوري (المتوفى: 311هـ)، محقق: د. محمد مصطفى الأعظمي ناشر: المكتب الإسلامي — بيروت

﴿مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي، مؤلف: أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطي بن ماه (المتوفى: 150هـ)، تحقيق: عبد الرحمن حسن محمود، ناشر: الآداب - مصر

﴿ مشكاة المصابيح، مؤلف: محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين التبريزي (م: 741هـ)، محقق: محمد ناصر الدين الألباني ناشر: المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثالثة 1985

﴿دلائل النبوة، مؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي، الخراساني، أبو بكر البيهقي (م: 458هـ)، محقق: د. عبد المعطي قلعجي ناشر: دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث، الطبعة: الأولى - 1408هـ - 1988م

﴿الدعوات الكبير، مؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني أبو بكر البيهقي (م: 458هـ)، محقق: بدر بن عبد الله البدر، ناشر: غراس للنشر و التوزيع — الكويت

﴿الفردوس بمأثور الخطاب، مؤلف: شيرويه بن شهردار بن شيرويه بن فناخسرو، أبو شجاع الديلميّ الهمذاني (م: 509 هـ) محقق: السعيد بن بسيوني زغلول، ناشر: دار الكتب العلمية -

بیروت، الطبعة: الأولى 1406هـ-1986م

✿ سنن الدارقطني، مؤلف: أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م: 385 هـ)، حققه وضبط نصه وعلق عليه: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم ناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان، الطبعة الأولى: 1424هـ-2004م

✿ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، مؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)، ضبطه وصححه: عبد الله محمود محمد عمر، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان

✿ الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري، مؤلف: محمد بن يوسف بن علي بن سعيد، شمس الدين الكرماني (المتوفى: 786هـ)، ناشر: دا ر إحياء التراث العربي بيروت-لبنان

✿ شرح مسند أبي حنيفة، مؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014هـ)، محقق: الشيخ خليل محيي الدين الميس ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان

✿ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، مؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: 1014هـ)، ناشر: دار الفكر، بيروت-لبنان، الطبعة: الأولى 1422هـ-2002م

✿ اشعة اللمعات شرح مشكاة المصابيح، مؤلف: ابو المجد شيخ محقق مولانا شاه عبد الحق بخاری محدّث دهلوی (پ: 958 ه/م: 1052 ھ) ناشر: کتب خانہ مجیدیہ-ملتان

✿✿✿

۞المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، مؤلف: أحمد بن محمد بن أبي بكر بن عبد الملك القسطلاني القتيبي المصري، أبو العباس شهاب الدين (المتوفى: 923ھ)، ناشر: المكتبة التوفيقية القاهرة-مصر

۞مجموعة رسائل اللكنوی، مصنف: الشیخ العلامة عبد الحی اللكهنوی الهندی، ناشر: ادراۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی۔ باكستان

۞مدارج النبوۃ، مصنّف: شیخ محقّق شاہ عبد الحق محدّث دہلوی، ناشر: نوریہ رضویہ پبلشنگ۔ لاہور

۞المرتجى بالقبول خدمة قدم الرسول، مؤلف: رضی الدین ابو الخیر عبد المجید، ناشر: مطبع علوی محمد علی بخش خان حلیہ طبع پوشید، سن ندارد

۞مطالع المسرات بجلاء دلائل الخيرات، شارح: شیخ امام محمد المهدي بن احمد بن علی بن یوسف الفاسي ناشر: المكتبة النورية الرضویۃ گلبرگ-فیصل آباد

۞شفاء السقام في زيارة خير الانام صلى الله عليه وآله، تأليف: المحقق تقي الدين السبكي الشافعي ناشر: دار الكتب العلمية- بيروت

۞الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية والسيرة النبوية للشيخ زين الدين محمد بن بير علی الرومی البر کلی تالیف: الشيخ العلامة عبد الغنی بن اسماعيل النابلسی حققه احاديثه وعلق عليه: محمد محمد محمد حسن نصار ناشر: دار الكتب العلمية-بيروت

۞۞۞

❁مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، مؤلف: حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (المتوفى: 1069هـ)، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور ناشر: المكتبة العصرية

❁ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح مؤلف: أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي - توفي 1231 هـ، محقق: محمد عبد العزيز الخالدي ناشر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان

❁الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، مؤلف: محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدين الحصكفي الحنفي (المتوفى: 1088هـ)، محقق: عبد المنعم خليل إبراهيم ناشر: دار الكتب العلمية

❁ رد المحتار على الدر المختار، مؤلف: ابن عابدين محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ)، ناشر: دار الفكر - بيروت

❁البحر الرائق شرح كنز الدقائق، مؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)، وفي آخره: تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسين بن علي الطوري الحنفي القادري (ت بعد 1138هـ)، وبالحاشية: منحة الخالق لابن عابدين، ناشر: دار الكتاب الإسلامي

❁منية المستملي فی شرح منية المصلي معروف به كبيری، مصنف: مولانا ابراهيم بن محمد بن ابراهيم الحلبی (متوفی 956 ھ) ناشر: سهيل اكيڈمی لاهور - پاكستان

❁صغيری شرح منيه مصنف: مولانا ابراهيم بن محمد بن ابراهيم الحلبی (متوفی 956 ھ) ناشر: مير محمد كتب خانه كراچی

❁حلبة المجلي وبغية المهتدي في شرح منية المصلي وغنية المبتدي، للعلامة محمد بن محمد بن علي الكاشغري (م:705ھ)؛تالیف: العلامه شمس الدین محمد بن محمد المعروف بابن امیر حاج (م:879 ھ) اعتنی به وضبطه: احمد بن محمد الغلايينی الحنفی ناشر: دار الكتب العلميه۔بيروت

❁مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، مؤلف: حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:1069ھـ)، اعتنى به وراجعه: نعيم زرزور ناشر: المكتبة العصرية الطبعة: الأولى 1425ھ-2005م

❁رد المحتار على الدر المختار، مؤلف: ابن عابدين محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھـ)، ناشر: دار الفكر- بيروت الطبعة: الثانية 1412ھـ-1992م

❁تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، مؤلف: عثمان بن علي بن محجن البارعي فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:743 ھـ)، حاشية: شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م:1021ھـ)، ناشر: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق۔ القاهرة الطبعة: الأولى 1313ھ

❁غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی، مصنف: عمدة المحققین مولانا محمد ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی، ناشر: سہیل اکیڈمی۔لاہور

❁الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ، مؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري (م: 970ھـ)، وضع حواشيه وخرج أحاديثه: الشيخ زكريا عميرات ناشر: دار الكتب العلمية بيروت- لبنان الطبعة: الأولى

1419ھ-1999م

۞الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، الشيخ نظام و جماعة من علماء الهند، الناشر دار الفكر، سنة النشر 1411ھ-1991م

۞فتح القدير، مؤلف: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: 861ھ)، ناشر: دار الفكر

۞مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، مؤلف: عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: 1078ھ)، ناشر: دار إحياء التراث العربي

۞رسائل الاركان، مؤلف: بحر العلوم ابو العياش مولانا عبد العلى فرنگی محلی ناشر: مکتبہ اسلامیہ-کوئٹہ

۞حاشية البجيرمي على الخطيب المسماة تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف الاقناع فى حل الفاظ ابى الشجاع، مؤلف: الشيخ عثمان بن سليمان بن محمد البجيرمي المصري (1221ھ-1806م)، ناشر: دار الكتب العلمية-بيروت-لبنان

۞الفتاوى البزازيه المسماة بالجامع الوجيز، مؤلف: حافظ الملة و الدين محمد بن محمد بن شهاب بن يوسف الكردرى البريقينى الخوارزمى الحنفى الشهير بالبزازى (متوفى 827ھ)، ناشر: دار الفكر-بيروت

۞فتاوی عزیزی، تصنیف: عمدة المفسرين زبدة المحدّثين مولانا شاه عبد العزيز دهلوی، ناشر: رحمن گل پبلشرز محلہ جنگی قصہ خوانی روڈ-پشاور

۞۞۞

❁شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور، مؤلف: عبد الرحمن بن أبي بکر جلال الدین السیوطي (م: 911هـ)، محقق: عبد المجید طعمة حلبي ناشر: دار المعرفة- لبنان الطبعة: الأولی 1417هـ-1996م

❁تذکرۃ الموتیٰ و القبور: (اردو)، مصنّف: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ناشر: نوری کتب خانہ نوری مسجد اسلام گنج۔لاہور)

❁لواقح الأنوار القدسیة في بیان العهود المحمدیة، مؤلف: الامام العلامة عبد الوهاب الشعراني، ضبطه و صححه: محمد عبد السلام ابراهیم، ناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت

❁❁❁❁

❁تقویة الایمان، مؤلف: محمد اسماعیل دهلوی ناشر: فخر العبید الاعظمی مکتبہ نعیمیہ صدر بازار مئو ناتھ بھجن۔یوپی

منظوم تبصرہ

عمر الدین حنفی کے رسائل ۔۔۔ سراسر علم کے ہیں یہ وسائل
ہدایت پائے، جو عامل ہو اِن پر ۔۔۔ کہ ہیں اِن میں شریعت کے مسائل
اُمورِ دین ودنیا میں ہدایت ۔۔۔ کے ہیں احکام، اِن میں بادلائل
ہیں اِس مجموعے پر تقریظیں اُن کی ۔۔۔ جو رکھتے ہیں بڑے عمدہ خصائل
ابو ثوبان اور خرم نے کی ہے ۔۔۔ بڑی محنت سے تحقیقِ رسائل
الٰہی واسطہ ختم الرسل کا ۔۔۔ عطا کر دونوں کو اعلیٰ منازل
الٰہی ہو کرم حامدؔ پہ ایسا ۔۔۔ کہ آساں ہوں سبھی مشکل مراحل

نتیجۂ فکر

ڈاکٹر حامد علی علیمی

(ایم۔اے،پی۔ایچ۔ڈی)

[20 اکتوبر 2018ء/11 صفر 1440ھ]

دار تراث الاسلاف للتحقیق والنشر والتوزیع کراچی

Cell:0311-3138106,0335-3488379